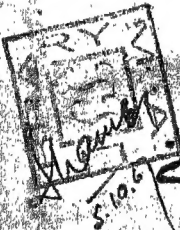




جملہ حقوق نقل و اقتباس و طباعت محفوظ ہیں

# تذکرہ خوش رنگ



۷۵۴۳  
یہ

اردو ادبی کے ظریف شاعروں کے حالات مع انتخاب کلام

مولفہ

مولوی عبدالباری اسی

MAINT. TEST, 3001

4-267

3/1

191-1111-9  
JECOK

~~10~~  
10

CR

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U7563

102

Shameer  
S.O. 67

7  
CHECKED 2008

## حرف ظ

- ۲۰۷ ظران (نور محمد)  
۲۰۷ ظریف (امان اللہ)  
۲۰۸ ظریف (ظریف حسین)  
۲۰۹ ظریف (سید مقبول حسین)  
۲۱۸ ظ - ح

## حرف ع

- ۲۱۶ عالی (اسحاق)  
۲۲۱ عارف (محمد عارف)  
۲۲۲ عاجز  
۲۲۲ عبید زکائی  
۲۲۶ عرش  
۲۲۸ عرشی (یعقوب خاں)  
۲۳۱ عزیز  
۲۳۲ عش  
۲۳۳ عشاق  
۲۳۴ عشرت  
عصمت

عطا  
عقلمند  
۴

## حرف ش

- ۲۸۷ شادی  
۲۸۷ شوخ  
۲۸۷ شرف  
۲۸۸ شاکر (سید اکبر حسین)  
۲۸۹ شمشاد (غلام بخش)  
۲۸۹ شوق (حافظ غلام رسول)

شربت (احمد حسین)

شہدا

شہباز (عبدالغفور)

## حرف ص

صاحبزاد (امام علی)

صاحبزاد (امیر پوری)

صاحبزاد (امیر پوری)

صاحبزاد (امیر پوری)

صاحبزاد (امیر پوری)

صاحبزاد (امیر پوری)

صاحبزاد (امیر پوری)

صاحبزاد (امیر پوری)

صاحبزاد (امیر پوری)

صاحبزاد (امیر پوری)

صاحبزاد (امیر پوری)



۳۳۵	علی	۳۳۵	قمر
۳۳۵	عادل	۳۳۵	حرف ک
۳۳۶	حرف خ	۳۳۸	کافر (محمد طاهر)
۳۳۶	عازمی الدین	۳۳۸	کافر بیکه (میر علی نقی)
۳۳۶	حکیم (عبد القادر)	۳۳۹	کافرک (جلال الدین)
۳۳۶	خواجه الملک	۳۳۹	کالے صاحب
۳۳۸	خج غول	۳۵۰	کٹر
۳۳۹	حرف ف	۳۵۱	کٹ کٹار
۳۳۹	فتحی (فتح اللہ)	۳۵۱	کشنیز
۳۳۹	فدا (عبد الوحید)	۳۵۲	کترین
۳۳۹	فدا (سید محمد علی)	۳۵۲	کن
۳۴۰	فدے سخن	۳۵۳	کوثر (محمد حسین)
۳۴۰	فرد (وحید الدین)	۳۵۹	کودن (عبد العظیم)
۳۴۱	فصاد	۳۶۰	کھوٹا
۳۴۱	فغان (اشرف علی خاں)	۳۶۱	حرف گ
۳۴۲	فدا (شیخ باقر)	۳۶۱	گرم (مظفر علی)
۳۴۳	حرف ق	۳۶۱	گننام (شیخ احسان علی)
۳۴۳	قائن (حبیب)	۳۶۲	حرف ل
۳۴۴		۳۶۲	لا اءلم
۳۴۵		۳۶۲	لا اءالی
۳۴۶		۳۶۵	لاقر

حرف مسیم	میسور
۳۷۸	موج (خدا بخش)
۳۷۸	مولانا
۳۷۹	متر
۳۷۹	میری
۳۸۳	مستی
۳۸۳	حرف ن
۳۸۵	ناجی (محمد شاکر)
۳۸۶	ناز (سید حسین)
۳۸۶	نازین (علی بیگ)
۳۹۲	ناطق (سید ابوالحسن)
۳۹۵	نسبت
۳۹۶	نظر
۳۹۷	نظم (شیخ ولی محمد)
۳۹۷	نیکمیل (محمد یوسف)
۳۹۸	نکته چیر
۴۰۳	نوا
۴۰۳	مردن (نواب الی بخش خاں)
۴۰۵	مقصود (مقصود بیگ)
۴۰۶	مقرض

۴۴۰	ہائے وائے	۴۵۱	واقعہ (سلطان احمد)
۴۴۱	ہجر (نہشت تر جوں ناتھ)	۴۵۲	واہ
۴۴۲	ہدایت	۴۵۳	واہ (وحید الحسن)
۴۴۳	ہرچہ (عبدالکریم)	۴۵۴	وجاہت (وجاہت حسین)
	حرفی	۴۶۱	وحید
۴۴۸	یار (محمد فریق)	۴۶۱	وصل (محمد اسحاق)
۴۴۹	یاسین	۴۶۲	وفا (نور محمد عمر خاں)
۴۸۰	یل (عبدالقادر)	۴۶۳	حرف ہا
			ہاشمی

مطبوعہ نگار مشین پریس لکچر آباد لاہور  
۱۹۲۹ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# طریف شاعروں کا تذکرہ

(ردیف الف)

۱۷۸۷ ۸۷ ۸۶ ۸۵ ۸۴ ۸۳ ۸۲ ۸۱ ۸۰ ۷۹ ۷۸ ۷۷ ۷۶ ۷۵ ۷۴ ۷۳ ۷۲ ۷۱ ۷۰ ۶۹ ۶۸ ۶۷ ۶۶ ۶۵ ۶۴ ۶۳ ۶۲ ۶۱ ۶۰ ۵۹ ۵۸ ۵۷ ۵۶ ۵۵ ۵۴ ۵۳ ۵۲ ۵۱ ۵۰ ۴۹ ۴۸ ۴۷ ۴۶ ۴۵ ۴۴ ۴۳ ۴۲ ۴۱ ۴۰ ۳۹ ۳۸ ۳۷ ۳۶ ۳۵ ۳۴ ۳۳ ۳۲ ۳۱ ۳۰ ۲۹ ۲۸ ۲۷ ۲۶ ۲۵ ۲۴ ۲۳ ۲۲ ۲۱ ۲۰ ۱۹ ۱۸ ۱۷ ۱۶ ۱۵ ۱۴ ۱۳ ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

آبرو۔ آپ کا نام نجم الدین تھا۔ مگر شاہ مبارک کے لقب سے معروف تھے۔  
مخلص۔ ملا خود نہایت مشفق سخن گو تھے۔ مگر مزاج کی احتیاط کے تقاضے سے ہمیشہ  
اپنا کام سر ج الدین علیخان آردو کو سنا دیا کرتے تھے۔ تذکرہ میں جو کچھ مخطوطات میں  
مذکور ہے اس سے استعداد علمی کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ریختہ میں ایسا م کوئی کے نہ ملتا  
تھے۔ آزار نے انجیالیات میں لکھا ہے کہ شاہ کمال بخاری کے دربار کے پیر مخلص  
شہزادے کی محبت تھی۔ آزار کے علاوہ بعض تذکرہ نویس نے بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی  
راجا بخاریان منظر سے جو ان کے معاصر تھے چشمک ہو جاتی تھی۔ یہاں تک کہ باہم جو  
کئی کب بہت پہنچتی تھی۔ اسی وجہ سے بعض بعض جگہ کلام میں ظرافت کا رنگ  
پیدا ہو جاتا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ مستقل طریقہ سے اس رنگ میں کچھ کہا ہو۔ مگر استدلال  
میں نہیں پہنچنے دیا۔ البتہ آزار کے اس لطیفے نے مجھے آبرو کو تذکرہ طر فا  
ن لانے کی اجازت دی۔ تلاش ہوئی تو دو ایک شعر اور بھی مل گئے جن میں آبرو  
کا نام آتا ہے۔ ان کے بعد اس سے علاوہ کچھ اور بھی مل سکتے ہیں۔

شاہ مبارک آبرو اتفاقاً ایک آنکھ سے معذور تھے۔ ران کے معاصر مرزا جاجا نجانان نے چشمک کے طریقہ پر ران کی ہجو میں یہ شعر کہا۔

کہ آبرو کی آنکھ میں اک کانٹہ ہے      آبرو سب شاعر واد کی بیانیہ ہے

شاہ آبرو نے بھی ہجو میں یہ شعر کہا

کیا کروں حق کے لئے کو کو بیری چشم ہے      آبرو جگ میں رہے تو جاجا نجانان بیہم ہے

یہ لطیفہ ہر چند آزاد کی بالکل اختراع ہے اور حقیقت سے دور لیکن چونکہ آبرو کا

شعر رنگ و طرافت کا ہے اس لئے اسے لینا پڑا اور یہ لطیفہ بھی درج کرنا ضروری ہوا۔  
انہیں کا یہ بھی ایک شعر ظرافت کا ہے۔

یار و خدیو رنگا رخاں جو خون کے بیج      ہے تو مستثنیٰ و لیکنی منقطع

یہ عہد محمد شاہی کے شاعر تھے۔ تاریخ انتقال کا پتہ نہیں چلا۔

آبنوس ایک شاعر نامعلوم الاسم کا تخلص ہے۔ جنکا دیوان ایک سرسری نگاہ سے

میں نے ایک صاحب کے پاس دیکھا تھا جو اپنی ضرورت کی وجہ سے غریب آبنوس کا سرایہ عمر

بچ رہے تھے۔ مگر قیمت اس قدر مانگ رہے تھے کہ میں اس کو خرید نہ سکتا تھا۔ تدریب

وس جزو کا دیوان تھا۔ مگر ایک شعر بھی ایسا نہ تھا جس میں۔ سیاہ کالا۔ اندھیرا۔ اُنکا

مترادف کوئی لفظ نہ آیا ہو۔ افسوس ہے کہ اُن حضرت نے مجھ کو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ

جی بھر کر اسکو دیکھتا۔ اور اس سواد نامہ کا انتخاب کر لیتا۔ بیک نگاہ دیکھا اُسی میں جو

شعر یاد رہے وہ لکھتا ہوں اتفاق سے دیوان میں ایک شعر نظر آیا جسے دیکھ کر شبہ ہوتا ہے

کہ ان کا نام کالے خان تھا۔ مگر مجھ کو اس گمان پر دُوق نہیں ہے شعر یہ ہے۔

دیکھ کر اس کی زلف پر قربان      لوگ کہتے ہیں مجھ کو کالے خان

ان کی ظرافت اگرچہ ایسی نہیں ہے جسے دیکھ کر انسان بے اختیار ہنسی پر مجبور ہو جائے۔ مگر

جو کچھ ہے کمال کا نمونہ ہے۔ یہ کچھ آسان بات نہیں ہے کہ تمام دیوان میں ایک جگہ بھی

اپنی وضع کو نہ بدلا جائے اس پابندی کا نباہنا یونہی کچھ سہل نہیں ہے چہ جائیکہ اس پر  
ظرافت کی بھی قید لگا دی جائے اور لطف یہ کہ ظرافت نہایت کامیاب اور شایستہ :-  
نوٹہ کلام یہ ہے -

کے کالے سانپوں میں مناسا کھنکھور ہے	کلسیہ ان کی زلف پہ پھینچی گئی ہے یاؤں نے
میں آہوس ہوں بتا ہوں جانے لگی ہے	خلاف وضع ہے مزا نہیں فرنگی پر
کالی گھٹا کے کالے پھلیندے کھائے کھانڈ والوں نے	زلفیں تیری آنکھیں تیری دیکھیں جانے والوں نے
بجھیسے کہتے ہیں تیسرا کالامند	جانتے ہیں کہ آہوس ہوں میں
کالے پانی اتار دے دھبے کو	ایڑی چوٹی پہ وار دو میسکو
مگر وہ بت سلو نا سا لڑا لہے	اُسے میٹھا سمجھتا ہے زمانہ
لال کسلی میں کالے تل سمجھو	خال و خط اس کے رتے رتوں پر
کالے شہتوت کے برابر ہیں	ترش روئی میں اُل کے موٹے ہونٹ
پو جتا ہوں میں کالی مائی کو	رام ہو جائے گا بست کافر
میں خوب سمجھتا ہوں اسکو کچھ ال میں کالاکالا	ن چھوٹے چھوٹے دانتوں پر کیوں باز کی ڈاکا
کالا دانہ پڑا ہے مجس پر	کین اُس کے روئے انور پر
ساتھ ہے میرے میرا کلو امیر	ن کھینچی ہے زلف کی تصویر
ما تھے یہ کلنگ کا ہے ٹیکا	سے کا نشان شیخ جی کا
باغ کی ایک کالی کوئل ہے	رنگ شگوں تھامے چہرے پر

میر تقی میر کا خیال ہے - اعجاز تخلص ہے - فیض آباد کے رہنے والے ہیں  
کے ایک خوش فکر خوش مذاق ظرافت گو ہیں - ظرافت کے سوا اور کچھ  
نہیں لکھتے - نوجوان آدمی ہیں تعلیم معمولی ہے - مگر ان کے استاد ایک قابل شخص ہیں

جنکی انگریزی کی قابلیت نہایت معقول ہے اور بقدر ضرورت فارسی بھی جانتے ہیں  
 اردو کے نہایت خوش فکر شاعر ہیں۔ کبھی کبھی اقتدا و طبیعت کی وجہ سے ظرافت کے  
 شعر کہتے ہیں۔ چونکہ اپنے آپ کو زمرہ ظرافت گویاں ہیں شامل کرنا اپنی عالی پایگی  
 کی وجہ سے تنگ سمجھتے ہیں اسوجہ سے وہ تمام اشعار شامل کر دوں کی غزلوں میں شامل  
 کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے اس راز سے واقف ہونے کے بعد جو ان سے اس امر کی  
 اجازت چاہی کہ میں تذکرہ میں آپ کا نام نامی لکھ دوں تو مجھ کو بھی اجازت نہ دی  
 اخلاص صاحب کے اشعار میں زیادہ تر صرف مرثیہ یا فیض استاد شامل ہے مجھ کو  
 میرے دوست سید مسعود رضا خٹک اصغر جناب محمد رضا صاحب بس لکھنؤ سے یہ  
 کلام موصول ہوا۔ موصوف نے وعدہ کیا تھا کہ عنقریب کچھ اور کلام دوں گا۔ مگر  
 انہوں نے وعدہ کے ایفا کا وقت نہ آیا اور تذکرہ کی ترتیب کا وقت آگیا۔ بہر حال  
 مسعود رضا صاحب نے اپنی یادداشت کی بنا پر جو کلام لکھوا دیا تھا وہی حاضر ہے  
 ظام شوقی اور زندہ دلی کے تصویر نگین سے کم نہیں ہے۔

اپنے ہوتا ہی نہ تھا مانگے سے پیدا کروا	بیوی نے کس غی سے شوہر کو لبا کر لیا
ہمارے قلب و کیم ہر کاشی کا نہیں	یکے پھرتے ہیں یہاں تو نیے طائرے ٹ
کہ میں اظہار نہیں دل مرا برابر نہیں	دل غریب کو بس پھر دہاندی کہتے
یا دلی پھر یا دلی پھر یا دلی پھر یا دلی	کس میں نے ازبر کرنے کو شکل اس ستم ای کی
بک لے دیا غائب کوئی نے نہیں یا دلی	ہجر کی شب مجھے جسے میں کہنا کہ کر لیا
آشیاں کے ساتھ دائیں ہی مل گئی صدی کی	آگ رکھ کر پوچھتے بھی تھے بچا اچھا ہوا

آذام کے اس نام سے ایک قدیمی اور پرانی بیاض میں یہ دو شعر ملے ان کے سوانح نامہ  
 لے غالب مرحوم کا ایک مطلع ہے یہ فراد کوئی نے نہیں ہے نالہ پابند نے نہیں ہے ۱۲

کا پتہ چلا نہ سکون نہ معلوم ہوئی شہر درج ہیں۔

ایک پڑھیا ہے پھنے کی یاری ساری دنیا میں جو گئی خواری  
رات کو آہیں کے پاس جب لیٹا بولی چپ ہو کے سو رہی بیٹا

کدھا

آہیں۔ پتخلص لکھنؤ کے ایک صاحب کا ہے۔ مگر جہانک معتزرائے سے منا گیا یہ  
تخلص صرف ایک جواب تھا یا اس کا ۱۹۱۲ء میں لکھنؤ میں ایک انجن میاں کے نام  
سے قائم تھی اور ایک رسالہ بھی اسی نام سے شائع ہوتا تھا۔ اس انجن میں لکھنؤ کے  
نامور شعرا و شریک تھے۔ معنی۔ محشر عزیز شاقب وغیرہ اس کے ارکان میں سے تھے  
انجن کی طرف سے ایک ماہوار مشاعرہ بھی ہوتا تھا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں مرزا  
واحد حسین یا اس عظیم آباد سے آئے۔ چونکہ مرزا یا اس کو شاعری کا ایک فطری ذوق  
تھا۔ اس لئے شاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ مگر چونکہ ان کو حسب خواہش داؤد بیگ  
تھی اس لئے ان کو خیال ہوتا تھا کہ اہل لکھنؤ نا انصافی کرتے ہیں۔ اگرچہ مرزا صاحب  
کو خیال تھا کہ مجمع نہ تھا تاہم کچھ نہ کچھ اسکی اصلیت بھی تھی کیونکہ شرکائے معیار  
میں ان کو سناہم شوق اور ہم پہ خیال نہ کرتے تھے بلکہ جہاں تک سناہم یہ بھی ہوا کہ  
ان کے لئے کچھ نہ تھا۔ مرزا یا اس کو یہ حرکت سخت ناگوار گزری۔ اہل قلم تھے  
ان کے اعتراضات کو نا شروع کئے۔ اور حرفیوں کو دندان شکن جواب دیے  
تھے۔ ان کے مقابلے میں ایک فرضی شخص تخلص پہ آہیں پیدا کیا گیا اور اسی کے  
نظم کے یہ ججز لکھکر تقسیم کرایا گیا جس کے بعض شعر ظریفانہ ہیں

سائیش کستہ تا تو اند مرا  
ہر گردان معنی مستابل منم  
رمدند و مروند دل باختند  
جلد انداختند



ہلاکۂ شان بدریم ما      پئے بزدلاں شیر قریم ما  
 نہ از خیل آتش پرستان منم      بہ بزدلاں کہ در کیش بزدان منم  
 بکفت اندرم نیزہ از تسلیم      منم طعنہ بر مصحفے منیر منم  
 پیے ہجو من نیست اندر جہاں      ہجو خدایا من ہجو زریاں  
 شاید اگر دے من ہجو قیر      بدل یا تس را دیدہ دوم ہجو قیر  
 کہ بر قلب مومن گنجیدہ اس      بود در دل کا فراں جاے یاس  
 دل کا فراں ہجو دوزخ بود      دوزخ ہے یاس مطہر بود  
 ہ قرآن کہ خواندیم لا تقنطو      تقو بر رخ یاس ایک تقو

آزاد۔ ایک شخص کا مخلص ہے جو علم سے بالکل بے بہرہ تھا قوم کا مہار  
 اور بہاؤوں کا رہنے والا تھا۔ مجھی تم بہاؤوں سے یہ دو فقر دستیاب ہوئے۔  
 آزاد کی ہے خانہ بدوشی کا یہ عالم      کاغذ سے پہلے پھرتا ہے چھپر کئی دن سے  
 ہمارے باغ کے کونوں میں کرنے کی بہاؤ      اگر خوشبو کی خواہش ہو تو دونا کیے کر دو

آہی۔ خاکسار راقم تذکرہ کا مخلص ہے۔ اگرچہ ذمہ نظریات خوش مذاق میں میرا  
 شمول اور شمار نہیں ہو سکتا۔ مگر میری چونکہ اس طرف کبھی کبھی متوجہ ہوا ہوں  
 لہذا ان اشعار کو ضائع کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا نظرات میں مجھے اکبر کا رنگ سے  
 بہتر معلوم ہوتا ہے۔ بعض شعر اسی رنگ میں کہے ہیں اور بعض واقعہ طلب ہیں جنکی  
 بعض جگہ خود ہی تفصیل کردوں گا اور بعض جگہ اس تفصیل کو محض تھیل سمجھوں گا۔  
 میرا مولد و مسکن قصبہ آدن ہے جو ضلع میرٹھ میں ایک نہایت قدیم شہر فاک  
 بستی ہے۔ بظاہر اس کی آبادی بڑی نہیں ہے مگر اسکی خاک پاک سے ایسے ایسے

ذی علم اور ذی ہنر حضرات پیدا ہوئے جنکی تھوڑی سی تعریف کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ میری پیدائش ۱۲۹۳ء میں ہوئی ۱۲۹۵ء میں قاعدہ بغدادی پڑھنا شروع کیا۔ پھر قرآن شریف کے کچھ پارے حفظ کئے۔ بعد ازاں مصنف شریف کو تمام کیا۔ اور فارسی شروع کی۔ ظاہر ہے کہ اب سے بیس پچیس برس پہلے فارسی کا اچھا خاصہ رواج تھا۔ لہذا فارسی کی تمام درسیات سبقاً سبقاً حافظ برکت علی مرحوم سے جو اس قصہ میں ایک نہایت ہی زبردست فاضل تھے پڑھ کر عربی شروع کی اور صرفت۔ نحو۔ منطق۔ فقہ۔ حدیث مولانا مولوی سید سراج احمد صاحب سے پڑھی بعد ازاں حدیث کی بعض کتابیں دوسری جگہوں میں تمام کیں۔ ۱۲۹۷ء میں طب کا شوق ہوا۔ اور دہلی کے ایک نامور طبیب حکیم نواب جان صاحب رحمہ سے اسکی کچھ کتابیں پڑھیں پھر مختلف لوگوں سے اور ذاتی طریق پر اسکی مراد لیں۔

شعر و شاعری کا شوق ۱۲۹۷ء سے شروع ہوا اسوقت تک بہت کچھ لکھا۔ مگر چونکہ ابتدائی روش اب مطبوع خاطر نہیں رہی۔ لہذا پہلے دو دیوان ایک صاحب کو بالکل دیدیئے گئے۔ اور اب مشکل سے مجھے ان میں کا کوئی شعر یاد ہوگا۔ ایک دیوان جس میں کچھ غزلیں پہلی بھی ہیں میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ میری بہت سی غزلیں ان لوگوں کے پاس بھی ہیں جنکو مجھ سے کوئی بھی تعلق نہیں مگر مردان کو بہت کچھ لکھ دیا گیا۔ ایک غزلیں کیا اکثر کتابیں مختلف علوم و فنون کی دوسرے لوگوں کے نام سے لکھیں اور ملک میں شائع ہوئیں۔

میری تصنیف سے اسوقت میرے نام سے یہ کتابیں ہیں اور حقیقتاً اب میں انھیں کو اپنی تصنیف سمجھتا ہوں باقی جن کو دیدی گئیں خدا انھیں کو مبارک کرے دیوان جو ہنوز غیر مطبوع ہے۔ ظریف اللغات جی جی ہوتا ہے کہ اس کا نوچ کچھ مرج کر دے۔ مگر کیا رہے شہر نشانی ناول چار حصہ یہ لکھا گیا ہے ہوا ایک خاص سبب سے

لکھا گیا تھا۔ پھول و قی چار حصہ۔ یہ بھی نہایت ہی دلکش اور دلچسپ ناول ہے۔ اور  
 سندھو شانتی سنتی کے نام سے بھی معروف ہے۔ علم الشعرا اس کے پانچ حصہ لکھنے کا  
 ارادہ تھا۔ مگر اس وقت تک حصہ اول لکھا جا چکا ہے جس میں شمر کی ماہیت پر ایک  
 فلسفیانہ بحث کی ہے۔ ملا زغلول۔ ایک ناول ہے جس میں حاجی بنگلول کے رنگ میں  
 پیرا ہوسنا کیوں کا خاکہ اڑایا گیا ہے۔ اقوال اکبر۔ اکبر بادشاہ کے حکیمانہ اقوال کا آئین  
 اکبری سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ عتبار فقیر ایک دلچسپ ناول ہے جس میں گدگری کے  
 متعلق ایک نہایت عزیزانہ قصہ لکھا گیا ہے۔ ترجمہ پارہ الحمد۔ قرآن شریف کے  
 پارہ ۳۰ کا سلیس نظم میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ اب تک چھپا نہیں ہے۔ شرح خطۃ العرقین  
 خاقانی کی مایہ ناز مثنوی عنقۃ العرقین کی شرح جو اس نے لکھی تھی کہ ایک زمانہ  
 میں یہ کتاب کورس میں داخل تھی یہ کتاب چھپ رہی ہے۔ شرح دیوان غالب اردو۔  
 غالب کے اردو دیوان کی شرح ہے۔ جوتہ اول اور مشہور ہے۔ رسالہ علم نفس  
 سائنس کے متعلق ہے جس کو بھاشہ یا سنسکرت میں سروے کہتے ہیں یہ بھی ہینوز پٹر  
 مطبوع ہے جو معتریب چھپے گا۔ تذکرہ لنواں شاعر عودوں کا تذکرہ جس میں اردو  
 فارسی کہنے والیوں کا بیان ہے چھپ رہا ہے۔ تذکرہ انظر فا۔ یہ تذکرہ ہے جو ہفت  
 لکھ رہا ہوں۔ اس کے علاوہ بہت سے طویل مضامین بھی لکھے جو چھوٹے چھوٹے  
 رسالوں کی برابر ہیں۔ ایک تذکرہ شعرا اور بھی لکھا تھا۔ مگر اس کے چھپنے کی بظاہر  
 کوئی امید نہیں۔

میں نے اوائل جنوری ۱۹۱۰ء میں اپنے مولد مسکن کو خیر باد کہا اور پہلا  
 قدم غربت میں رکھا۔ اسی زمانہ سے میں ۱۹۱۱ء تک منتقل طریق پر رہی رہا۔  
 اس کے بعد ۱۹۱۱ء کے آخر میں شاہجہاں پور چلا آیا۔ جہاں ۱۹۱۲ء تک عربی  
 فارسی پڑھاتا رہا۔ اس کے بعد ۱۹۱۳ء میں پھر وہی چلا گیا۔ اور مطبع ہمدرد۔

دکشمی نہیں میں ملازم رہا چونکہ سالہا کا زمانہ اخبار پھر رد دہلی کے لئے نہایت اہم تھا۔ اور اس کے ثبات و عدم ثبات کا کچھ پھر وسوسہ نہ تھا اسی وجہ سے نہایت افسوس کے ساتھ دہلی کو چھوڑنے کا قصد کیا اور مطبع منشی نو لکھنؤ میں چلا آیا

جب تک میں دہلی میں تھا میری شاعری متعدد راستے اختیار کر چکی تھی۔ کبھی کچھ مومن کے رنگ میں لکھا تھا۔ کبھی ذوق اور غالب کا رنگ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ کبھی حالی اور داغ کا تتبع کرتا تھا مگر غالب رنگ مرزا داغ کا تھا۔ اور میں بعد حضرت داغ کے جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق کلاٹھوی سے اصلاح لیتا تھا۔ مگر جیسے ہی لکھنؤ میں قدم رکھا اور مشاعروں کی شرکت کا اتفاق ہوا۔ تو مجھے روز روشن کی طرح یہ بات معلوم ہو گئی کہ لکھنؤ کی شاعری عروج کمال پر جا رہی ہے۔ اور دلی کے اساتذہ صرف شومخی داغ کمن کی وجہ سے گلہ فزینی کر رہے ہیں۔ باقی کچھ نہیں ہے صرف ہوا ہے۔ جو اب تک دلی کے نام کو زندہ کئے ہوئے ہے۔ میراجی چاہا کہ میں داغ کے رنگ کو ترک کر کے اب لکھنؤ کی شاعری کا اتباع کروں مگر خیالوں کے ساتھ چند ایسی برائیاں بھی اس رنگ میں نظر آئیں جو خوبوں پر غالب تھیں۔ جذبات میں قصص اور آرد۔ صنعت برائے پریشاعری کی بنا رکھنا تو ناخ کے وقت سے اس میں داخل تھا۔ مگر اس زمانہ میں تین فرقہ نظر آئے۔ ایک وہ فرقہ تھا جو کہ نہ شوق کہلاتا تھا۔ ان کے یہاں وہی رنگ قدیمانہ اور باقیات الصالحات کے نمونے تھے۔ جس سے روح کو اہتر از ہونے کے بجائے اچھا خاصا تنقص ہو جاتا ہے۔ سننے والے غریب کو اپنی زندگی کے وہ لمحے اس برزخ میں صرف کرنے پڑتے ہیں جبکہ حساب نہ زمانہ حیات میں لگایا جاسکتا ہے نہ موت میں۔ دوسرا ایک فرقہ تھا جس نے بزعم خود مرزا غالب اور میر تقی میر کے اتباع کا دعویٰ کیا تھا اور انار سلف کو نسیا نسیا کر دیتے پرتلا ہوا تھا۔ اور وہ کس طرح اس طرح کہ غزل کی غزل میں دردناک مضامین بھر کر شعر کے انبساطی پہلو کو فنا کر دینا

چاہتا تھا۔ مگر ماہر ان فن جانتے ہیں کہ ورد و فریاد کرنا انھیں لوگوں کا کام ہے جسکے  
 دل پر غم و الم کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ جو اپنے خرم و صبر و سکون کو برق جالسور و شبنم  
 کے نغمہ کر چکے ہیں جسکو ابر بہاری کی طرح فضا سے عالم میں رونے کے سوا اور کوئی  
 کام نہیں۔ میر و مرزا کا متبع علم چاہتا ہے۔ عمل چاہتا ہے۔ دل میں برہنگی کا طلبگار  
 ہے۔ و مانع میں شوریدگی کا خواستگار ہے۔ اُدھر یہ عالم اُدھر ان مدعیان بیخبر  
 کے یہاں۔ نہ علم نہ عمل لہذا نتیجہ گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ بہک گئے اور ایسے  
 بہکے کہ سیدھے راستے کے چلنے والوں کو بھی ساتھ لیا اور دای و دای غربت میں لیجا کر اسی  
 و میران آشفہ و پریشان چھوڑ دیا۔ خدا راہ راست پر لائے اُن لوگوں کو جنھوں نے اپنی  
 غلطی اور نادانی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ مرنے کے جذبات ہی سے شعر میں درد پیدا ہوتا ہے۔  
 نزع کا عالم آخری پچکی تشنج اعضا۔ دم قوڑنا۔ ہاتھ پاؤں میں انیشتن وغیرہ ہی تاثر  
 و تاثر کی جان ہیں۔ غرض کہ ان لوگوں نے انھیں مضامین یا ذرا انداز و انداز مشکل مشکل  
 ترکیبوں کو غالب کا رنگ سمجھا اور اسی پر طبع آزمائی کرتے رہے تاہیکہ لکھنؤ کی تمام  
 فضا سے شاعری اسی سم قاتل سے مسموم ہو گئی۔ اور اب تک مسموم ہی چلی جاتی ہے۔  
 تیسرا اگر وہ تھا جسکو دعویٰ تھا کہ ہم زبان کہتے ہیں۔ ہم زبان وال ہیں حالانکہ یہ  
 دعویٰ بھی صرف زبان درازی کی حد میں تھا۔ اس سے زیادہ کوئی وقعت نہ تھی  
 کیونکہ یہ لوگ زبان صرف اس کو جانتے ہیں اور جانتے تھے جن میں محض عورتوں کے ناز و  
 غمزے۔ ادا سے بیجا بانہ۔ انداز میا کا نہ۔ انگلیا چوٹی وغیرہ کا ذکر ہو باقی زبان کے اہلی  
 اور صاف بے تکلفی۔ سادگی۔ روانی۔ آہ۔ کاکہیں نام بھی نہ تھا۔ یہ حال تھا جبکہ  
 میں لکھنؤ میں آیا۔ لطف یہ تھا کہ اگر ان مذکورہ بالائے رنگوں کے سوا کوئی کچھ بھی کہتا مگر یہ  
 ممکن نہ تھا کہ اس کو داد و تحسین میں سخت حیران و پریشان تھا۔ نہ راستہ رفتن نہ جاسے  
 ماندن۔ مجبوراً اس رنگ کو جو مرزا داغ کا متبع تھا میں نے چھوڑ دیا۔ اور دہلی اور لکھنؤ کے

بین غزل کہنی شروع کیں۔ اور حتی الوسع کوشش کی کہ واردات قلبیہ کا درد کے ساتھ اظہار کرتا رہوں۔ اسی روش پر اس وقت تک قائم ہوں۔ مگر حاسد ان بد میں کے دل میں حسد کی آگ شعلہ زن ہوئی اور ہمیشہ عداوتوں میں مصروف رہنے لگے۔ تاہم اب برا بھلا کہتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ذلالت فضل اللہ الخ انہیں اثرات سے متاثر ہو کر ایک سو روز پہلے اختیارانہ یہ شعر لکھا تھا۔

احباب کی شکایا بجا میں کیا کرنا میرے ہنر کو میں ستم آسمان پسند  
چونکہ یہاں بہ تفصیل اس واقعہ کو لکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا لہذا اس کو دل میں محفوظ رکھتا ہوں پھر بھی لکھوں گا اس وقت صرف اشعار ظریفانہ نقل کرتا ہوں۔

اب بھی ہمت کی مسلمانوں میں کچھ قلع میں ہاں مگر ڈرتے تھے سب جس سے بڑھتے ہیں  
قاضی صاحب پھر بھی اچھے ہیں کہ قصہ تو سنا جج نے تو یہ کہہ دیا جاسے ہیں فرصت میں  
ریل کی اکثر خدمت شیخ صاحب سے سنی پاسا دہ چل سکیں دو کو سی یہ ہمت نہیں

غلط فہمی کا فیشن سے ازالا ہو نہیں سکتا کوئی گورا کسی کا لے کا سالا ہو نہیں سکتا  
جناب شیخ بھی ہنس نہیں کے چپکے چپکے کہتے ہیں ٹیڈنگ اچھا ہے حلوا اس سے اعلیٰ ہو نہیں سکتا  
مرے سوز و درد کو مجھے سنکر ڈاکٹر بولا کہ ناممکن ہے ہرگز دل میں چھالا ہو نہیں سکتا  
ہے گرم روشنی بجلی کی وہ ضعف مینائی چراغوں سے مگر ایسا اجالا ہو نہیں سکتا

شیخ مسہد میں گئے صاحب کلب میں ڈٹ گئے ہم کسی قابل نہ تھے مجبور ہو کر مہٹ گئے

ہلکے پھلکے ہو گئے اس روز نامیوں میں پاکجا مہ جذب ہو کر رہ گیا تیلون مین

اس کا اقرار ہی ہو کہ بھی کچھ اچھا لگائی  
دیکھنا یہ ہے کہ کیا لیتی ہو گند پانی  
میرے شاگرد امین نے ایک ہوش قائم کیا تو میں نے مذاقاً پشور کسکیر سنایا۔  
بھٹیاریوں کے چہرے نہ اب آپ کھلے ہوٹل میں رہتے اور ٹن چاچ کھاتے

جن کو درازی شب غم کا گدہ ہے کچھ  
بنگالوں کے چلے ذرا مال دیکھ لیں

کچھ تکرر ہوا اگر طبع ظرافت بخ میں  
دیکھ لے جا کر مسوں کا رنگ خضر گنج میں  
ہندو مسلم اتحاد کے بعد جو لفاق پھیلا ہے اسی سے متاثر ہو کر یہ کہا تھا۔  
اختلاف مذہبی جو قہر پیدا ہو گیا اتحاد قوم چول چول کا مریا ہو گیا

قومی ترقیوں کی عیب یل یل ہے  
کہتے ہیں جسکو چیل وہ لڑکوں کھیل ہے  
لیڈر نہیں دیکھتے انھیں کاربان قوم  
اجوائنٹس کے ہاتھ میں بکلی گیل ہے

ہیکڑوں کریں ہم خانہ مانی کی رسوائی قبول  
کیک دشواری طلب ہے روٹیاں مل لیں

یہ خیادور ہے ہر رسم کی تشدید کرو  
کوئی قیدی جو چھبے ٹیبل سے تو عید کرو

کچھ شاعران نکتہ داں ایسے بھی ہیں جنکے بیاں  
جتنے بلند الفاظ ہیں اتنے ہی سستی پست ہیں  
ان کو براہم کہتے ہیں جگر براہہ کہتے ہیں  
وہ اپنی دھن میں سست ہیں ہم اپنی دھن میں سست ہیں

ابکل جو قوم کے رہبر ہیں وہ لوگ ادھر ہیں  
شیخ بیچارہ تو اسی مفت میں بدنام ہے

سنا تھا لفظ کو اسلام کے چتے بزرگوں سے مگر یہ قسمتی سے آج تک معنی نہیں سمجھے

۱۰۰ اشب غم ہے روز قیامت کی چوڑی مگر میرے نزدیک دلوں کی ہے

دیوانہ سن کے ناصح ناداں کی دہلی یہ کیلکے اٹھ گیا کہ بڑا بے شعور ہے

۱۰۱ مقام عبد کا مبعود سے جدا ہی رہا بتوں سے ہونہ سکا کچھ خدا ہی رہا

۱۰۲ خیال قوم ہر وقت اور بند ہے سوائے اس کے کوئی کام ہونہ دھند ہے جو پوش اٹھے جہاں کے وہ اُن کا چند ہے

۱۰۳ جناب شیخ بھی چپکے سے کہ گئے، اختر شراب رات کو اکثر حلال ہوتی ہے

بھولا ہوا بدولت ذکر حسین و قتل کا قصہ چھڑا ہوا ہے رنگیلا رسول کا

۱۰۴ دل میں ادھر ہو پیش دل دشمنی بھی ہو اس پالسی کو قوم مگر جانتی بھی ہو

یہ کچھ بھی نہیں سمجھے دانا ہیں کہ ہم نہیں اتنا ہی سمجھتے ہیں ہم خانہ بادیوں

۱۰۵ یہ تو کہئے کہ حضرت ناصح آپ انسان ہیں کہ بند رہیں



میرا اپنی ضد پہ آؤں تو اے شمع ضیق  
ساری نصیبوں کا جواب یک عام ہے  
دباں جان ہوئی ہے یہ مغربی تعلیم  
کہ اس زمانہ میں کارگلے کا پھندہ  
اس سے پھر اچھے ہیں غلط کہہ توں کفر  
داروخ تو ہمیں انسانے بند کر دیا  
کیا پچھتاؤی حالت لے طیب ہے  
چاہے جو خیر پہ تو نہ آنا قریب تو  
لے شیخ بھگو حالت بہت بناؤں میں  
دم بھر کو اپنے ہاتھ سے رکھتے جبر ہے

آشفقت - عہد شاہ ظال نام تھا۔ رام پور کے رہنے والے تھے۔ فاضل شخص تھے  
عام چاند پوری سے اردو میں اصلاح لیتے تھے اور فارسی میں قدرت اللہ شوق کو  
اپنا کلام دکھانے کے متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک بیاض و ریاض غبر کا  
ایک فارسی دیوان موسوم بہ "تشریق الخیال" اور ایک اردو دیوان موسوم بہ  
تدقیق الخیال ان کی یادگار ہیں۔ ۳۳۰ھ تک بقید حیات تھے۔ آخر وقت میں مراد آباد  
آگئے تھے اور وہیں انتقال کیا۔ سید خان کے گھیر میں مدفون ہوئے۔

آشفقت نہایت ظریف الطبع اور شورش مزاج واقع ہوئے تھے۔ بات بات میں  
مناقشہ کرتے تھے۔ اور ظرفیت ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ ذوق ہمہ گیر پایا تھا۔  
کبھی کبھی ریختی بھی کہتے تھے۔ گر اب وہ کلام نہیں ملتا ہے۔ تلاش اور محنت کے  
بعد یہ دو شعر مل سکے ہیں جو درج کرتا ہوں۔

شرارت تھی بھری ہر جانی کی ایک ایک ٹٹی میں  
ہوئی سو کن گرفتار آخر اپنی ناک چوٹی میں  
کوئی توجہ ایسے شے سے اپنے جی کو اٹھائے  
مری انگلیا گئی ہوئی ابھی نو چاکھسوٹی میں

آشوب - یعقوب علی خاں نام تھا۔ علی گڑھ کے رہنے والے تھے پڑھے  
لکھے زندہ دل، یار باش خوش خلق تھے۔ ریختی کے رنگ کے شعر کہتے تھے۔ مگر وہ رنگ

نہ تھا جو جان صاحب یار نگین کا تھا۔ بلکہ ان سے مختلف طرز تھا۔ اب سے چالیس کچا پس  
پرس پہلے کے شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

رکھتے ہیں جو کہ پھیل چھبیل ازار بند	ہوتا ہے ایسے لوگوں کا ڈھیل ازار بند
لوٹے ہے روز صحبت و دلار کے مرے	کیا خوش نصیب ہے وہ رنگیل ازار بند
توس قزح بھی دیکھ لے دم بھر توڑت چلے	وہ لال لال نیفہ وہ پیل ازار بند
کیا کیا مرے اڑائیں جوڑ چلے اپنے ہاتھ	وہ گورا گورا سیٹ وہ نیلا ازار بند
پیارے ہر ایک چیز سے زیادہ پسند ہے	باہکا چھبیل اور سیلا ازار بند
کس مردوس کے ہاتھ پڑا ہے یہ خواب میں	کیوں پور رہا ہے رات سے گیل ازار بند
آشوب ان کو ڈر ہے کین ناف مثل نہ چلے	اس واسطے وہ ڈالے ہیں نیلا ازار بند

نگوڑا نکھوڑ ہے ہمسائی والا	کرایہ کا ٹٹو ہے ہمسائی والا
نہیں رکھتا پائی بھی اکن بچا کر	کہ بھٹیا رہ چوڑ ہے ہمسائی والا
میں کیوں سامنے آؤں ایسے محلے کے	کوئی سالاسٹو ہے ہمسائی والا
نہیں تن پہ کپڑا بھی لیر لگے ہیں	بڑا ہی نکھوڑ ہے ہمسائی والا

انگریز لیس۔ احمد شاہ کے زمانہ میں ایک سخر تھا۔ جو کوئی اس کے سامنے رباعی  
یا شعر پڑھتا تھا۔ خواہ وہ فارسی کا ہوتا یا کوئی دوسرا وغیرہ کہتا۔ وہ بھی اس کا  
جواب اسی زبان میں ناموزوں یا موزوں فوراً پڑھ دیتا تھا اور کوئی تامل نہ کرتا تھا  
جب کہتے کہ پھر سنو تو دوسری طریق پر سناتا۔ افسوس ہے کہیر حسن نے اپنے  
تذکرہ میں اس کا ذکر تو کیا ہے مگر کچھ نمونہ کلام نہ دیا۔

آشوب - میرسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک شخص کا تخلص ہے جو چھپک رو دراز قد ہے۔ نہایت مسخر ہے۔ پوچ بے معنی شعر کہتا ہے۔ خود بھی ہنستا ہے لوگوں کو بھی ہنساتا ہے یہ شعر اسی کا ہے۔

در عشق تے جیڑی پست مچا پڑ  
یہ پھر کی وہ دتا یہ غ دہ غیاغ

اٹل تخلص میر عبد الجلیل نام، نازول کے رہنے والے تھے۔ میر جعفر زٹلی کے معاصر تھے۔ کلام بالکل انھیں کے رنگ میں ہوتا تھا۔ نہایت ہانکے سپاہی اور وضع دار تھے۔ ظرافت اور زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مہنسی کے بغیر کوئی بات ہی نہ ہوتی تھی۔ جس زمانہ میں یہ دہلی آئے وہاں محمد عطا ہانکے کا دور دورہ تھا۔ چونکہ خود یہ بھی بڑے بانکوں میں تھے۔ لہذا کبھی کبھی محمد عطا سے ان کی نوک چوٹک ہو جا یا کرتی تھی۔

تذکرہ نویسوں نے ان کے بارے میں غیب خلط مبعث سے کام لیا ہے۔ میر جعفر زٹلی صاحب نے ان کو بلگرامی اور سید ابوالفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے۔ غائب میر عبد الجلیل واسطی کے ہمنامی نے ان کو دھوکے میں ڈالا۔ حالانکہ میر عبد الجلیل بلگرامی جعفر زٹلی کے زمانہ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تذکرہ خزانہ میں ان کو دہلوی لکھا ہے۔ مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کلیات جعفر زٹلی میں ان کے نام کے رقعے موجود ہیں جن میں انھیں نازول کا رہنے والا بتایا گیا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ یہ میاں جعفر زٹلی کے شاگرد تھے۔ میر اٹل جعفر زٹلی کو جن الفاظ سے یاد کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے بڑے دوست تھے۔ مثلاً پناہ پلائی و چوڑائی میر محمد جعفر زٹلی پڑے بھائی ہر روز از دیا و میانی سکھی باشند۔ از سداٹل بعد از دہینگ و جو ہار بہت و بسیار و منو ہار بیشمار و جیل و حقنی مانند۔

اسی طرح حضرت جعفر سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں ”ہنگ  
ملاپ و کشا“ اور ”حد پر گھٹ و پٹیت“ یہ دونوں واژہ جہت اندیشہ افزوں لیکن  
بموجب آج کے حالات قاتیقا حوالہ نمودہ دو انچر سے نکارد۔“

جس سے ظاہر ہے کہ میراٹل ابھی جعفر زٹلی سے ملے نہ تھے۔ اگر دہلی کے رہنے والے  
ہوتے تو ان کے ہاں یہ صبر اور ایسے مشہور معاصرے ملاقات نہ کرتے۔ بہر صورت بہت  
مکمل سے اس خط کے بعد دہلی آئے ہوں اور پھر یہیں سکونت اختیار کی ہو اور  
جعفر زٹلی کے شمارہ ”کلام تلاش“ سے بہت کم دستیاب ہوا جو کچھ مل سکا ہے۔

می چکد بھجو کنہہ بسند و کشاد  
چو سنجہان عی اللہ عی الاذی عی الاذی عی  
جنیش ابرو ہے یا بھو خیال ہے  
دلفان کج و ابرو کج و دفرگان خنجر دار کج  
دستار او مکرار کج ز نقش عیب بلد ار کج  
گھوڑے چڑھا سوار کج باندھے مکر ہتیار کج  
گامے کج و طرہ کج داس طرہ پر ہر تار کج

چاندنی کی لہریں بادی  
تجلی کے نور میں گل پھولت  
زلف کی لہریں بادی  
رجسوت بچہ نہ رہے تیری  
ظالم کما لے شہر و ملک ویرت پر حیا  
کرتی ہے قتل عام عورتیں جو وہ بچی گاہ  
ایں طرہ خوش رنگہ خنجر زنگار ہی بدلتا

دیکھ سجن کے حسن کو سیم سیم ہو جیگر  
روز نگارہ ایسے کامے اٹل اچھکا چک

اثر سید محمد علی قاسم کے پیر زادے حضرت صاحبِ عالم نابھی  
کے پوتے اور سید مقبول علی کے پوتے نے اپنی کتاب ”تاریخِ اہلِ نقی“  
میں لکھی ہے کہ بہت انگریزی بھی لکھتے تھے۔ انھوں نے ”فیضانِ رنگ“ کے

اشعار بھی کہتے تھے۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں انتقال ہوا۔ کلام ایسا ضائع ہوا کہ پھر مل نہ سکا۔ مجھے ایک صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ تلاش کر کے پچھندوں گا دو ایک مہینہ یا دو بھی دلایا مگر انھوں نے ایفاء وعدہ نہ کیا ہر صورت دو شعر مجھے مل سکے ہیں جن میں شوخی طبع کا ایک ہلکا سا رنگ ہے۔

واعظ کسی میخانہ میں ہوگا دگر کیا جو چاہے سو کہہ لے ہمیں شکر گھڑیں

رد کھ گئے مجھے فغا ہو گئے بات پتے کی جو سنی کھو گئے

آج اگر۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کسی تذکرہ میں یہ نام اور اس نام سے کچھ کلام دیکھا تھا مگر اس وقت تذکرہ لکھ رہا ہوں تو نام کلام کچھ بھی یاد نہیں آتا۔ مجبوراً شخص لکھ دیا گیا ہے۔ سب تذکروں کی ورق گردانی کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

احسان۔ حافظ عبد الرحمن نام تھا۔ دہلی کے مشہور و معروف استاد سخن گو تھے۔ شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزد بخش مرحوم عورت مرزا علی خلیفہ حضرت شاہ عالم ثانی کی سرکار میں مختار کل تھے۔ استاد سلاطین کے معزز لقب سے مشہور تھے بڑے مشہور روسا اور شاہزادوں کے استاد تھے۔ تمام اہتمام سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ مگر اہلسلی توجہ غزل کی جانب تھی۔ فارسی بھی کہتے تھے مگر اردو سے تعلق خاطر زیادہ تھا۔ بلکہ آپ کا قول تھا کہ نزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی است "مگر ساتھ ہی فارسی کی مزاولت کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں شعر اساتذہ فن کے آپ کو یاد تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عالم کے اس مصرع پر "صبح بھی بوسہ تو دینا مجھے اسے ماہ نہیں" یہ مصرع "نامناسب" سمجھا گیا۔ وقت سحر گاہ نہیں" لگا دیا تھا۔ کسی نے وقت سحر گاہ پر اعتراض کر دیا۔ یعنی وقت۔

اور گاہ کا اجتماع درست نہیں۔ فوراً سند میں صائب کا یہ شعر پڑھا۔  
 آدمی بیرچ شد حرص جواں می گردد خواب رنگ وقت سمر گاہ گراں میگرد  
 تمام معترضین سنکر سناٹے میں آگئے۔ اسی طرح آپ کی عادت تھی کہ جہاں کوئی  
 خلاف معمول ترکیب یا لفظ اپنے شعر میں لاتے تو سنا کسی استاد کا شعر لکھ دیا کرتے تھے۔  
 اکبر شاہ ثانی کے مقررین خاص میں سے تھے اور خاص خاص صحبتوں میں بھی آپ  
 ہمیشہ شریک رہتے تھے۔ شاہ نصیر بھی چونکہ درباری شعرا میں تھے اس لئے حافظ صاحب  
 اور ان سے کبھی کبھی ٹوک چھوک ہو جا یا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ شاہ نصیر نے انھیں پرچوٹ  
 کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا۔

اے خال رخ یار تجھے خوب سمجھتا جا چھوڑ دیا حافظ قرآن مجھ کے  
 غالب مومن ذوق وغیرہ سب لوگ آپ کی عزت کرتے تھے اور آپ کو مصلح دہان  
 جانتے تھے۔ اگرچہ رعایت لفظی کا آپ کے کلام میں کافی التزام ہے مگر پھر بھی ناموس ترکیبوں  
 و دراز کار تشبیہوں۔ تکرار اضافات وغیرہ سے آپ نے اپنے حتی الوسع احتراز کیا ہے۔ بہادر شاہ  
 ظفر کے دربار میں بھی آپ کو رسوخ حاصل تھا۔ اور کچھ درماہہ معین تھا۔ ایک مرتبہ ماہواری  
 کے پوتے میں دیر ہوئی تو آپ نے یہ قطعہ لکھ کر پیش کیا۔

صید ماہی و صید دل شاہا	خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب
جال ہوں اور شکار محبلی کا	یعنی ڈوبے کا ہے نکالنا خوب
قطب صاحب تھے جب حضور گئے	وہ دو ماہہ گیا ہے میرا ڈوب
اس کو بھی حکم ہو ٹھل آئے	صیر کب تک ہو میں نہیں ایوب

بدگوئیوں نے ایک مرتبہ اکبر شاہ ثانی کے کان بھر دیے تھے اسی وجہ سے غریب احسان  
 قلعہ میں آجانہ سکتے تھے۔ سلام میرا سب بند تھا۔ آپ نے جب یہ رنگ دیکھا تو ایک  
 قطعہ نظم کر کے بھیجا جس کے بعد ہی فوراً قلعہ کی آمد۔ فتنہ جاری ہو گئی قطعہ کے بعض

شعریہ ہیں۔

عرض غماز پذیرا ہوئی میرے حق میں      کیا گیا میرا مگر اسکا ہی ایمان گیا  
حکم والا یہ ہوا قلعہ میں احسان ہو      سخن کے اسبات اک شہر کا اوسان گیا  
لے شہنشاہ جہاں قدر شاہ احسان      خلق کیا کوئے کی گو حکم کو میں مان گیا  
شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احسان      قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ میں احسان گیا  
حضرت احسان کی پیرانہ سالی کا عالم تھا۔ مگر پھر بھی اتنے بڑے شہر دلی کا کوئی شاعر  
ایسا نہ ہوتا تھا جہاں آپ شریک نہ ہوتے ہوں۔ نمکنت۔ غرور۔ خود داری۔ نام کو نہ تھی۔ اور  
لطف یہ کہ ہر رنگ میں شکر کھتے شستہ اور مہذب ظرافت میں بھی یہ طے حاصل تھا۔  
اور تاحین حیات تغنن طبع کے طریق پر غزل ہی میں کچھ نہ کچھ ایسے شعر بھی نکال جاتے تھے  
جو سننے والوں کے دلوں میں شگفتگی اور مسرت پیدا کر دیتے ۱۲۶۱ھ میں پچاسی برس کی عمر  
پاکر انتقال کیا۔ تاریخ وفات یہ پائی جاتی ہے ۵۰۰ دل گیا بیٹھ آہ جب عالم سے جہاں ٹک گیا  
ہر چند اس کے عدد ۱۲۶۱ ہوتے ہیں۔ وہ کلام جس میں شستہ ظرافت شامل ہے ملاحظہ  
فرمائیے ۵

قہمتی نے گلگوں کی حرمت ہے کتنا نہیں      لیکن بڑی ذلت ہو بدشوت کا بچا جانا  
بے معنی نہیں معنی اس رفکے دلکش ہیں      مانگ اپنی دکھا جانی چٹکی کو بچا جانا  
ہے دور سمجھ اپنی یہ حکم ہو اسیسی      جب رات بجے آدھی تم پاس تو آ جانا  
دلاد و زلفت سے دل دور نہ رہ سکتا ہوا      کہ مچھلوا ایک لٹیرے لے ہے ابھی لوٹا  
تنخواہ ایک بوسہ ہے تپسیر نہ جھپتیں      ہے ناؤ ہند آپ کی سرکار یہ طرح  
نہ چھوڑو نہ ہر شیخ اب تو شیخ کا قلمیں      اگرچہ پیر ہے پیر ہے فرید براہ قلمیں  
دھڑکتے ہر شکم میں آدن دولت کو ہم      یاں تو دور رخ کی ٹپری ترسیں گے جہاں شاکم  
۱۲۶۱ قہمت بوسہ جو پچھمی بوسے بے قیمت ہو      آج بے قیمت ہی لینگے جنس بے قیمت کو ہم

معتب تر ہے تو شوق سے منگے انگور اور محروم رہیں بادۂ انگور سے ہم  
خفاقت ہو چھک چھکاتے ہوتے ہیں مرا سر رہے آستانے بہت ہیں  
شکم پر در قیامت کو پھپھکتا میں تو میں جانوں کہ دوزخ لئے جنت یہاں تیلام کرتے ہیں  
دو بھی بوت مجھے اکاہ میں لے ماہہ دو وضع یہ کیلئے کہ نوکر رکھو تنخواہ نہ دو

**احسان** - احسان علی نام ہے۔ صحتیبا باغ لکھنؤ میں قیام ہے۔ تجارت  
و حرقت سے کسب معاش کرتے ہیں۔ جوان آدمی ہیں تقریباً ۲۷ برس کی عمر ہے۔ سن ۱۸  
برس سے شریعت میں۔ چونکہ استفادہ علی معمولی ہے۔ اسی لئے یہ نسبت غزل کے ہزل کی طرف  
زیادہ توجہ ہے۔ غزل بھی جیتے جیتے ہیں تو ابھی کہتے ہیں۔ ورنہ مدتیں گزر جاتی ہیں اور ایک  
مصرع بھی زبان پر نہیں آتا۔ جناب شمس لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ راقم الحروف کے بھی شناسا ہیں۔  
نمونہ طرافت یہ ہے۔

ابے دربان ڈانٹا کیا ہے آئے ہم تیرے باپ کا کیا ہے  
آئے ہیں وہ گدھے پہ ہو کے سوار اپ سیٹھائی میں رہا کیا ہے  
چوتھ دھلا کے مجھے کہتے ہیں یوں نہ ہو پھیٹر تو مزا کیا ہے  
دوڑوں یکساں ہیں اہل دل کے لئے تو چکیا اور مانا کیا ہے  
سن لپا ہے جو نام احساں کا کہہ رہے ہیں وہ ہنسا کیا ہے  
بھنگھلا کے قیس بولا دربان کی کہیں پر اچھا بچا کسی دن تھسا ملو کہیں پر  
یہ کالے کالے مسے کب ہیں رنج حسیں پر حبشی بچوں تے ڈاکا ڈالا ہے ملک میں پر  
آزادیوں کا گلو گز قیض دیکھنا ہو نسوانی اک مدر مسہ قائم کرو کہیں پر  
تم میرے پیار سے جانی اور میں تمہارا فاقہ یوں حاشہ چڑایا میں تے چناں چمنیں پر  
مونچھوں سے کوئی سیکھے سپت و بلند ہوتا ادبھی بھی ہیں کہیں پر بچی بھی ہیں کہیں پر



دیکھا میاں افیمی بیک کا رنگ کھیا  
ٹانگیں ہیں آسماں پر اوندھا ہے سر تریں پر  
مشکل نہیں ہے کوئی احسان وصل کی شب  
آسانیاں ہیں صدقے عاشق کی دلیلیں پر

زر کو اس درجہ پیار کرتے ہیں  
جور و بھی مالدار کرتے ہیں  
رنجہ کھی پکڑ کے کہتے ہیں  
یوں شکاری شکار کرتے ہیں  
کیا زامہا درمی کا ہے  
مرد کو مرد پیار کرتے ہیں  
آپ کے پاپ کا اجارا ہے  
ایک کیا ہم ہزار کرتے ہیں  
مسی آنکھوں میں سرمہ دانتوں میں  
اب وہ انشا سٹکار کرتے ہیں

ترقی انفلو انزائے اتنی کی زمانے میں  
کہ عطاروں نے ریٹھے دیدیے کو بھارت میں  
اگر کر بیٹھتا ان کا گدھے پر صاف کہتا ہو  
سمجھتے ہیں کہ ہم بھی ہو گئے ہیں شہسوار نہیں  
کوئی ہے جو چھنے والا پیسلی اک بھاتا ہوں  
وہ کیا ہے جو مجھ سے تول جاے چھوڑا نہیں  
میں آئے ہوا احسان ادھر تو ذائقہ کچھ لو  
غذا میں اچھی ملجاتی ہیں اکثر پردہ دار نہیں

بیکاریوں کا شغل جو آزار ہو گیا  
ہر دن ہمارے واسطے آزار ہو گیا  
پہنا سنا ہے مغر دل کو مے دام زلف تیا  
اتو وہ رشک حور چڑیا ہو گیا  
بچوں بچوں سے مجھے زہرہ کیا آغیر کا  
نالہ اثر میں سانپ کی پھنکار ہو گیا  
احسان رہ گیا چھوٹے ہوں کا یہ دوست کسے سر  
گر غیر کو پلیگ کا آزار ہو گیا

کچھ غم نہیں جو زخمی پھر انامہ برما  
اچھا ہوا کہ سادہ تھا گلدار ہو گیا  
چھپکا لگا کے آیا ہے دوسے صبح پر  
ایمزوہ ماہ اختہ مردار ہو گیا

جواب صاف بزازوں کو ہر اک مل سے ملتا ہو کفن اب مرنے والوں کو بڑی شکل سے ملتا ہے

عمر بھر لڑ ہی رہا ہوں کو فراق جاناں  
کس طرح وعدہ وفا ہوتا کرکے کس کا  
عمر بھر خواب میں دیکھے ہیں محلا آہل  
حبط طرح مادہ سمیر سے تو سمیر نہ ملا  
جنتی ہی میں ہیں ماہ و سمیر نہ ملا  
پر مقدسے کبھی رہنے کو چھپ رہا ملا

صدے میں اس بنی ہوئی متوالی چل کے  
تہوار بھی دیاں ہیں باعث سے کال کے  
ٹھکر کے قرار گئے لنگڑے ادا پر ہی  
بیدار صبا کیوں خستہ حال ہوں  
دل صاف کر کے ہیں محفل میں گج شیخ  
اکبار پھر چل دے را کو لا اچھال کے  
کی اب کی عید خالی سویاں لایاں کے  
اب چلے خوب شوق سے دلا اچھال کے  
کھائے ہیں میں نے روز وینے کو بھال کے  
لاسا قیاس شراب کٹورا کھٹکا ل کے

اڑا کر کو کام آئی گیا جذبہ محبت کا  
نکون میں یہ عالم ہر سیاں مجنوں کی الفت کا  
مکان دل شکستہ ہو گیا ہے اور اسدکن سے  
میاں مجنوں نے امان پتے ہیں کہ رحلت کی  
میان اہد کے گھڑو دلا گیا بی بی نصیلت کا  
کھلونا ڈھونڈتے تھے تہیں بی بی اس کی صورت کا  
ہوا ہر شوق انکو جیسے عاشق کی مرمت کا  
صفا چٹی ہو گیا میدان جھرا سے محبت کا

وصف لکھنے کے لئے اس غیرت شمشاد کا  
ہو قلم بھی جیسے گھٹٹا گھڑیں آیا د کا

جرمئی گولہ تو انہی میل تک دیتا ہے کام  
آسمان تک جاتا ہے گولہ امری فریا د کا

احسن - ان کا نام قاسم نے اپنے تذکرہ میں احسن قلی - اور مرزا علی الطغاس اور  
صغیر بلگرامی نے اپنے تذکروں میں صرت مرزا احسن نامی خوشنویس اور صنعتیادہ میں احسن  
لکھا ہے - معصی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ان کے اشعار میں ظرافت شامل ہوتی تھی -  
مگر افسوس کہ اہل تذکرہ نے ظرافت کا کلام درج نہیں کیا بڑی دقتوں کے بعد ایک دو شعر  
اس کے جو درج کرتا ہوں -

کہا جو میں نے کہ ترخ کو ترے قمر نہ لگا      بگڑے بولا کہ چلے اے ادھر نظر نہ لگا  
جام سے ساقی کے آگے لئے جون مجلس کیچ      غیروں کو پیہم دیے اور یاد متھ کھولے رہے  
اکثر دن نیلی اور اکثر قطرے کو تر سا کئے      لڑھکے دو چار اور دو چار بچہ کچھ لہے

احمد - اسم گرامی مصطفیٰ خاں ہے - پھپھوند ضلع اٹا دہ کے رہتے واسے ہیں -  
اور وہیں شورے کی ایک فیکٹری قائم کر رکھی ہے غالباً فی زمانہ وہی ذریعہ معاش ہے  
آپ کی عمر اس وقت ۴۵ - ۴۶ - برس کی ہوگی - مشق شاعری بھی بیس پچیس برس  
کی ہوگی - آپ عاشقانہ رنگ کی غزلیں فرماتے ہیں اور اسی میں جا بجا ظرافت بھی شامل  
ہوتی ہے - ۱۹۲۷ء میں جب آپ کو سیاسی معاملات میں قید ہو گئی اسی زمانہ میں  
آپ نے سیاسی مضامین کو بھی داخل غزل کر لیا - اور ایک چھوٹا سا مجموعہ زندان حقائق کے  
نام سے شائع کر دیا جسکو دیکھ کر اپنی مذاق اور پسند کے موافق چند شعرا انتخاب کر کے نذر ناظرین  
کرتا ہوں آپ کی علمی بیاقت وغیرہ کا حال اگرچہ مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں ہے - مگر کلام کے  
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو فارسی عربی انگریزی میں آپ کو بقدر ضرورت دست بگاہ  
حاصل ہوگی نہایت خلیقی - طنسار اور نیک طبیعت آدمی ہیں - قاتیانہ بذریعہ مراسلت  
خطوط راقم سے بھی ملاقات ہے - انتخاب درج ذیل ہے -

نئی حد بندیوں نے کو میں آئین گلشن میں      کہو بلبل سے اب انڈے تو کھے آشیانے میں

اللہ اللہ کس قدر سہمے ہوئے تھے میں پاؤں  
کہتے ہو کہا جائیگے کچا ترس دل کو یہ کیا  
خاک عاشق کیا ہے گویا جرمنی بارود ہے  
دہ بھی ہے ناشپاتی ہی کوئی لہر دہے

میرے سنبھالنے کی فکر میں تو بعد کی ہیں  
شام و عراق و ٹرکی سب ہیں بخاری خاطر  
پہلے ذرا تم اپنا پتلون تو سنبھالو  
مرقد کی فکر کیا ہے چاہو جہاں بسالو

بھاگنے کی ہے یہاں راہ نہ پٹنے کی سکت  
میں وہ پنڈت ہوں کہ اس دور کے اکثر مہر  
آہ لائی ہے کہاں تسرت دیدار مجھے  
دور سے دیکھ کے کہنے ہیں منسکار مجھے

کھڑے ہو کر جنھیں پیشاب کرنا بھی نہیں آتا  
یہ شہوخی یہ شرارت یہ دل آرائی کہاں آگیا  
وہ ناحق کر سیوں پر مٹھنے کی مشق کرتے ہیں  
موسوں کے چاہنے والے کہیں عورتوں پر مرتے ہیں

رقتیب روسیہ کی صورت و سیرت معاذ اللہ  
سنبھل آو آسمان پتلون کے تسے ذرا کس لے  
بلا تشبیہ وہ لنگور کی اولاد بسند رہے  
کہ میری آم سوزاں اب مرے کہنے سے باہر ہے

صحبت صلاح میں رہ کر ہو گئی صلاح حال  
یہ تیرے دہن کی ہے ہمک یا بت بد خو  
میں گدھا تھا شج کے پاس آکے خچر ہو گیا  
بو تیل کی بھیلی ہے کنسر سے نکل کر

خانہ دل میں خیال یا رہ رہنے دیکھے  
ہیڈ کر ہو سچے عدد و کوثر میں لیکن مجھے  
اس مکاں میں یہ کراہیہ دار رہنے دیکھے  
گادوں کا اپنے ہی چوکیدار رہنے دیکھے  
روغن زرنج و سم الفار رہنے دیکھے  
جان نہیں لگتی عدد و کی سستی اعصاب شوق

دوڑتا آئیگا احمق آپ کا خط دیکھ کر  
اُسکو کارڈ بھیج دیجئے تار رہنے دیجئے

باد چوداس افسانے خاص کے بھی نئی  
ایسے وعدے سے تو اچھا تھا کہیں انکا ریل  
ریل گاڑی میں لکھی ہے پہنچے احمق غزل  
دو جینے ہو گئے ظالم کو شر خاتے ہوئے  
بارہا پکڑے گئے ہیں اُسکے گھر جاتے ہوئے  
فتح گدھ سے اگرہ کی جیل کو جاتے ہوئے

گلِ عارض پر تیسے بلبل شیدا کی طرح  
ایک اُلُو بھی تو کینحت غزل خواں ہوا

چمن جب نذر مر مر ہونے والا ہو تو لے لیں  
دفا کا امتحان گو سخت تھا لیکن میاں کلو  
مزلو مٹا نہیں گلچینی باغِ محبت کا  
ہیاں یہ گھونسلے کسو اسطے تو نے بنائے ہیں  
خدا کا شکر ہے کالج میں سیسے فٹ آئے ہیں  
ابھی تک اپنے اے جان من کوتے اڈائے ہیں

خداوندِ تعلق کچھ تو حسنِ عشق کا کر دے  
وہ گھر جانے کو ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں ملتا  
دلِ عاشق فراغت کی جگہ ہے تم جو فرماؤ  
وہ کچھ باتیں بنا کر دل مرا لیلے والے ہیں  
مجھے بندر بنا دے یا انھیں کو تو گدھا کر دے  
جو دور روٹی پکا کر ساتھ آئے نا شاکر دے  
وہ اس گھر کو تمھارے اسطے بیتِ الحاکم کر دے  
اکہی دو گھڑی کے واسطے مجھ کو گدھا کر دے

جیب کوئی ادٹ دیکھتا ہو نہیں دے  
چلاتا ہے کہ وہ مری لیلیا سوا ہے

.....

.....

.....

.....

مراد دل اور آنکی آرزویوں ہیں ہم کو یا  
 دلکیتی پر بھی آجائینگے وہ شاید جواں ہو کر

اک پردہ نشین جیب سے کرایہ پہ ہے اسیں کہ  
 گسدرجہ پشیمان ہوئے ہیں وہ سرخروم  
 رہتا ہے مرا خانہ دل آٹھ ہر بند  
 پا جائے میں اتنا بھی نہ بودا ہو کر بند

دل کی قیمت چار پیسے بھی نہیں لگتے وہاں  
 اک پیالی چاہے کی حسرت بھی اب تک لیتے

کہہ رہا ہے یہ آپ کا انکار کہ  
 کشتی دل کی بحر آتر میں  
 ہاے تقریب وصل کیا ہو گی  
 منہ گھٹ گیا جا کر اُن کے کوچے میں کہ  
 تو بیت آئے گی ہاتھ پائی کی  
 لاٹ صاحب نے ناقدانی کی  
 اُن کو عادت نہیں سمٹائی کی  
 کیا حجامت ہوئی ہے نالی کی  
 کاٹ لی ناک پارسائی کی  
 سچ تو یہ ہے کہ شیخ جی متنے

آنکھوں نے روکے نام ہی بالکل ڈیو دیا  
 شیخ استہار بانٹتے پھرتے ہیں شہر میں  
 گنگا کا گھٹا گرا کاٹک کا چناب کا  
 نیلام ہونے والا ہے ٹھیکہ شریاب کا

دوسرے سب سے اور وہ یوں بے لنگان ہے  
 ذلت اٹھا کے غیر وفا دار بن گیا  
 گویا جناب شیخ کے گھر کی دکان ہے  
 ہادی جو میں گئی ہے تو اب زعفران ہے

تقریر اگر نہ دینگے مجھے جرم عشق پر  
 پا جی کہ ہا سور تو مقرر بنا ئینگے

شیرینی وفا کی ہے بہتات گریہی      حلو افروزش گڑ کو بھی شکر بنا سینگے

سراں وصل پہ مار وعدہ کو      یہ اس اٹو کے پٹھے نے کہا کیا  
ہمارا دل ہے ہم چاہے جسے دیں      میاں نا صبح مہتارے باپ کا کیا  
اچلے کالج سے پونچے کونسل میں      ہماری ابتدا کیا انتہا کیا

ہمارے دل کا کوئی راز داں نہیں ملتا      یہ ادنٹ وہ ہے جسے قدر داں نہیں ملتا  
کچھ اُن کو اپنی جفا دے بغیرت آئی ہے      تو ڈوبنے کے لئے اب کنواں نہیں ملتا  
وہ مرگ غیر پر اظہار غم کریں کس طرح      کرایہ پر بھی کوئی تو حواں نہیں ملتا

تو نے اسے عشق زخماں ہو کے ازاں چھپا دیا      سیب میسی چیز کو ہم ترخ مشہم کر دیا  
کام آئی عاشقوں کے انکی دریوزہ گری      کچھ دنوں کے واسطے آٹا فراہم کر دیا

حرص کو تر ہو تو دوزخ میں جلوں لے ساقی      مجھ کو کچھ اور نہیں چاہیے کتنے سوا  
اور بھٹا کیا مجھے پاش کا صلا کیا ملتا      حضرت بوٹ کی سرکار سے ٹھوکرے سوا  
بس وہیں بیٹھ کے فرمائینگے تلقین صلوٰۃ      شیخ جائیں گے کہاں بزم مزعفر کے سوا

دل شیخ محو مناجات ہے      شبِ لیلة القدر کی رات ہے  
دہاں چھپ کے جاتا ہوں غیر اس طرح      جو دیکھے یہ سمجھے مسماں ہے

جاگیر خجہ کام ہی آئی کہ آخر شش      مجھوں کا خاندان زمیندار ہوگا

لگت نے خوب کام بنایا دم وصال ک انکار کرنے والے تھے اقرار ہو گیا

قد موزوں کو جانتا ہوں کچھ ر شاعری مجھ کو کر نہیں آتی

دور دورا ہے چین میں ظلم و استبداد کا پسینے آئی ہے تربت میں مجھے سخی گدہ ہنشینوں کی جدائی شاق ہو جاتی مگر  
خوب آٹو بولتا ہے آجکل میاں کا لاش صاحب کی دہائی وقت ہے امداد کا ہے پڑیادوں کے ٹولے میں کلاں میاں کا

چیتنے سخن طراز ہیں سست خرام ناز ہیں یار کی ڈیڑھ ٹانگ میں لطف ہے سستزاد کا

تیری نگہ کے واسطے اسے فتنہ خو نہیں دل ہے ہمارے پاس مگر فالتو نہیں

امکی الفت سے تو بہتر تھا کہ ہم کہیں بندر ہی بچا یا کرتے

سہاگہ آتے جو وہ شیرینی لب ہم بھی شہرات کو حلا کرتے

ایک بی بی تین بچے ایک والد ایک ہم آپ ہی کیے گذر کس طرح ہو قفس میں

ایک چکی ایک پاخانہ کاربن ایک کپ کون کون اپنا شریک قید تنہائی نہ تھا  
مونڈتا ایسا کہ سر میں ایک بھی دھتانا بال خیر گزری چاہنے والا ترا نائی نہ تھا  
یہ سمجھ کر بھی بغیر اس بزم کے سیری نہیں ان کے ہاں کتے کی عزت ہے مگر میری نہیں



ہم اور عرض مطلب آنسے حد کے گھر میں  
 ہیں یا جس حیرت دم تکر دل دھجک میں  
 دیکھیں تو بال کتنے رہتے ہیں آج سر میں  
 ان بالشوٹوں سے ہو ملک جاں خطر میں  
 نکلا اک انکے گھر پہو چا اک انکے گھر میں  
 گاڑھے میں نقص کیا ہے خوبی ہو کیا گھر میں  
 جو راہزن کا کھٹکا ہوں فکر راہبر میں  
 پسو کے تھوڑی ہلدی رکھ آئیے گا سر میں

.....

سایہ میں ہر ملامت نکالی میں ہے حلاوت

.....

دل جبہ مبتلا ہے بس ہے وہی دل آرا  
 کہتے نہ تھے کہ دیکھو دشمن سے دور رہنا  
 مانا ہیں داغ رخ پرانا ہو کچھ سر میں  
 اب کیا تائیں تنکو کیوں در دہے کم میں  
 چھوڑا نہ ایک ٹکڑا ان بندوں نے گھر میں

.....

ڈر ہے جناب اسحق جو تے نہ کمائیں اکدن  
 چھپ چھپ کے روز قبلہ جاتے ہیں کچھ گھر میں

اسد۔ جناب اسد علی قدوائی کا تخلص ہے جو جناب احد علی قدوائی کے بھائی  
 ہیں لکھنؤ میں قیام ہے جس زمانہ میں کیتنگ کالج میں پڑھتے تھے تو ایک مشاعرہ سالانہ  
 میں میں نے آپکو دیکھا تھا نوجوان خوش مذاق ہیں اس زمانہ میں طراوت کہتے تھے نہ معلوم  
 اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں۔ چونکہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں اس واسطے صرف  
 کلام درج کرتا ہوں۔

.....

محظا پردہ بس اب ازادیاں بڑھتی ہیں سوانکی . یہ ہر تاثیر یورپ کے بیچون فتنہ سماں کی

وہ بولے اڑکے مر جائیغیرے میں نے کہا اوں ہونہ  
 جہاں تار کیستہ نظر دین شرق کی یہ حالت ہے  
 سنا ہے چاک کی جو غیر کی تو دناسنے خنجر سے  
 نتیجہ موچھ پیجی کرنے کا میرے ہوا ظاہر  
 نہ پائی ذکر ی حبیبیم صاحب تے تو فرمایا  
 نبی جی بھیجو کا زاہد اثر ہنگی میں دکھلاو  
 وکٹ تھا پی لئے پھرتے ہیں میدانِ نصیلت میں  
 بس اتنی بات نے مجھکو ہوا کھلوائی زنداں کی  
 سیا ہی ہے یہ اسے مغرب تری زلف پر لٹیاں کی  
 ہے غل سبزی قورخوں میں لگی تر بوڑ میں ٹانگی  
 ادا یا کنکی تھی پچھلے اٹکی اٹکی پی بھی ہے یا کنکی  
 چلو مس خاک ٹرائیں چلکے یورپ کے سیا باں کی  
 چڑھو ممبر کے اٹسے پر بنا کر شکل ٹیاں کی  
 ترقی خیر بیڑ بھی ہے یہ اطلاق و بستاں کی

اسرار۔ زمانہ حال کے ایک شاعر ہیں بایں تئیں برس کی عمر ہے۔ فارسی کی  
 تعلیم معمولی ہے انگریزی میں بی اے تک تعلیم پائی ہے۔ نوجوان ہیں مگر زندہ دل معلوم  
 ہوتے ہیں۔ میر سے شناسا اور دوست ہیں مگر اپنا نام اور پتہ لکھنے کی اجازت نہیں دی کبھی کبھی  
 ظرافت میں کچھ شکر کہہ لیتے ہیں۔ جس سے کوئی اظہار کمال مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف  
 اپنے تقنی طبع کے لئے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

ان کے لب سے جو رال بہتی ہے اسکو کہتا ہوں قند کا مشیرا

نہ آلودہ گمیاں نہ شلیم نہ ٹینٹ نہ دس  
 وہ ٹھیلے کے اوپر سفر کر رہے ہیں  
 مقدر میں عاشق کے لکھا ہوا ڈھیلہ دس  
 فٹن ہے نہ گمبھی نہ موڑ نہ پینس  
 ہیں پتھر نہیں ہوتے دم بھر کوٹس مس  
 جو وہ ناز نہیں ہیں تو میں ہوں مقدس  
 وہ اوڑھے دھپٹا میں باندھے ہوں صافا

آلو میں نے بچھے بنایا مجھکو کھوسٹ خطاب دیدے

مرکنا کرتا ہے سخت نقصان جلدی جھٹ پٹ جواب دیدے ↓

کیا بناؤں میری تیں خالِ سنج یا ز ظلم خون پیتا ہے مرجھ کر کھٹل بن کر

چپتیں کھاتی پڑیں حجامت پر سر منڈاتے ہی پڑ گئے اولے  
نہیں ملتے ہو تم تو سوتا ہوں نکھیا کھا کے پونے دو تولے

یہ کہتا ہے جو گر جاتا ہے کھٹل چار پائی کا نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جہاں کا  
جو اپنا سر جھکا تا ہے حجامت اُسکی کرتے ہیں مسکینانِ جہاں کرتے ہیں اکثر پیشہ نائی کا

سب کیا ہے جویں لیکر پھری پیچھے پڑا میرے میں ہوں دلاؤ بکیرے کی نہ میں بچہ قصائی کا

مولوی محمد اسماعیل - آپ میرٹھ کے رہنے والے اور زمانہ آخر کے ایک مشہور  
شاعر اور ادیب تھے سرشتِ تعلیم کے لئے جیسی کتابیں آپ نے لکھیں ویسی آج تک  
سرکاری مدارس کے لئے کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ آپ کی بیسیوں نظمیں آج بھی بچوں کی  
ذہانوں پر ہیں۔ علاوہ نثر ویسی کے آپ ایک زبردست شاعر تھے۔ مرزا غالب مرحوم  
کے شاگرد تھے اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے زمانہ کے رسم و رواج اور مقتضائے طبعیت  
سے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی فرماتے تھے۔ مگر آپ کی طرافت نہایت شدتہ متین و جرت انگیز  
اور ناصحانہ ہوتی تھی۔ حالی مرحوم اور مولانا سے مذکور کا ایک رنگ ہے۔ بلکہ بعض باتوں  
میں آپ حالی مرحوم سے پیش پیش ہیں۔ آپ تمام عمر تعلیم کے محکمہ میں گورنمنٹ کے ملازم رہے

اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ صلہ میں گورنمنٹ سے خان صاحب کا  
 راجہ کیا۔ آخر میں پیش لیکہ میرٹھ چلے آئے تھے مگر باد صفت پیرانہ سالی کے  
 بھی آپ کے علمی اور تعلیمی مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور آخر وقت بچوں کیلئے  
 نہایت مفید و مفید کتابیں لکھتے رہے۔ تقریباً ۷۰ برس کی عمر میں بمقام میرٹھ ۱۹۱۶ء  
 یا ۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا۔ آپ کی تصانیف سے متحدہ مفید کتابیں۔ اور ایک کلیات  
 نظم یادگار ہے۔

آپ نے ایک قصیدہ جریدہ عبرت کے نام سے کہا ہے جس میں اہل زمانہ کی غفلت اور  
 کج روی پر خوب خوب طنز و ظرافت کی گئی ہے۔ یہ قصیدہ نہایت طویل ہے لہذا بعض  
 اشعار منتخب کر کے درج کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ عجیب قصیدہ کہا ہے۔ جس میں  
 نصاب کے زہر کو ظرافت کی چاشنی دیکر شربت کی صورت میں پیش کیا ہے۔

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار	یہ ایک سادہ گزارش ہے یا ادبی الابصار
کہ اب کے ماہ محرم میں ساتویں تاریخ	گیا جو گھر سے قضا را بجانب بازار
تو دیکھتا ہوں کہ گزری میں ایک اکھاڑہ	اور اتنی بھیر کہ جبکا نہیں حساب و شمار
ہیں دو حریف مقابل لئے پھری گشتکار	ہر اک فن بھیکیتی میں طاق اور طرار
جو اس نے پاؤں بچایا تو اس نے سرتاکا	دکھایا چہرہ تو پہلو پہ جاکیا ہے وار
عجیب ٹھاٹھ لئے پیر سے غضب پھرتی	نزلے ڈھنگ سے کرتے ہیں انکار
چلا ہے ایک ہنسی کا باندھ کر چکر	کھڑا ہے ایک لئے سیف لڑا ہے گوار
میں اپنے دل میں لگا کئے کیا حافقت ہے	مٹے ہوئے ہیں جو اس فن پہ یہ خدائی خواہ
سہ گری کا یہ فن تھا کسی زمانہ میں	نہ وہ زمانہ رہا نہ اب صورت بیکار
کہاں ہیں اب وہ دیران صفت شکن باقی	کہ ان فنون پہ ہوتے تھے جان و دل سے شمار
جو اب دل لے دیا کہ مت تعجب کر	میں اس سے بڑھ کے نہاؤں زمانہ کے طوار

## (شاعر)

سختو زبانِ زمان کی بھی ہے یہی حالت  
سوا سے عشق نہیں سوچتا انھیں مضمون  
ہے شاعری میں یہ پہلا اصول موضوعہ  
تمام انگیزہ مانہ کا ہے یہ پس خوردہ  
کمال اپنا سمجھتے ہیں خود ستائی کو  
جو اپنے فخر پر آئیں تو بس کریں تسخیر  
ہے ایک غار میں پانی سڑا ہوا بیریز  
وہ پینہ آپ کو سمجھا ہے نا خدا ہے چار  
اسی طرح ہیں ہمارے زمانہ کے شاعر  
کیا ہے نام زطل قافیہ کا اپنے سخن  
جو ان کے دیکھتے دیوان تو بورس کے لٹو  
وہی ہے شاعر غرا جو بے مکی ہانکے  
یہ آنکی طبع بلند اور معنی زنگیں  
د جس سے طبع کو تفریح ہوتی دل کو خوشی

کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑے زہنار  
سودہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار  
کہ جھوٹ موٹ کے بنجائیں ایک عشق زار  
کہ کر رہے ہیں جنگالی وہ جسکی سو سو بار  
نہ تنگ ہے نہ حیا ہے نہ شرم و غیرت و عار  
حدود ہند سے لے تا یہ فارس و تاتار  
پڑا ہے تیم کا پتہ اور اسپہ پشہ سوار  
اور اس سڑے برسے پانی کو لچھڑو خار  
سمجھتے اپنی خرافات کو ہیں عین وقار  
وہ کنکری ہے جسے کہتے ہیں درِ شہسوار  
غلط و گندہ سراسر نتیجہ افکار  
یہی ہے شعر کا اس دور میں بڑا معیار  
جو طبع گدہ ہے تو معنی سڑا ہوا مردار  
غزل ہے یا کوئی ہڈیاں ہے بوقت بخار

## (نمونہ غزل)

صفت ہے دوست کی جلا و ظالم و غدار  
سب دلدروں کی بھی شامت نہ منہ رہا نہ کر  
یہ آپ کے گل عارض وہی ہیں باسی پھول  
جو دن ہال کی محراب ہے ختم ابرو  
نرخ کنواں ہے کہ جس میں ڈرو کچل لٹیا

ستم شعار دل آزار ہے وفا مکار  
بیجاے زلف کے دو تار دہوں کی ہے بھکار  
پڑی ہے نزع کی حالت میں نر گس ہیار  
تو ہے مڑہ بھی پوس کے سپاہوں کی قطار  
بھڑ ہے نافت کہ جس سے نہ ہو گا بڑا بار

شبِ خزاں کا دکھ اگر کریں تسخیر  
 وہی لندری ہے قمری تو پہنچی نیل  
 غریب شیخ بہر دم دو لٹیاں جھاڑیں  
 ہے چرخِ پیر تو مدت سے شامروں کا پیر  
 جمالِ یوسف و اعجازِ عیسیٰ و موسیٰ  
 بہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب  
 ہیں ان کی طبعِ دنی عنکبوت کا جالا  
 وہ توڑتے نہیں لقمہِ مبالغہ کے بدون  
 سدا و درغ کی کرتی ہیں نکھیاں بھن بھن  
 لکھیں جو قصہ تو دیو و پری کا افسانہ  
 کریں چڑیل کو حورانِ جلد سے نسبت  
 حیبِ ایتھ ہوتے ہیں معتمدِ بتندل دار  
 کریں جو مدح کسی چڑکنے کی وہ بالفرض  
 بنائیں اُسکے تمیں یر و بحر کا سلطان  
 ہے سچ تو یہ کہ انھیں شاعروں کے تالیبیاں  
 مشاعرہ ہو تو لڑتے ہیں جیسے ٹینی مرغ  
 وہ خود قروش بنے ہرچ استادِ تراں  
 اگر سنیں کہ ہوا ہے فلاں رئیسِ علیل  
 اجر گئے ہیں وہ بھان اور لہ گئے ڈیرے

تو ایشیا کو ڈیو دیو سے دیدہ خوبیار  
 وہی ہے سر و کاٹھنٹ اور طولِ قامت یار  
 کریں مساجدِ مکہ سے دم دبا کے فرار  
 یہ کوسے ہیں اُسے یہ مریدِ ناہنجار  
 ہیں انکی گندہ دہانی کے سامنے سب خوار  
 یہ ان کی اور بھری شاعری خدا کی بار  
 اور ان کی بندش مقبول ہے کھیل کا نگار  
 بغیر بھنگی کے جس طرح چل سکے نہ کہا  
 چپک رہا ہے لبوں پر جو شیر کا گفتار  
 لگا دیں کذب کے ڈھیر اور چھوٹا کے انبار  
 بنائیں اونٹ کٹیلے کو گلشنِ بے خار  
 تو گو یا عرش سے اتری چار کو بیگار  
 تو پھر سکندر و دارا ہیں اُنکے باج گزار  
 جو فی المثل ہو کوئی کور دہ کا نمبر دار  
 لیا ہے جھوٹے کلجگ میں اُن کرا و تار  
 لہو لہان ہیں پنجے شکستہ ہیں منقار  
 کہ جن سے کوئی ٹکے سیکڑا نہ لے اشعار  
 تو پہلے قطعہ تاریخ کر رکھیں تیار  
 جہاں کڑاتے تھے یہ بھانڈا کاغذی ہمار

جہاں خوشامدیوں شاعر دکنی تھی بھرتی

اب ایسی کاٹھ کی اونٹیں کوئی سرکار

## فلسفی علما

د شاعروں ہی پہ تنہا پڑے ہیں یہ پتھر  
کہ عالموں کا بھی اسی دور میں ہے شمار  
وہیں ہیں آج جہاں تھے یہ دس صدی پہلے  
گیا ہے قافلہ دور اور ٹوٹتے ہیں اعتبار  
وہی قدیم زمانہ کا فلسفہ سسٹریل  
ہو جیسے کہتے کھنڈر کی ڈہی ہوئی دیوار  
چونکہ قصیدہ بہت طویل ہے اس لئے اسی پر اکتفا کی گئی۔

اسلاف کا حصہ تھا اگر نام و نمود  
پڑھتے پھر داب ان کے مزاروں پہ درود  
کچھ ہاتھ میں نقد رائج الوقت بھی ہے  
یا اتنی ہی پونجی پورم سلطان بود

کیا کہتے ہیں اس میں مفتیان اسلام  
تو وہ کفاف کے لئے مومن کو  
حب بیع مساجد سے نہیں چلتا کام  
جائز بھی ہے یا نہیں خدا کا نیلام

سے کار نہ وقت کو گزار دیا رد  
برسات کی فصل میں ہے ورزش لائٹ  
یوں سست پڑے پڑے نہ ہمت ہارو  
کچھ بھی نہ کر دو تو مکھیاں ہی مارو

لاکھوں چیزیں بنا کے بھیجیں انگریز  
چرتے ہیں مگر علوم انگریزی سے  
سب کرتے ہیں دندان ہوس اپر تیز  
گڑ کھاتے ہیں اور گلنگوں سے پر ہیز

استہما۔ ایک ایرانی شاعر کا تخلص ہے جن کا اصلی نام مرزا عبد اللہ تھا  
ان کا مولد اصقان تھا وہیں نشو و نما پائی اور مہولی تعلیم بھی اسی سرزمین میں حاصل  
کی۔ استہما کے والد کا نام حاجی فریدون تھا جو گرجستان سے ایران میں آئے اور  
اپنی بیوی کو بھی کہ وہ بھی گرجن تھیں اپنے ہمراہ لے آئے شہرہ میں مرزا عبد اللہ

پیدا ہوئے اور اپنے والد کے سایہ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ یہ ابتدا ہی سے نہایت ذکی اور ذہین واقع ہوئے تھے۔ مگر بد نصیب بھی اول درجہ کے تھے یعنی ہنوز بچہ ہی تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور بیچارے اشتہا کو مدرسہ میں داخل ہونے کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ بغیر اس کے اوقات گزاری کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ اسی حالت میں یہ تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ خوشنویسی کی بھی مشق کرتے رہے۔ چند روز میں صرف و نحو۔ منطق۔ کلام۔ عروض و قافیہ میں کمال حاصل کر لیا علم کے ساتھ ہی ساتھ ان کی خوشش بیانی اور ظرافت بھی ترقی کرتی رہی تا انیکہ علوم سے فراغت کرنے پر ایک تیرہ دست ظرافت بن گئے اور ان کی ہر طرف شہرت ہو گئی۔ اور ابتدا ہی سے یہ بھی شوق دانگیر تھا کہ اپنے معاصرین اور مقدمین کا عمدہ کلام بیاض کے طریق پر جمع کرتے رہتے تھے۔ اسی شغف اور غلو کی وجہ سے خود ان کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ مگر جب یہ خیال آیا کہ ہزاروں ذی کمال شعرا گزر گئے اور آج اسے گوشہ گنتائی میں پڑے ہیں کہ کوئی اُن کو جانتا بھی نہیں تو کچھ دل افسردہ ہو کر رہ گئے مگر طبیعت کے ابھار اور دلی جوش نے پخلا نہ بیٹھنے دیا۔ یہ چشمہ ظرافت کی صورت میں پھوٹ نکلا اور تر و درخشو سے بہنے لگا۔ مگر ظرافت میں بھی ایک خاص قسم اختیار کی۔ یعنی تمام کمالیہ مٹھائیوں سے دلوں اور بھوک کا ذکر کرنا اپنے اوپر فرض کر لیا۔ اور آخر کار وہ تمام کلام اچھا خاصہ شکرستان ظرافت بن گیا۔ مگر زمانہ اہل کمال کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔ اشتہا بیچارے ہمیشہ مفلوک الحال پریشان روزگار رہے۔ کبھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہ ہوا۔ آخر اسی عالم کس پرسی میں مسئلہ میں انتقال کیا۔ حرم نے اُن کی تاریخ وفات کی۔

افسوس کہ اشتہا سے بافضل دہر  
از ملک فاسوسے بقا کرد گزر  
گفتا پئے تاریخ وفاتش حرم  
اسے داسے کہ اشتہا نہ ارم دگر



اشتبہا نہایت نیکدل اور غیور تھے۔ کسی سے سوال کرنے کو نہایت برا سمجھتے تھے۔ اپنا فقر و فاقہ حتی المقدور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے اور غالباً معلیٰ سے بسر اوقات کرتے تھے۔ ان کے کلام میں ظرافت بہت ہے۔ مگر وہ اسی حد میں محدود ہے جسکا ہم ذکر کر چکے۔ پختگی ان کے یہاں قدمائے کم نہیں۔ مگر قدیم زبان اور ان کی زبان میں فرق ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔ جو تمام دیوان سے انتخاب کیا گیا۔

مشہور گشتہ است در آفاق نام ما	زین اشتہائے بیحد و مالا کلام ما
با ما کے چگونہ زندان پر خوری	کایں سکہ راتوندہ در اول بنام ما
گر روزی تمام خلایق کند رج	گرد قدائے مختصر صبح و شام ما
آن گنبد بزرگ کہ در مسجد شہ است	سر پوش کو چکے است بہ قابی طعام ما
قناد و راز ما برساند کسے سلام	ق دانگہ زرد سے لطف بگوید پیام ما
چوں ذکر خیر ما ہمہ شمسین شامت	دور از موت است بود تلخ کام ما
از فیض عام شربت تاریخ عافیت	پیش از سیکھن بچھاں شد قوام ما
از سبکہ آتشم بہ دل است از غم کباب	سوز سمندری کہ کند قصد یام ما
مشکل کہ روز حشر بر آیم سبز خاک	تا بوسے ز قرمہ زمرہ در شام ما

یوسے زمرہ شام ز قرمہ بمشام	گر باز گزارند ہمہ دیگ جہاں را
گر پردہ دلمہ بدرم در نظر خلق	یک لحظہ کتم کشف دو صد راز نہاں را
گر یک دوسہ ناسے بکف آرم بحر م	صد پارہ کتم کون رن شمر دشاں را

دستم وزن بردل دگر از درد و جویم در گندہ      دیگر میا و در دروغاں ایں طبل بے ہنگام را

میش من گزشتد حلوا را      میخورم هر چه مهت یکجا را  
سرو از پاشیند ایشند      قامت قند سرو بالارا

یک شتر از خرپزه کو تا که برهانم کنوں      از کفت این سارباں ایدل مهار خوش را

کو شقص کریمے که دریں موسم سرما      هر صبح خلیفه به گزارد به برما  
از بوسه خوش قمره فردست و قرایم      از محبت شهر چه اندیشم چه پردا  
در حین و خطارنت حکایت صفایاں      بر قاپ پل دست کشادم چه به نعیا  
تا آنکه تنگم هست بیارید کبابے      کس جا میدد در غور آن قامت رعنا  
یک بقیه مرغه دیود در همه عالم      شامد که بچو نیم ز سر منزل عفتا  
شب تابه سحر باشدم از فرقت انگور      از دیده بدامن همه دم عقد ثریا

گزیخته اگر شام خورم نوبت صبح      یاد گو زرم بهم اندر شکند سنا را  
اگر از نقل به سازند مرا زنجیرے      همه عمر بجاں می طلبم ز نذا را

تنها ز بوسه کله نه از پانقاده ایم      کز سز بدر شده است یکبار دریا

تمام سال خورم حسرت شب و فصل      از آنکه از دل و جاں مانم زلیلا را  
به روزگار چه ما-هر که بے مرئی بود      نه بد لذت شیرینی مر با را  
دو صد هزار فدک میدهم شمرده اگر      و درانه تر فدک آورند خرمارا

گر چندون سیر پذیر مخوردمی انجیر را  
از قوت بازو بهم بشکسته ز انجیر را  
دم از مغز عفری زند در پیش مانتا قابله  
کز بانگ خر نشناخته زیر دلم کفگیر را

گفتم که گندم شده دانه ام بود در حیب  
بعینه در نظرم روز عید نوروز مراست

خلق را گر همه رغبت به پیزیش است  
بیشتر میل دلم با کره گامیش است  
به ضیافت به برد شام گرم همسایه  
آشناست که بهتر ز هزاران غیش است  
لاغر از کوفته گاؤ چه گردد قشر به +  
غیر در عرصه بهجا به برش چون میش است  
خاک وجودم از لیشگانند تا بکشر  
هر چند حیثی شود از قورمه آرزوست  
آنکس که قانع است به سوطه طعام ما  
از خاندان آدم خاکی فرشته خوست

با حرمت است نزد قمر سید القرم  
چون نزد ما کسی که ز آل پیمبر است  
هر کس که هر شیم به ضیافت همد از ند  
در نزد من به رتبه چو سلطان یزد است  
زرد و ضعیف و تنبل در بخوره لاغر است  
زرد که هر آنکه سیم رخا میخورد مدام  
او در جماع با خرم مصری برابر است  
ردغن ندانی از چه پرده عدس نکست  
این نوع دس زشت سزاوارد زیور است

اسب را دادم و خربوزه گزتم خود  
حالیان بخت افسار و کاب و زین آت  
بر سر تربت من دیگ طعائے آریز  
گوش بر ناله کفگیر نہ بر تلقین است

چل صبا چ پیایے خورد اگر کس قوت  
نیشہ و بھان پیر و عا جز و قوت  
کفن درم ببرد زندگی نہ سر گیم  
ز بد اگر مشغوم بوز رخصت تابوت  
میں بچشم کم ایدل انار را هرگز  
کہ دانہ اشیش بود بہ زحمت یا قوت

ہر کہ خاک در قناد کند کل بصر  
بر سر رشتہ پشک بہ شب تار و  
ہر کجا قصہ خربوزہ آید میسای  
بہتر آنست سخن از خروخرو ابرو

نان و پیاز سیر خوردیم مسکلا  
مالا کے اریلو شکے سیر می کنند

ہر کس کہ خورد کوٹہ گاڈیکہ شب  
چل پیل پیکرش بہ تنش فرہی کند

استخوان قلم آنکس کہ ربود از قبیہ  
شاہ بازے است کہ او فرہاے دارد  
قیمت شیر برنج ارچہ گرانست مرغ  
شیردہ شیرہ صفت شیر بہاے دارد  
فرقہ ترا کہ بود شلغم و زر وک انبار  
ایلی باشد اگر در طلب سیم و زرند  
غیر در دل و در دکر و بار صداع  
از پیاز است مہیا دوسہ آزار دگر  
ز بوستان جہان سیبہ ار نصیب شود  
تمام عمر بہ پیایم اس نشیب و فراز

اشفاق - ایک غیر معلوم شاعر کا کلام اس نام سے علی گڑھ میگزین میں دیکھا گیا

بہت ممکن ہے کہ یہی نام بھی ہونہ یا وہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ نہ تو نہ کلام یہ ہے۔  
 مصرع کا لگانا تو ہے حصہ شعر او کا سید بھی ہے رو بہت کدہ احسان خدا کا  
 قچی سے میا بخی کی کچی جان پر ہوس تقدیر سے بوی بھی ملی ہم کو لڑا کا  
 بیٹا ہے چمر گد کی طرح موڑی منعم پیسے نے رو چا دہا نے اسے تاکا

اصغر۔ آپ کا نام سید علی اصغر ہے۔ شاہپور ضلع فقیہ پور کے رہنے والے ہیں  
 زمانہ حال کے بذلہ شیخ شاعر ہیں۔ اودہ پنج سابق میں آپ کی ایک نظم بہ عنوان  
 رنگ میں بہنگ نظر سے گزری۔ جس میں بعض جگہ شوخیوں اور ظرافت کا لطیف  
 رنگ شامل ہے۔ انتخاب نظم یہ ہے۔

یہ محرم میں ہولی کا توار ہنستی صورت ہے اور دل بیمار  
 گر بڑے تنگ کے پردہ ہا چٹم جب نہ آیا ستم شاعر عیار  
 لگ گئی آنکھ موت آسپہ بچی ہو گئی حس مشترک بیمار  
 روح قالب سے سیر کو نکلی عالم خواب کی دکھائی بہار  
 نظر آیا بہت بڑا میدان عرصہ حشر جس کا باج گزار  
 کوہ آتش فشاں زمیں بالکل دھوپ سے تیز ہر آتشبار  
 ایک بڑھا ضعیف ریشائیل نظر آیا بہ صورت خوشخوار  
 پیٹ میں آت تھی نہ منہ میں نہت جھریاں جسم میں پڑی تھیں ہزار  
 ضعف پیری سے جھک گئی تھی کمر سر بھی جنباں تھا صورت میخوار  
 پائے ماند نہ جاے رفتن تھی قحی عجیب مجھ سے میں جان نزار  
 کچھ ہلرس اور کچھ بڑھی ہمت بڑھ کے دواک قدم ہوا دواچار  
 بڑھ گیا چند آیت قرآن کر کے دم۔ دم میں لایا جسم نزار

دل میں آیا خیال ڈر کیا ہے  
حضرت خضر سبز پوش ہیں یہ  
پھر یہ آیا خیال ڈر کے ساتھ  
ایک ہی رقمہ میں تنگل جاے  
بیہچا لا حول کہہ سکے بسم اللہ  
پونچا اکدم میں اس فقیر کے پاس  
ہینے بچھا کہ کون ہو کیا ہو  
کس کے تیرنگہ کے گھائل ہو  
بولو وہ مرد نیک خوش اسلوب  
تینے ابرو کا میں نہیں گھائل  
انقلاب فلک کا مارا ہوں  
لوگ سب سو رہے ہیں غفلت میں

فرط غم سے جو کھل گئیں آنکھیں  
وہی کج قفس وہی فریاد  
مٹ گیا سب طلسم کا مگر بار  
بستر غم ہے اور اصغر زار

**اظہار**۔ اس شخص کے ایک شاعر تھے جو صنم شاہ جہاں پور کی تحصیل یا کچھڑی میں  
عالمین نویسی کر کے بسر اوقات کرتے تھے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔ طرافت کے  
یہ شعر ان کی طرف منسوب ہیں۔

پیشہ لیا تھا عمر سے پہنے چار کا  
وہ کہو لکر در مسیحا یہ صاف کہتے ہیں  
پھر بھی نہ ٹانگنے کو ملا بوٹا یاد کا  
امام آئے مگر ساتھ یہ قطار نہ ہو

بہت مشکل ہے کہ اپنی شکل ادا مان نہانی کی یہاں پر آپ کے گھس جاتی ہے دم سے عقل مانی کی  
شہید ناز کی جیب کر چکے مٹی ٹھکانے ہم پری نے بیٹھ کر بیچے سردوں میں نوہر خواتین کی

افسر۔ آپ کا نام نامی حامد اللہ ہے۔ آپ میرٹھ کے مفتیوں کے خاندان کے ایک  
مہرز رکن ہیں۔ آپ کی شاعری میں بہت سی وہ نئی چیزیں ملتی ہیں جن کا اس سے  
پیلے وجود نہ تھا۔ بعض دلچسپ نظمیں جو بچوں کی قابل ہیں آپ نے اس دلکش انداز  
میں لکھی ہیں کہ بے اختیار داد دینا پڑتی ہے۔ تمام اصناف سخن پر قادر ہیں۔ نہایت  
سخن فہم۔ نکتہ سنج و قیصر رس طبیعت پائی ہے۔ انگریزی میں بی۔ اے تک تحصیل علم  
کر کے وکالت کے امتحان کے لئے تیاری کی تھی۔ کہ یکا یک طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ اور  
تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ اس وقت تک آپ کی متعدد تصانیف ملک  
میں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ جن میں سے کتب سررشتہ تعلیم خصوصیت کے ساتھ  
قابل قدر اور لائق تحسین ہیں۔ انگریزی کے علاوہ فارسی کا مطالعہ بھی نہایت دقیق  
ہے۔ آپ پر سلسلہ ملازمت متعدد مقامات پر رہے اور ہر جگہ ادبی خدمات اور زبان  
اردو کی اشاعت و ترویج میں مہمک رہے۔ آپ کی عاشقانہ شاعری میں بھی ایک  
خاص قسم کی جدت ہوتی ہے۔ ایک ساتھ ساتھ کبھی کبھی رنگ طرافت کی طرف بھی  
توجہ فرماتے ہیں۔ اور تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ہزل بھی کہتے ہیں۔ مگر آپ کو کبھی خیال  
پیدا نہیں ہوتا کہ ان کو شائع کیا جائے میرے سخت اصرار پر یہ چند شعر مرحمت فرمائے تھے  
آپ میرے زبردست عنایت فرما اور بھوپن ہیں۔ اتفاق وقت سے آج کل لکھنؤ میں مقیم ہیں  
اور جو بلی کالج لکھنؤ میں اُردو پڑھاتے ہیں آپ کی عمر تقریباً ۲۸ سال ہے  
تذکرہ و سعتیں حاصل نہ ہو نگے دور بیٹوں سے خدا تک ہو نہیں سکتی رسائی ان شینوں سے  
یوں سپاہی کی طرح عمر بسر کی ہم نے یعنی کی فوج کے دفتر میں کلر کی ہم نے

جہاں میں عیب جتنے ہیں وہ سب کئے میں تھے ہیں  
 کہ عیبوں کو چھپا لینے کے ڈھب کئے میں ہوتے ہیں  
 کہانیہ شیخ نے خطبہ میں راہ صدق و صفا  
 سکھاتے ہیں ہمیں اسکول اس زمانہ میں  
 یہ اسی بات ہے جیسے کوئی کہے افسر  
 شراب ملتی ہے شیشے کے کارخانے میں  
 وہ کہتے ہیں سوادیشیوں سے تنگ کر  
 ہمیں چاند دے دو تو ہم سوت کا تیں  
 اُن کی پرواز انھیں تاہ فلک لے پونجی  
 ہم ہی سوچ رہے ہیں کہ خیال اچھا ہے  
 مسٹر ہو مولوی ہو کوئی بات ایک ہے  
 مذہب میں فورم ہے سیاست میں کیک ہے  
 چپکے سے کان میں سنو پردے کی بات ہے  
 یہ پردہ درودہ کچھ نہیں سب واسیات ہے  
 آپ نے موجودہ زمانے کی روش پر بعض ایسے اشعار کہے ہیں جنکے الفاظ نہایت  
 بلند اور پر شکوہ ہیں مگر معنی نام کو بھی نہیں۔ مگر اُن کے لکھنے کی اجازت نہیں دی۔

افسوس - میر غلام حسین نام تھا۔ برہان پور کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ عام اور  
 مشہور تذکرے آپ کے ذکر اور نام سے خالی ہیں۔ مگر پھر بھی ایک معاصر نے آپ کا  
 ذکر ان الفاظ میں کر ہی دیا ”اسمش میر غلام حسین افسق تخلص از شعراے اس عصر است  
 از بسکہ مزاجے بہ ہجو مائل است در شعر تیغ زنی منماید۔ اکثر مزاج ادبہ طرف ہزل می آید  
 شوخی طبعی از کلامش ہوید است و خوبی مزاحش از تخلص پیدا است کاش کہ اس خیال  
 در دل او جا نیافتے و آفتاب اشعار رنگیں بر شیشہ آئیں نہ تافتے انشاء اللہ رفتہ رفتہ  
 ازیں تادیب شود و تخلص خود ہدایت قرار دہد۔ دریں ایام از اقامت الحدوت ارتباط کلی  
 دار دچنانچہ دیوان را بخط خود نقل کردہ یہ فقیر ارزانی داشت۔“ یہ ہے وہ عبارت  
 چو نشی کھچی نار این خفیتی اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ چنستان شوار میں افسق صاحب  
 کے لئے لکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ میر صاحب۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔ مگر  
 اس زمانہ میں اتفاق وقت سے آپ کا وہی لکھا ہوا دیوان جو صاحب تذکرہ کو اپنے ہاتھ سے



لکھ کر عنایت کر دیا تھا دستیاب ہو گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب اور شفیق سلسلہ تک بقید حیات تھے۔ کیونکہ دیوان کے آخر میں دونوں کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔ افق صاحب کے ایک مقطع سے ان کے سلسلہ تلمذ کا بھی پتہ چلتا ہے افق کے اس سخن کا ہواثرہ اس

دیوان میں سب اصناف سخن۔ رباعیات۔ ستراد خمس۔ واسوخت۔ اور ایک مثنوی گنجۂ آفاق بھی شامل ہے۔ مثنوی چار کمان۔ مکہ مسجد۔ چوک میدان۔ دائرہ میر۔ چار نگہاں۔ چار محل۔ اور چوک حیدر آباد پر نظمیں ہیں اور لطف یہ کہ حیدر آباد کی اخلاقی حالت کا جو اس زمانہ میں ملتی فوٹو کچھ دیا ہے ساتھ ہی ساتھ اپنی ادارہ مزاجی ادب باشی کے حالات بھی صاف صاف بیان کرتے چلے گئے ہیں۔ حیثیتان بازاری کے ذکر غیر سے دیوان الا مال ہے۔ تاجو۔ رحمت۔ حبشی بیگم۔ جمیلہ تاج النساء۔ لالہ۔ بی بی جان۔ چت دا زہرہ۔ گلارہ۔ پناہ جنان کے نام جا بجا دیوان میں نظر آتے ہیں۔ صفحہ کاغذ پر یوں کا پرستان بنا ہوا ہے۔ اور یہ ذکر غیر جا بجا ایسے عریاں الفاظ میں کیا گیا ہے کہ زمانہ موجودہ کے مصالح اہل کو مثلاً ابھی پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ غزلیں فحش اور سراپا فحش ہیں کہیں دلربا یا نہ فن کی جو برائیاں کرتے ہیں تو پرہیزگے اور ادا دیتے ہیں کتا سے اور استعارہ کی مہمت سے بہت بلند ہیں کیا حمال کہ کہیں ڈہکی چھپی بات کہیں۔ وہ وہ کھری سنائی نہیں کہ ظرافت اور ہزلی سے گزر کر فواحشات میں جا پونچے ہیں اور بڑے بڑے ہزراں علمدہ صفت تعال پر نظر آتے ہیں اور جناب افق ہزالی کے میر محفل سینے ہوئے نظر آتے ہیں عرض کیا کہ حضرت کا دیوان ہزلیات کی انسائیکلو پیڈیا یعنی قاموس الفواحشات بن کر رہ گیا ہے۔ مگر ہزل میں اتنے مشاق معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہر لفظ ان کے کمال کا پتہ دیتا ہے۔ سرنامہ دیوان پر۔ جب بسم الشیطان الرحیم لکھا ہوا نظر آتا ہے تو پڑھنے والے کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ بڑی مشکل سے آپ کے دیوان کا انتخاب کر کے فواحشات سے بچا کر

جناب محاسب کا پوری نے یہ چند شعر زمانہ رسالہ کان پور میں طبع کرائے تھے جن کو ہم مجتبہ نقل کرتے ہیں۔

قطرہ آب... کو دیکھ بولے در فردش ہم نے کم دکھا ہے موتی جگ میں ایسی بکا  
قطرہ آب... کی آب سے چہرہ گوہر ہے پانی ہنوز  
جب اسے قہر کل چمکوئے کے نشے نے جین میں خرد کے خیاباں سے کھینچا  
ادھر سے بھارا اور ادھر سے جنوں آکے دونوں نے چمکو گریاں کیے کھینچا  
حیدر آباد میں سینہ ہی کا اس زمانہ میں بڑا درد شور تھا اسی کے تعلق کہتے ہیں۔

آج کل ہے دور سینہ ہی کا رکھے حق آبرو ہے مدد گردوں کی مال والوں کی ہفت  
اس گردش فلک میں اشراق ہیں پریناں بھڑوں کو تیسر شال اور دولا تیاں ہیں  
بارہ صدی کے دور میں راحت نہیں رہی اک ذرہ زندگی کی حلاوت نہیں رہی  
حق کی بچہ سے اسے قہہ بہار اب ڈہل گئی مان مت کر مانے غوی کی ساعت ٹل گئی  
کس دیکھ سے کہ اسے شوق تو مغموم چڑھی ہے غربت کی ترسے کھوپہ گھٹا جھوم پڑی ہے  
یا مگر ہے یا بیوت چڑھا بچہ تو سچ کہہ لیکار تو بیٹھی ہوئی کیوں گھوم پڑی ہے  
اٹھو یا رو تماشے کو چلو ہنگام ہوئی ہے کسی کی لال ساری ہے کسی کی ترہ چوٹی ہے  
باتوں کے حق میں گرج طوفان ہے گلابو نکالنے کے حق میں سکین سیطان ہے گلابو  
یہی چند شعر ایسے ہیں جن میں فواحشات نہیں ہیں باقی تمام دیوان اسی سے بھرا ہوا ہے۔

**اقبال** - ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب - پی۔ ایچ۔ ڈی - بیرسٹر ایٹ - لاہور کا

تخلص ہے۔ آپ کے حالات غایت شہرت کی وجہ سے محتاج تعریف نہیں۔ آپ کی شاعرانہ قوت مشق - فکر مناسب - تخیل - جوش وغیرہ کا ملک کا ایک ایک بچہ قائل اور حقیقت اردو دفارسی نظموں میں آپ کو بیوقوفی چاہی ہے۔ چونکہ

اکبر مرحوم کے رنگ قرانت میں بھی کچھ فرمایا ہے اس لئے بانگ درا سے جو آپ کی نظموں غزلوں وغیرہ کا مجموعہ ہے چند اشعار کا انتخاب کر کے شامل مذکرہ کرتا ہوں۔ اگرچہ آپ کی اصلی شاعری کے مقابل میں اس قسم کے اشعار کم سے کم درجہ بھی نہیں پاسکتے مگر صرف آپ کے نام نامی کے لحاظ سے درج کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی شاعری کے لئے ہرگز آپ کا دماغ موزوں نہیں ہے۔ کاش جو کچھ فرمایا ہے یہ نہ فرمایا ہوتا۔ انتخاب ملاحظہ فرمائیے۔

مشرق میں اصول دیں بجاتے ہیں	مغرب میں مگر مشین بجاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے	واں ایک کے تین تین بجاتے ہیں

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں	مفت میں کل لے کے لٹکے ان سے بدظن ہو گئے
وعظ میں قرا دیا کل آپ نے یہ صاف صاف	پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے

بستے ہیں ہند میں جو خریدار ہی نہ نقطہ	اُغا بھی لیکے آئے ہیں اپنے وطن سے ہینگ
---------------------------------------	--

تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کی عرصہ	دل چاہتا تھا ہر یہ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکے کا پس از سبق	کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی	آئیں گے غنمال کا بل سے کفن جاپان سے
------------------------------------	-------------------------------------

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جاٹکاؤ	واں کنٹر سب بلوری ہیں بل ایک پڑانا شکاؤ
--	---

میری امیریل کو نسل کی کچھ شکل نہیں  
میرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے  
دوٹ تو لجاٹینگے پیسے بھی دلو اٹینگے کیا  
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائینگے کیا

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں  
میاں بجا رہی چھیلے گئے ساتھ  
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے  
ہنایت تیز ہیں یورپ کے رندے

سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں  
گرسر کارنے کیا خوب کو نسل ہاں بنوایا  
پرانے جھوڑوں میں کھٹکانا و شکاروں کا  
کوئی اس شہر میں تکیہ تھا سرہایہ واردوں کا

اکبر۔ یعنی سید اکبر حسین صاحب رضوی اکہ آبادی مرحوم۔ اگرچہ آپ کے  
کمالات نے آپ کو ہندوستان میں اتنا مشہور کر دیا ہے کہ اب یہ احتیاج باقی نہیں  
ہے کہ آپ کے حالات لکھے جائیں مگر قاعدہ و ترتیب کی وجہ سے کچھ لکھتا ہوں۔ آپ  
۱۶۔ نومبر ۱۸۶۶ء افتخارہ سوچیا لیس کو بمقام اکہ آباد پیدا ہوئے۔ ویسی مدرسوں  
اور مکتبوں میں تعلیم پائی ۱۸۷۶ء میں آپ نے ادنیٰ درجہ کا امتحان وکالت پاس کیا  
اور نائب تحصیلدار ہو گئے۔ اور ترقی پا کر ۱۸۸۲ء میں ہائیکورٹ میں مسل خاں ہوئے ۱۸۸۴ء  
میں وکالت کی درجہ اعلیٰ کی سند حاصل کی اور ۱۸۸۵ء تک وکالت کرتے رہے ۱۸۸۶ء  
میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی کر کے سیشن جج کے عہدے تک  
پہنچ گئے ۱۸۹۸ء میں خان بہادری کا خطاب پایا۔ آپ کو فارسی اردو اور  
انگریزی زبانوں پر حسب ضرورت کافی عبور تھا۔ ابتداء عمر ہی سے شعر و شاعری کا  
شوق تھا۔ جناب وحید اکہ آبادی کے شاگرد تھے۔ رنگ قدیم آپ کی شاعری پر  
آپ کا۔ ۱۹۱۸ء کے پہلو ابتداء ہی سے کلام میں نمایاں تھے۔ بالآخر اسی رنگ نے

اسقدر ترقی کی کہ آپ کے قدیم رنگ طبیعت پر غالب آگیا۔ اور بائیکہ آپ رنگ قدیم کے ایک بختہ مشقی شاعر تھے مگر پھر بھی ظرافت پر آپ کے کلام اور کمال کا حضور ہو گیا۔ اور اگر ہر نظر غور دیکھا جائے تو آج ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو آپ کی غزلیات کی حیثیت سے آپ کو جانتا ہو بلکہ سب ظرافت کے ہی درجہ سے آپ کے کمال کے گردیدہ اور دلدادہ ہیں۔ آپ نہایت ہی نیک طبیعت زندہ دل منکسر المزاج مکمل انسان تھے اسی درجہ سے آپ کی ظرافت ان ہزاروں اور خفاشوں سے بالکل الگ ہے جن کے دیوانوں کا سرمایہ یا ان کی ہریان مرئی اور مزخرفات ہیں یا فاشی اور غرافات۔ ان کے علی الرغم آپ کی ظرافت نہ صرف ظرافت ہے بلکہ پند و نصائح اور قومی مذہبی تمدنی معاشرتی۔ زوال۔ رسوم۔ تاریخ۔ سیاست وغیرہ کا محلی اور مصفی آئینہ ہے۔ آپ کی ظرافت سے دل کو ایک سچی خوشی اور روح کو صحیح فرحت ہوتی ہے۔ اور آدمی اس سے اسقدر فوائد عظیمہ حاصل کر سکتا ہے جو بڑی بڑی اخلاقی کتابوں سے بھی حاصل نہیں ہوتے۔ حق باتوں کی تلخی اور پند و نصائح کے زہر کو خوش بیانی اور مزاح نے شہد و شکر کے شربت کی مانند ایسا خوش مزہ اور گوارا کر دیا ہے کہ اس سے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ ظرافت کے ساتھ اعلیٰ تخیل اور جدت مضامین طرز ادا اور سلیقہ بیان۔ حتیٰ بندش نشست الفاظ۔ تلاش معانی۔ ہر جگہ حسب محل و موقع موجود ہیں۔ جن سے آپ کی شاعری ایک پری کی طرح بنگلی ہے جو فصاحت و بلاغت کے آسمان میں اڑ رہی ہے۔ اور ایسی بلند ہے کہ دیکھنے والوں کو ٹوپی یا پگڑی سنبھال کر دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ کے چند خود ساختہ استعارے۔ اور اصطلاحات ہیں جنہوں نے سونے میں سہاگے کا کام دیا ہے۔ اور حسن کلام کی جان بن گئی ہے۔ مبتذل نام جتن۔ گھوڑا۔ کا۔ بدھو۔ عقو وغیرہ جو اسبق قاروں یا اصطلاحی یا اشارے کی صورتوں میں پیش کئے ہیں۔ اسقدر خوش نما نظر آتے ہیں کہ دیکھ کر جی پھڑک جاتا ہے۔ محل محل روئیں اور قافیے اس حسن کے ساتھ لائے گئے ہیں کہ خیال میں نہیں آسکتے حقیقت

یہ ہے کہ اکبر مرحوم کی اس دربار تحویل تک رسائی تھی کہ عام نگاہوں اور معمولی نظروں کے وہاں جاتے ہوئے پر چلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے اتباع کا دعویٰ کیا مگر کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ اور آپ اپنے رنگ میں متفرد اور منفرد رہے۔

آپ کی ظرافت بعض جگہ محض ظرافت ہے اور اس میں مذہبی انحطاط یا مغربی تقلید یا سیاسی شور و غل یا عام پند و نصائح وغیرہ کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ مگر وہ بھی آپ کے کلام کا عنصر غیر فانی ہیں اور اردو ادب کے واسطے سرمایہ ناز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے عقیدے اور میری ذاتی رائے کے موافق وہی شاعر ایسے ہیں۔ جنہیں ہم فن کے ساتھ دوسری قوموں کے سامنے لاسکتے ہیں۔ ایک اکبر اور دوسرے مرزا غالب۔ دوسرے لوگوں کے کمال کا اعتراف میں کر سکتا ہوں۔ مگر ان دونوں کے برابر لانے کا کبھی رد و ادوار نہیں ہو سکتا۔

ہزار نکتہ باریک ترز مواہبناست نہ ہر کمر ہر ہر شد قلندری داند  
اکبر مرحوم کو آخر میں دنیا سے تفر ہو گیا تھا۔ اور عیش و مسرت رنج و مصیبت کا زق و استیاذان کی نظر سے اٹھ گیا تھا۔ اسی لئے آخری کلام میں مصونین کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اور آپ کی آخر عمر تسکنا کا یہی رنگ آپ پر غالب رہا۔

اس وقت آپ کے چار دیوان ہیں تین دیوان طبع ہو چکے ہیں ایک ابھی طبع نہیں ہوا پہلے دیوان میں اور دوسرے میں اگرچہ فرق ہے۔ مگر تیسرے اور پہلے میں نمایاں اور بڑا فرق ہو گیا ہے۔ جن کی تفصیل اس ظریفانہ تذکرہ میں بیکار اور بے محل ہے۔ البتہ میں تینوں دیوانوں میں سے ظرافت کا انتخاب علیحدہ علیحدہ کرتا ہوں۔

## انتخاب از جلد اول

مری تقریر کا اس سچ کچھ کا برہنہ چلتا جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

لینے دے برسہ جھکو نہ تو تین پانچ کر میں نے سمجھ لیا ہے حساب اسکا جانچ کر  
برسہ برسوں کا لیتا ہوں میں جھکو بے پلا طوائف ہا ہوں ذرا تیسرا آج کر

لگیا شرع سے شراب کا رنگ خوب بدلا غرض جناب کا رنگ  
جلد بے شیش صبح سے پہلے اڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

شاہے حلت بادہ پہ ہو گیا فتویٰ خدا نے فضل کیا بیچ گئے حرام سے ہم

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی تلخ کی دہن لہن بلب سے بھی پیدا ہوئی کھلچ کی دہن

الایا ایہا الطفلیک بجز راحت یہ ماد لسا کہ قرآن سہل بود اول دے افتاد مشکلا  
بکن تزئین پاسے خود یہ پرست داسن و پلری کہ سر سید خبردار و ذرا در رسم و نزلما

پردے کا کیا ہے خود اڑنگا پیدا خود پہنے کیا ازار اور انگا پیدا  
کیا خوب کہا ہے مولوی ہمدی نے یہ نچرنے کیا ہے ہکو تنگا پیدا

چلیا ہو گیا ✓ مست تھا دل بھول کر ہسکی کا پیلا ہو گیا

کہا یہ فخر سے داغ نے دیکھو ساوگی میری نہیں شوقِ نمانش کچھ بنتا ہوں گزی گزرا  
کہا اکبر نے میں بھی یونہی کر لیتا منو دا اپنی عطا کرتا خدا عجب کو جہنم تو ش یہ دار تھا

ایسا شوق کرنا اکبر ✓ گورے کو دہنا سالہ  
بھیا رنگ بھی ہے چھا ہم بھی کالے یا بھی کالا

رحیم پکاری کہ نید با بوا عجب جانور ہے یہ کالا قرا  
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم کدھر چو رنج ہے اور کدھر اسکی

کرزن دیکھ کر کی حالت پر جو کل وہ صغیر تشریح کا طالب ہوا  
کدیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات دیکھ لو تم زن پہ حریف جوا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا حریف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا  
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے شاہ اڈور ڈکی دہائی ہے

پری کی زلف میں الجھنا زینتِ مظلوم کا دل غیب ہوا القدر امتحانوں کا

چالیں میسر دور و شیاں تھوڑی تھوڑی چلا نا ہمارے کیا ہے اسے بھائی نہ مرثیہ میں دھولا نا

دماغ کی



سکہ زر با پسے در دھوتی کرتا رہا تھا  
گفتش در صین صلی ایں نالہ و فریاد چیست  
با وجودش نالہ سے زار و اخبار داشت  
گفت مارا خوف قیس و ٹیکس و اس کا داشت

ہر رنگ کی باتوں کا مرت و پس ہے چھوٹ  
اجیر میں کلیا ہوں علیگڑھ میں نہیں بسکت

شیخ جی زفر بنے پھرتے تھے پہلے چرخ پر  
چشم بد و را بنے ہیں آپ کسرٹ کا ڈٹ

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہنج  
اور رخ کے گھر میں پنجگانے کی ہنج  
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجئے  
گو آئیں بھی صبح کو نہانے کی ہنج

تمہ پہ ہے شہسہ و حقارت کی نظر  
پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر  
بہتر ہے یہی کہ تنگ پھر سے اکبر  
شانہ پڑ جائے ان کی رغبت کی نظر

جوسن چکے مری غزلیں تو بولے لا چندہ  
جو ہنہا یا ہے اتنا تو تھوڑی لیہ بھی کر

انھیں شوق عبادت بھی ہے اوگانکی عادت بھی  
نکلتی ہیں دعائیں انکے منہ سے ٹھریاں ہو کر

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز  
بھنیس کے آگے مین ہے کیا چیز

فرمایا، مرا تصور حضرت جو معات  
بم ناز و نسے سے مجھے  
جوا رہے واقعی گزارش کروں مان  
لیکن یہ طریق اب ہے قدس کے خلاف

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا چائے      نئی ملت کا ہوں میں زاہد خشک  
 ختمہ قائم ہے مگر وہ مذہبی تعلیم کم      مہر ابراہیم باقی دین ابراہیم کم  
 حسرت عشاق بازار جہانیں کچھ بچو      از میا درندار دوس کی کثرت سیم کم  
 وہ مناتے میں بھی جاتے ہیں      کہتے ہیں مان جاؤ منارام  
 میری گردن پہ ہیں شیطان کا احسان ہے      ترک لاولیٰ پہ مجبور ہوا جاتا ہوں  
 شیخ تغلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ      گھر میں بیٹھے ہوئے والتین پڑا کرتیں  
 جنگل کے جوتھے سائیں وہ ریل کے ہیں پائیں      اٹلی کی جگہ سنگل قری کی جگہ انجن  
 اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تھے      کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جن  
 پڑے لگناتے تھے لالہ نربجن      نہ آنکھوں میں انجن نہ دانتوں میں منجن  
 چھٹے ہیسے بالکل وہ اگلے طریقے      کہاں کچھ لیجائے گا ہم کو انجن  
 شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے      اونٹ کے سولفات جانتے ہیں  
 ہیں مگر اونٹ پر نہیں قابض      کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں  
 ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجڑائے محلوں میں      بڑا جھٹس تھے قبل اسکے اب پندر کے ٹٹوں میں  
 نہ لیسیں ہتھیار کا ہے نہ زور      کہ ٹڑکی کے دشمن سے جا کر لڑیں  
 وہ دل سے ہم کو ستے ہیں مگر      کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں  
 شیخ صاحب کے تعلق کی نہ قلعی کھل چلے      لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہ  
 کہ یا یہ بچنا سے بر حال بیکہ      کہ ہستم اسیر کیشی و چندہ  
 عمر گزری ہے اسی بزم کی طراری میں      دوسری پشت ہے چندہ کی طلب گاری میں  
 زبان اکبر کی اس طرز سخن پر ناز کرتی ہے      بھجن کی دہن میں تردید بیت طناز کرتی ہے  
 تدبیرِ حقیر جان بقیر ضرور ہے      اسوقت مومنوں کو قعیہ ضرور ہے  
 بنیاد ڈالے تھیں وہ حکمتِ باغ کی      وہ ہسکی سے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

اڈانوں سے سوا بیدار کن انجن کی سیٹی ہے ✓ اسی سے شیخ بیچارے نے چھاتی اپنی پیٹی ہے  
 گل پھینکے ہیں یورپ کی طرف بلکہ تر بھی ✓ اسے پنجرہ سا نکس بھلا کچھ تو ادھر بھی  
 رات افسوس سے کہتے تھے یہ مٹی بھائی ہم سے نافرمان ہیں الگ کانفرنسی بھائی  
 وہ تو گرجا پر رکھا اور یہ گیا کعبہ کو پھاند شیخ کا ٹوٹا انجن سے بھی بڑھ کر تیر ہے  
 دنیا آخر کو تم سے لپٹی ہو ہی گئے تم عرض کہ ڈپٹی  
 کرتے کیا ان سے بھینٹ خالی کر اسے ہم اپنی ٹینٹ خالی  
 مکہ تک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے ✓ اب تو انجن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے  
 کچھ اگر آباد میں سامان نہیں بیو دے یہاں دہرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امر دے  
 وہ مسیحا کی میں کرتی آپ کا ذکر اپنے فارے مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا انکس ہے  
 کاش کرنے مجھے وہ شاہد ہوٹل منظور کیک تو رز ہے اک رات تبض بھی سی  
 اکبر وہ نہیں کسی سلطان کی فوج سے ✓ لیکن شہید ہو گئے بیگم کی فوج سے  
 ان سے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی  
 یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن ازار ہن کو کہہ دیں گے جس بیجا ہے  
 سدا سرحد پر حاجت ہے رفل کی اور کاٹھی کی چلی جاتی ہے گستاخی بغداد خان کی لاٹھی کی  
 اب کہاں تہنوں تار گریباں کہاں پانیر اور دست مجنوں اور خبر ہے تار کی  
 لے لیا شیریں نے کسرٹ میں ٹھیکہ دو دھڑ ریل ہوانے لگے فرہاد اب کسار کی  
 ڈنر سے تم کو کم فرصت یہاں فاتح سے کم خالی چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی  
 بتاؤں آپ سے رہنے کے بعد کیا ہوگا پلاؤ گدا بینکے احباب فاحشا ہوگا  
 رشتہ درگزر دم انگشت ہ سیٹ می وہ رہا کہ میز است و پلیٹ  
 ہوا آج خارج جویر سوال کہا میں نے صاحب سے باطل  
 کہاں جاؤں اب میں ذرا یہ بتاؤ وہ جھٹلا کے یو لے جہنم میں جاؤ

یہ شکر بہت طبع نکلیں ہوئی	مگر اس تصور سے فکریں ہوئی
کہ جب اہل یورپ میں بھی ذکر ہے	تو بیشک جہنم بھی ہے کوئی شے
میں مناسب کہ ہو یہ عہد آزادی	بیجا ہو فرما رہے ہیں جو کچھ عہد العزیز صاحب
دہ کار چندہ سیم ذرا حیب و دور رفت	مال حضور بود بہ پیش حضور رفت
شیخ اپنی رگ کو کیا کریں	بڑھب کے جھگڑے چھوڑیں تویشہ کو کیا کریں
نہاد سے کہا کہ ہونا سب کو چلو میر	کہنے لگا بتائیے نیشہ کو کیا کریں
رہیں ہر چہ کے بابا بی نصیبین	دہ گو اسکول میں رسول پڑھائیں
زمان حال میں اگلے فسانے امر ماضی ہیں	جو تلواریں چلاتے تھے وہ اب ٹھوکر پر فاضی ہیں
شراب اڑتی ہے عباس میں رواں ہو خونِ قوے کا	خراہواب تو رہند دل کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں
نام اندر رسول اب تو میں کم متقا ہوں	چلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں
یاد کرتا ہے گزشتہ با اثر لا حول کو	نیخ کو طعنے دیا کرتا ہے شیطان اداؤں کو
بتا سے مرامت ہے تو عزاں سادہ چھوڑ	نا خوش کیس تہوں دہ ہوا المستعان پر
مجال کیا کوئی کندے خوشا یہی مجھ کو	اسی سبب بہت سہل نہت جناب کی طرح
لاکھ ردے کر رہے جاتے ہیں اسد رسول	دیر کا کورس برہمن نے لگ کر نہ لیا

## انتخاب کلیات سوم

اطبا کو تو اپنی فیس لینا اور دوا دینا	ندامہ کام سے حلف و کرم کرنا شفا دینا
خدا کے فضل سے بی بی میان دہلی	جہاں سترائیں آتا انہیں نہدائیں آتا
غریب اکبر نے بحث پر نہ کی کہ	دلالت دی سننے کو نہ کر ہی لکھاروا
کام اس ملک میں ہوسکتا نہ	میر جہنم کس کوئی پیر منت ہے

مال گاڑی پہ بہرہ دے سائے نہیں لے اکبر  
 آن کو کیا غم ہے گناہوں کی گرا نیاری کا  
 بھائیو تم کبھی ہندی کے مخالفت نہ بنو  
 بعد مرنے کے کھلیگا کہ یہ سچی کام کی بات  
 بسکہ متھانا مہ اعمال مرا ہندی میں  
 کوئی پڑھ ہی نہ سکا لگئی فی الفور نجات  
 بظاہر متھایا راق راہ عسرفاں  
 چودہم برداشتہم لیڈر برآمد  
 کوسل میں بڑا ہے ہیں طاقت اپنی  
 عاقل ہیں مگر می بھوانی پرشاد  
 شیخ کہتے ہیں کہ میر دکنی پرستش بھی ہر ذوق  
 مارٹہ کہتے ہیں اللہ کی بھی یاد تہ کر  
 مولوی ہو ہی چکے تھے نذر کالج لاس قبل  
 خانقاہیں رنگی تھیں اب ہم انجا اندام  
 بند ٹاپے میں تھے وہ بنگلہ پر  
 صبح کے وقت ہنس پڑی وہ میم  
 جب وہ بولے بجائے کو کڑوں کوں  
 مرغ شاخ درخت لا ہو تیم  
 بوڑھوں کے ساتھ لوگ کمانتک نا کریں  
 لیکن موت آئے تو پوڑھے بھی کیا کریں  
 گوشت ادبھی ہے پرواز حریت  
 شیخ بھی کچھ کم نہیں ہیں جپ میں  
 انکی مرغی بولتی ہے کہ میں  
 ان کا ملو بی بولتا ہے عرش پر  
 تعلیم و خیراں سے یہ امید ہے ضرور  
 ناسچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں  
 بے برگڑ میں مغرب کی رفاقت اسکو کہتے ہیں  
 ہوئے مدون تکیہ میں اصالت اسکو کہتے ہیں  
 بوزن کو رقص پر کسات کی میں داد دوں  
 ہاں یہ جیائز ہے ماری کو مبارکباد دوں  
 چرخ نے پیش کشن کند یا انظار میں  
 قوم کالج میں ادرا سکی زندگی اخبار میں  
 پاپ کوئی کھلا نہیں گھر میں لگی بجاگ  
 اب بھانگنا ضرور ہوا غور کیا کریں  
 کہتے ہی بے وقار ہوں مرزا کو غم نہیں  
 کافی ہے یہ شرت کہ وقاتی سے کم نہیں  
 اولاد مرزا ہر طرف بدنام ہیں  
 نیگا بدبو وارث اسلام ہیں  
 مفتی شرع نہ ہوں لیڈر اسلام تو ہیں  
 بوئے مسجد نہ سہی کمپ کے گلغام تو ہیں  
 شرط پر ہے فلک سے صلح آتر ہوگی  
 قبریں ہمایہ کہے تزیین ادبکی ہم کریں

بیٹ مصروف ہے کلر کی میں      دل ہے ایران اور ترکی میں  
 ہو گیا ہے الہلال آماجگاہ تیر فریب      اس نئے دور خلک کی چانداری دیکھ  
 کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو      ✓ جب توپ مقابل ہو تو تلوار نکالو  
 ضبطی پر چہ تو حید ہوئی غیر یہ ہے      قل ہو اللہ احد ضبط نہیں خیر یہ ہے  
 صاف کہتا ہوں رہیں خوش یا ہوں خوش      آسمان آب چاہتا ہے مولوی کش مولوی  
 حج کو کیونکر جائیں کارخانگی کو چھوڑ کر      اتنی کثرت ہو چو چو ہوں کی تو ملی کیا کہے  
 شیخ جی کے دو فیٹیہ باہر پیدا ہو سے      ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک بھانسی پانگے  
 ڈائری میں ہو گیا تھا اختلاف اندراج      لڑکے خفیہ پولس سے کل کر انا کاتبیں  
 داڑھی تھکا تھکا ہے بیشک مگر جناب      ✓ فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کروں  
 نہ کٹ لٹ ہے دیاں کا نشا چھری ہے      مگر گھی ہے تو کھچھری کیا بری ہے  
 دہن دہن کی عقی میں گاتا تھا ان تاتی      بسکٹ سے ہو ملائم پوری ہو چپا قی  
 شان نماز اکبر شہانہ ہو چلی ہے      مسجد الگ بنائیں اپنی میاں بقاء  
 بابو ہیں نکل گئے اس عہد میں تو غیر      رہنا پڑا ہے نیوں کو مچھلی کے پیٹ میں  
 حقیقی اور مجازی شاعری میں فرق یہ پایا      کہ وہ جام سے باہر سے یہ پاجامہ سے باہر ہے  
 لیڈر کو دیکھتا ہوں بقوت پر مرقن      کالج کے کیڑے پڑ گئے دلق فقیر میں  
 تعلیم اسکی اچھی جو گھر میں اپنے خوش ہو      مذہب اسی کا بہتر جس کو پولس پکڑے  
 طاعون کی بدولت ان کو بھی ارتقا ہے      جو مارتے تھے کھی اب مارتے ہیں چو ہے  
 فرما گئے ہیں یہ خوب بھائی گھورن      کہ دنیا روٹی ہے اور مذہب چورن  
 سایہ مدت ہوا غبارہ بنتا      پانچوں میں بھی اب بھری ہے ہوا  
 مغربی تعلیم ہو اور ہوم رونی بات ہو      لطف موسم سے ہی میٹک ہوا دم برسات ہو  
 حرج کیا روپیہ جو کاغذ کا چلا      شکر کر روٹی تو گھریوں کی رہی

نبوت کا زمانہ اور تھا اب اور جھوٹا  
دہاں سینے میں قرآن تھا یاں سینے میں لکھا

**الانسان ضاحک** مرثیہ تخلص معلوم ہے یا یہ کہ ایک وقت میں یہ مرحوم  
اور دھڑکنے کے نامہ نگار تھے۔ باقی حالات وغیرہ بالکل معلوم نہیں۔ مرثیہ جھوٹا اس کا نام  
ملا ہے جو نقل کیا جاتا ہے سنہ ۱۱۰۰ء میں جب کسی یورپین حاکم اعلیٰ نے ہندوستانیوں پر جھوٹ کا  
الزام لگایا۔ جس سے متاثر ہو کر اکبر مرحوم نے یہ رباعی کہی تھی۔

یہ مذہب ہے جھوٹ سچ کی چھڑی بحث ہند میں  
کچھ کہتے ہیں جو جھوٹ ہوں کہتے تو دسیا  
کہتے ہی ہم ہوں آپ تو ہیں ہمہ حکمراں  
جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ  
اسی زمانہ میں جناب الانسان ضاحک نے یہ نظم کہی۔

جھوٹا نہیں بتاتے ہیں سالانہ بزم میں  
دہ بزم کو تباہیں اگر شام راست ہے  
دہ کہہ رہے ہیں ہند میں تکلیف کچھ نہیں  
آتی مٹی سوتے سوتے نظر شکل ہند کی  
انعام پاتے ہیں جو ہمارے گریجوٹ  
انعام اسے نہ سمجھو سب انعام جھوٹ ہے  
افلاس جھوٹ صدمہ آلام جھوٹ ہے  
یاں شاخ میں لگا بھی ہو گر آم جھوٹ ہے  
.....

بندہ خدا و ہاں ہے یہاں بندہ خدا  
نادل ڈرا ہے سچ ہیں کیوں پ ہیں چھپے  
کہتے ہیں دہ جو آئی کو اسٹار عین صدق  
.....

گردش کا اپنی گردش ایام ہے سب گودہ کہیں کہ گردش ایا م جھوٹ ہے  
 اوبار حیکہ آگیا سب عیب آگئے آغاز جھوٹ نیز سر انجام جھوٹ ہے  
 اسی طرح جو وقت فصیح الملک ذاب مرزا دارغ کا انتقال ہوا تو انسان تمام ملک  
 صاحب کی مچلی شونہ طبیعت نہ رہ سکی اور جناب نے یہ نظم ارشاد فرمایا۔

یادش تعمیر آگے اجل نے مٹا دیا	گویا کہ دارغ صفحہ ہستی پہ داغ تھے
تھے باعث نشاط کبھی مورت ہدارغ	بلبل تھے ناچ گھر کے کلب گھر میں تھے
گھبراتے تھے دلائی جگر کی سر سے	عمو حسن کیفیت جام بارغ تھے
مجلس میں آن کی پورٹ نہ وہاں کی فانی	سینہ صحر کے موتیا کی فقط کچھ ایاغ تھے
شایہ لیڈیوں کا نہ مطلق تھا دانشاں	ہاں تھے تولو لیں کے پتے تھے سراغ تھے
باتوں میں چھلچھل طبیعت میں شوخیاں	روشن خیال تھے نہ دہ عالی دماغ تھے
کسے کہا کہ تھے دہ نئی روشنی کے لمپ	دہ تو الہ دین کے طلسمی چراغ تھے

المست۔ غالباً ایک فرضی تخلص ہے۔ تھیکٹر کے رنگ کی ایک نظم حسن میں ہو جو وہ  
 زمانہ کے بعض جٹلمینوں اور لیڈیوں کو ظرافت کی شیرینی سے شریعت بنا کر نصیحت کا  
 زہر پلایا گیا ہے۔

تم صاحب لکچر مالک	تم شہر کے لیڈر مالک
تم اعلیٰ افسر مالک	تم مولوی مسٹر مالک
تم خان بہادر مالک	
تم ہشوہ مشنر مالک	تم پورے بندر مالک
تم تیز چمنر مالک	تم لال قلندر مالک



تم خان بہادر مالک

تم دوڑ کے بیٹنگے جاؤ      تم ڈر ٹفن سب کھاؤ

تم کلپ میں تاجوگاؤ      تم شیخی سے اتراؤ

تم خان بہادر مالک

تم صورت اپنی دکھو      تم سیرت اپنی دکھو

تم شہرت اپنی دکھو      تم سخوت اپنی دکھو

تم خان بہادر مالک

تم سیدزادے کیسے      ہو شاید ایسے ویسے

صاحب کے ٹھیلے کیجئے      ہو مدد ہر شاہی پیسے

تم خان بہادر مالک

ابا خان بنے مرزائی      ہیں جیلے خلیفہ نائی

کیا اچھی ناک کٹائی      کچھ بھی شرم اور لاج نہائی

تم خان بہادر مالک

تم شانِ مشیخت والے      تم کبر و رعوت والے

پیشکار اور لعنت والے      صہبائے جہنم کے متلے

تم خان بہادر مالک

تم کھاؤ مرغی انڈا      تم مارو سب کو ڈنڈا

تم گاڑو پٹھانی جھنڈا      تم پاتھو انگلش کنڈا

تم خان بہادر مالک

تم گھوڑا ٹم رکھو      تم گوری میڈم رکھو

تم نیزہ بلٹم رکھو      تم ذکرِ یوم رکھو

تم خان بہادر مالک  
المست خرابی آیا تم بھاگو ڈنڈ الایا  
تم ہپ ہپ ہڑاگایا یہ نغمہ خوب سما یا  
تم خان بہادر مالک

**امید**۔ تخلص ہے میرے دوست ابو الکمال سید محمد علی صاحب  
کا۔ جبکا اصلی دولت خانہ امیٹی ضلع سلطان پور تھا۔ مگر ایک عرصہ سے کھنڈ  
محلہ حسین گنج میں قیام ہے۔ آپ فارسی اور اردو دونوں زبان میں شعر کہتے ہیں  
نہ صرف شعر گو کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اب ایک مسلم البیوت استاد کامل ہیں۔ آپ کے  
علمی و ادبی کارناموں سے ملک کا گوشہ گوشہ واقف ہے۔ آپ کو سلسلہ ظرفا میں  
شامل کرنا آپ کے لئے دون مرتبت سے کم نہیں ہے۔ مگر چونکہ اودھ پتہ سابق کے آپ  
ایک قابل اور مشہور و معروف نامہ نگار تھے اور مدتوں تک آپ کے علمی ادبی تنقیدی مضامین  
اور اسی کے ساتھ آپ کی ظریفانہ نظمیں بھی شائع ہوتی رہیں بلکہ آخر میں آپ نے اودھ پتہ  
کے ایڈیٹر ریل اسٹان میں بھی کام کیا۔ اور نہایت ہی فاضلانہ اور قابلانہ طریقہ سے اسکی  
خدمات انجام دیں۔ اس لئے تذکرہ نویس کا گناہ ہو گا اگر ہم آپ کا ذکر نہ کریں۔ آپ کا  
سن شریف کم از کم اسوقت پچیس سال کا ہو گا۔ مگر زندہ دلی اور ظرافت کی ایک مجسم تصویر  
ہیں۔ وضع و انیک دل ہونے کے علاوہ علی شغف ہیاں تک رکھتے ہیں کہ ہر معمولی سے  
معمولی لفظ کو بھی بغیر تحقیق و تدقیق کے استعمال نہیں کرتے۔ مجھ سے دس بارہ برس  
سے ملاقات ہے مگر آپ کی پاس وضع میں کبھی فرق نہیں آیا کہ برابر تیسرے چوتھے روز  
تشریف آوری سے مجھے شکریہ کا موقع دیتے ہیں۔ اگرچہ آپ کا کلام ظریفانہ بہت کچھ  
ہے مگر سردست جو کچھ مل سکا وہ حاضر کیا جاتا ہے۔

ایک نظم معروف بہ خیالات عمیق جنوری ۱۹۰۵ء میں آپ نے لکھی تھی جس کا ہر شعر ظرافت کی نثر کا ایک موج رواں معلوم ہوتا ہے یہ آپ نے بطریق تحفہ سال نو اددہ پچا گو پیش کی تھی۔

مشفق من کیجئے کیا عرف حال	شامت اعمال کا سنئے مال
زن مریدی کا بڑا ہو کیا کہوں	جان سے جو رکے ہاتھوں تنگ ہوں
زندگی اپنی ہوئی مجھ کو دباں	ہے کسی کا شعر میرے حسب حال
حکم جو رجو جی یہ از حکم خداست	انچ جو رجو جی بفرما دیر دست
سنت شارع سمجھ کے بے صلاح	اک عقیقہ سے کیا میں نے نکاح
وہ نکاح سنت خیر الورا	میرے حق میں طوق ذلت ہو گیا
حال من از دست با نواب برست	در گلیم سنت پیغمبر است
بے اجازت جو رو صاحب کے کہیں	میں کہیں آتا نہیں جاتا نہیں
کیا کہوں شامت جو آئی اکیبار	خود سری سر پر ہوئی میرے ہوا
جلدی جلدی نوش کر کے میں ٹھون	کوٹا اور تپلون کر کے زیب تن
رکے رکے ٹرکش کیپ سر پر اک نئی	فیشن ایمل ہاتھ میں لیکر چھڑی
جو رو صاحب سے نہ کچھ پوچھا گچھا	گھر میں سے سیٹی بجاتا چلدا یا
کی ننگشتی بہت بے فائدہ	ہیسیے جنٹلمینوں کا ہے قاعدہ
صبح سے قصہ لیکر تا مسام	در بدر کی خاک میں بچا نکا کیا
اب خیال آیا کہ کیا کیجئے علاج	میم صاحب میں نہایت بد مزاج
وہ جو پوچھیں گی کہتے اب تک کہاں	کیا کروں گا سامنے ان کے بیاں
کچھ جو آئیں بائیں شائیں بکے یا	عذر بدتر از گنہ ہو جاے گا
میں جو کچھ بگڑا تو شامت آئیں گی	وہ جو بگڑیں گی قیامت آے گی

سوچتا تھا یا اکھی کیا کر دوں  
 دیکھتا ہوں سامنے اتنے میں کیا  
 کچھ عجب اک ڈھوکا ڈھوٹھا دہشہر  
 جیب مرے نزدیک بالکل اگیا  
 دل تم آیا ہر کہاں سے کون ہے  
 وہ لگا کہنے لیکن اسے خواہ گوشت  
 سن کے ان کی بات کو میں خوش ہوا  
 عذر معقول اگیا ہے خوب ہاتھ  
 لیکے ہمہ ان کو قصہ مختصر  
 چپکے چپکے گھر کے اندر میں گھسا  
 گودڑا میں بکڑے تیر دیکھ کر  
 بیوی صاحبہ یہ سمجھو ڈینگ ہو  
 دل جو دال ماش کو چاہا مرا  
 اتفاقاً ایک آعنا کا بیلی  
 ساتھ ساتھ اپنے انھیں لایا نہیں  
 کیلے اتنا گھر میں یا خوف و ہراس  
 چونکہ ہے سودا ترقی کا سمجھے  
 بیٹھ کر کہنے لگا میں اتنے یوں  
 ہینگ کیا اور ہینگ کا بکتا ہی کیا  
 رہ کے دنیا میں ترقی سیجھے  
 چھانتے پھرتے ہو کیوں گویں کی تناک

جان تھی نیچے دروں نیچے بڑوں  
 اک مجسمہ دیوتا ہے چملا  
 ڈر گیا میں اسکی صورت دیکھ کر  
 میں نے حسب وضع اسے یوں کہا  
 یوجہ کیا لاداہے میں سے ڈون ہے  
 من زکا بل ہتم انکو زہ فروش  
 اور دل ہی دل میں اپنے یوں کہا  
 ان کو لے چلے مکان پر اپنے ساتھ  
 پونچے خوش خوش تادرنکبتاثر  
 سامنا چوہے کو بلی کا ہوا  
 دفع دخل اسطرح کر ڈالا مگر  
 دال کی لذت جو ہے وہ ہینگ ہے  
 جھجھو میں ہینگ کی دن بھر بھرا  
 بلکے آتے ہوئے مجھ کو ابھی  
 اُن کو ڈیڑھ ہی میں بٹھا آیا ہوں میں  
 الغرض آیا میں پھر آفانے پاس  
 ہینگ وینگ اُن سے نہ تھی لپٹا ئے  
 پیچھے پھرتے ہو تم یہ ہینگ کیوں  
 پدی کیا اور پدی کا کیا شور با  
 حرفت و صنعت میں حصہ لیجئے  
 کیوں ہرے باتے ہو آفت ہیں ہلاک

کر کے ہمت کسب کوئی سیکھ لو      نفقہ بستے تاکہ اوروں کو بھی ہو  
 آجکل جاپان ہے حرقت کی کان      جسنے کاٹے اہل یورپ کے بھی کان  
 سیکھئے جا کر دہاں کوئی ہنسر      زندگی بھر چین سے کیجئے بسر  
 نکلے یہ باتیں وہ کابل کا گدھا      یک بیک جھنجھلا کے یوں کہنے لگا  
 کے خرمی انگوترہ راوہینگا      خرچہ داند شاخ راوہینگا  
 ہینگ باشد دافع درد شکم      ہینگ باشد نافع ہضم اتم  
 ہینگ باشد حملہ علت رادھا      ہینگ باشد نوش و نش جانفزا  
 ہینگ خواہد ہر کہ او بینا بود      قدر دانش یو علی سینا بود  
 ماش را روح رواںے چیس ہینگ      قابض را تازہ جانے صیت ہینگ  
 بگز راز جاپان داز جاپانیاں      قید صدا بجا داز زندانیاں  
 جاہل انداز دال ماش وانگرو      مے نداءند اس غذا سے خوش مزہ

## غزل

آجکل ہے کچھ سینچر پاؤں میں      مفت کا رہتا ہے چکر پاؤں میں  
 سیکڑوں خار مغیلاں ٹوٹ کر      رہ گئے ہیں مثل نشتر پاؤں میں  
 رشتہ تہذیب کو تو آج کل      باندھے پھرتے ہیں محمند پاؤں میں  
 بدگمانی تو ہے جب باندھے پھر میں      چور دوں کو اپنے شوہر پاؤں میں  
 عشق میں اک آسمان رفتار کے      آگیا ہے سر کا سپر پاؤں میں  
 ہجر میں ان کے ستم یہ اور ہے      کاتتے ہیں شب کو پتھر پاؤں میں

باور صاحب وطن کا پاس اچھا ہے      بھات اچھا ہے ماشلی کا پاس اچھا ہے

مطلب تہ زین سے نہ لٹھے سے عرق  
کھاڑھا دہتر ہی لباس اچھا ہے

ہم دور اندیش لاکھ بچھاے گئے  
آپ ایسے گنو کا پتی ہی کا سے گئے  
کچھ لاج رہی نہ پت رہی اور نہ راے  
جب مانڈے لالہ لاجیت لے گئے

واعظ پر مغاں تو کچھ نہیں  
لیکن جتسا بھی کو مغوس نہیں  
لٹیا ہی ڈبولی بیکے میکش دکھیا  
یادہ ہے تو شراب معکوس نہیں

رات اپنا جس مقام پر فقہا پر تھا گزہ  
تذکرہ کچھ مختصر، محکوموں کے یاد ہیں  
یعنی یہ دیکھا ہے کہ اک بوستان خیراں  
قید غم سے جس جگہ سرچمن آزا دیں  
ناگماں وہ شوخ اگر مجھے یہ کہنے لگا  
آپ کسکو پوچھتے ہیں کسے نشا دیں  
انتظام مملکت کہتے ہیں محکوم خاص و عام  
پوچھئے ان سے کہ یہ لالہ بڑے استاد ہیں  
پھر بقول دوسراں کا کرنے لالہ سے کہا  
آپ کہتے پھرتے ہیں ہم مور و میدا دیں  
ادب و اس کے سنی ہے آپ کی اسچھی  
ہم کہیں ظالم کہیں قاتل کہیں چلا دیں  
جی میں آتا ہے کہ اک دن دھڑکڑاؤں تھے  
کیوں قصا آئی ہے تیری کیوں ہم چلا دیں

کل مجھے بکڈ پوس کے منچرے یوں کہا  
کچھ ملک و قوم کی بھی مدارات چاہئے  
دبچپ نادلوں کی ضرورت ہو ملک کو  
کشان چاہئے نہ اشا رات چاہئے  
اک جی حضور خان بہادر کا جو یہ قول  
صاحب کے اردنی سے ملاقات چاہئے  
غالب کی پوچھتے تو مقلد ہے انکا یہ  
اک گو نہ بخود ہی مجھے و نزات چاہئے  
مجھے جو پوچھئے و معشوق کے سوا  
امید سے ترک ملاقات چاہئے

انشاء۔ سید انشاء اللہ خان نام تھا۔ حکیم میر انشاء اللہ خاں کے بیٹے دلی کے رہنے والے تھے۔ مگر جیسے ولادت مرشد آباد تھی۔ ان کے والد خود بھی پختہ مشق شاعر تھے۔ انشاجب سیانے ہوئے تو ان کی تعلیم و تربیت اس زمانہ کے شرفا کی طرح کی گئی۔ اور عربی فارسی وغیرہ میں نہایت زبردست استعداد پیدا کرائی گئی۔

انشا کی شاعرانہ طبیعت چند روز میں اپنے اصلی رنگ پر آگئی مشق شروع و سخن شروع کی ابتدا میں اپنے والد بزرگوار کو اپنا کلام دکھایا۔ انشاء کی شاعری کا سرسبز بچہ و ما مرشد آباد ہی میں پھلا پھولا۔ مگر چونکہ اس زمانہ میں ہندوستان میں ہر طرف تباہی کا طوفان اٹھ اٹھا تھا اسی لئے ان کو بھی مرشد آباد چھوڑ کر دلی آنا پڑا۔ مگر آج کل دلی کا دربار ایک خانقاہ درویشانہ تھا نہ وہ شاہانہ عظمت اور جبروت باقی تھا نہ وہ اقتدار تھا دلی کا بڑھاتا جدار شاہ عالم بادشاہ عماد الملک وزیر کے ہاتھوں شاہ شطرنج بننا ہوا تھا۔ بے بسی اور بے کسی کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔ مگر تاہم ابھی وہ غریب نوازی اور بندہ پروری کی روایات قدیمہ زندہ تھیں۔ یہی سبب تھا کہ ہر دی کمال اہل ہنر کی پہلی مینا یہی ہوتی تھی کہ وہ دربار شاہی میں داخل ہو۔ اسی بنا پر انشاء کو بھی داخلہ کا شوق چرایا۔ چونکہ اہل کمال بھی تھے اور ساتھ ان کی لطیفہ گوئی اور بے لہجگی کی چار طرف دھوم تھی اسی لئے آسانی کے ساتھ دربار میں داخل ہو گئے مگر وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ دربار نام کا دربار ہے باقی انشاء کا نام ہے۔ پھر بھی سنگ آمد و سخت آمد کا معاملہ تھا۔ زمانہ باتو نہ ساز و تو بازمانہ بھارت کی شہر ضرب المثل پر عمل کر کے چارونا چاند روز بنا ہی۔ اور اپنی خوش بینیاں اور خوش مذاہنوں۔ گل انشائیوں سے اس وادی خزاں رسیدہ کو گل و گلزار بنا سے رکھا مگر کب تک آخر گھر آگئے جی اگتا گیا۔ اور لکھنؤ کی طرف رخ کیا۔ لکھنؤ اسوقت آج کا لکھنؤ نہ تھا۔ گوشہ گوشہ قدر والوں سے آباد تھا۔ ذرہ میں فیض رسانی میماں نوازی کی جست

موجود تھی۔ جیسے ہی یہ لکھنؤ پہنچے مرزا سلیمان شکوہ کے دربار میں آن کو جگہ مل گئی مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے۔ انھوں نے کچھ انشا کے علم و فضل اور رنگین مرزا جی کی قدر کی۔ کچھ اپنے باپ کے درباری ہونے کا لحاظ کیا۔ غرض کسی نہ کسی صورت سے یہ ان کے شاگرد ہو گئے۔ انشا کو تمام تر تو نہیں مگر کچھ نہ کچھ اطمینان ہو گیا اور غربت کے آنسو چٹھہ گئے۔ چند روز انھیں کے یہاں رہتے رہتے رہے مگر آخر الامر علامہ نقض حسین خاں کے توسل سے نواب سعادت علی خاں کے دربار میں پہنچے۔ اور اس قدر مقرب بارگاہ ہوئے کہ نواب کو ان کے بغیر کسی وقت چین ہی نہ آتا تھا۔ انشا کی رنگین مرزا جی نے کچھ نہ کچھ نواب کو بھی رنگیں کر دیا تھا۔ مگر فطرتاً نواب نہایت ہی سادہ مزاج۔ خاموش۔ متین۔ اور بخیرہ تھے اب یہ عالم تھا کہ خلوت اور جلوت میں دم بھر کے واسطے بھی سید انشا جراتہ ہوتے تھے۔ ایک غیر مطبوعہ کتاب جو مشہور بھی نہیں ہے لطایف السعادت کے نام سے مجھے ملی تھی یہ انشا کی تصنیف تھی اور اس میں نواب کے حکم سے انشانے وہ دلچسپ لطائف اور باتیں جمع کی ہیں جو نواب میں اور ان میں خاص خاص مجلسوں میں ہو ا کرتی تھیں یہ کتاب مدتوں میرے کتب خانہ میں رہی اب سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدن کے یہاں ہے۔ اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ نواب سے اور ان سے اتنی بے تکلفی تھی کہ اس سے زیادہ محال تھی۔ مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب کے مزاج میں یہ رنگینی جو انشا کی صحبت سے پیدا ہو گئی تھی۔ وہ فی الاصل متین تھے اور انشا ضرورت سے زیادہ بہت شوخ مزاج۔ رند لایالی چٹا پتھر اسی افراط و تفریط کی بدولت یہ ذہن پہنچی کہ نواب کو کچھ برہمی پیدا ہوئی اور اسی کی پاداش میں ان کو ۱۲۵ھ میں دربار سے الگ ہونا پڑا۔ نواب نے اسکے بعد ان کو یہ بھی حکم دیا کہ ہمارے دربار کے سوا اور کہیں نہ جایا کرو۔ اسکے بعد یہ ستم کیا کہ تنخواہ بھی بند کر دی۔ ایک اذیت یہ آئی کہ تعال اللہ خاں جو ان بیٹا مر گیا۔ اور انشا کی اسی غم میں بہت ہی زار و نزار حالت ہو گئی۔



آزاد نے اسی واقعہ کو اپنی رنگین بیانی سے آبجیات میں اتنا چکایا ہے کہ پڑھنے والے کو آنسو نکل آتے ہیں۔ لکھا ہے کہ مجنون ہوے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے۔ مگر دراصل یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔ آزاد لکھتے ہیں کہ میان رنگین بیان کرتے ہیں کہ میں سوداگری کے لئے گھوڑے لیکر لکھنؤ گیا اور مرا میں اترا۔ شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ قریب ہی کوئی مشاعرہ ہوتا ہے۔ کھانا کھا کر میں بھی جلسہ میں پہنچا ابھی دو تین سو آدمی آئے تھے لوگ بیٹھ باتیں کرتے تھے۔ حقے پی رہے تھے۔ میں بھی بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص سیلی کیجلی روٹی دار مزدی پہنے سر پر ایک میلا سا ہینٹھا۔ گھٹنا پاؤں میں۔ پکیوں کا توڑا ڈالے ایک کلر کا حقہ ہاتھ میں لئے آیا اور سلام علیکم لیکر بیٹھ گیا۔ کسی کسی نے اس سے مزاج پرسی بھی کی۔ اسنے اپنے توڑے میں ہاتھ ڈال کر تنباکو نکالا اور اپنی حلیم پر سلفہ جاکر کھا کہ بھی ذرا سی آگ ہو تو اسپر رکھ دینا۔ ایسوت آواز میں بلند ہوئیں۔ اور گڑ گڑی شک پیچو ان سے لوگ تواضع کرنے لگے۔ وہ بے دماغ ہو کر بولا کہ صاحب ہیں ہمارے حال پر رہنے دو۔ نہیں تو ہم جاتے ہیں۔ سب نے اسکی بات مانی۔ دم بھر کے بعد پھر بولا کہ کیوں صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہیں ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ جناب لوگ جمع ہوتے جاتے ہیں۔ سب صاحب آجائیں تو شروع ہو۔ وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہیں یہ کمر توڑے میں سے ایک کاغذ نکالا۔ اور غزل پڑھنی شروع کر دی "غزل یہ تھی" کر باندھے ہوئے چلنے کو یہاں اب یار بیٹھے ہیں۔

مولوی عبدالحی صاحب مرحوم اپنے تذکرہ گل رعنا میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ غزل انشا کی اس زمانے کی تصنیف نہیں ہے جو ان کے جنون اور بیچارگی کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔ میں نے اس غزل کے چند اشعار تذکرہ مصحفی میں پڑھے ہیں۔ جو اس زمانہ میں لکھا گیا ہے جو وقت انشا لکھنؤ پہونچے بھی نہ تھے۔ مصحفی نے تذکرہ میں وہاں تک کا حال لکھا ہے کہ وہ مرشد آباد سے دلی میں آچکے ہیں۔ اور مرزا عظیم وغیرہ شاعر دہلی سے مہرے پیش

خود میں نے ایک غیر مبلوغہ نسخہ انیس الیہا مصنفہ مومن لال انیس میں دیکھا ہے کہ وہ آخر وقت تک مشاعروں وغیرہ میں شریک ہوتے تھے۔ اور جنوں وغیرہ کا اس میں کہیں ذکر نہیں۔ یہ تذکرہ انشا کی حیات میں لکھا گیا یا ان کی وفات کے دو چار برس بعد مصنف تذکرہ ان کے دوستوں میں تھے۔ افسوس کہ اس وقت وہ تذکرہ میرے پاس نہیں ہے ورنہ مفصل لکھتا۔ بہر صورت اس میں کلام نہیں کہ انشا کی زندگی کا آخری زمانہ تکلیف میں گزرا۔ اور انھیں صوبوں میں ۱۲۳۲ھ میں وہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو گئے انشا کی تصانیف بہت سی ہیں جن میں سے دریاے لطافت سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے۔ دیوان بھی کئی ہیں جو ایک کلیات میں شامل ہیں۔ کہ جسے میری یہ مراد ہے کہ ایک فارسی۔ ایک بے نقط۔ ایک اردو کا دیوان ہے۔ مثنویاں تصدید سے رباعیاں بہت سی ہیں۔ ان کی شاعری کی نسبت یہاں کوئی رائے دینا بے ضرورت ہے۔ البتہ ظرافت کے متعلق یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ خلقاً نہایت ظریف۔ ہشاش بشاش واقع ہوئے تھے۔ اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ درباری شاعر۔ یا نوابی دربار کی مصاحبت کی وجہ سے انھیں ظرافت کی ضرورت پڑتی تھی۔ مگر میں اس کے خلاف ہوں حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ درباری مصاحب اور شاعر بھی نہ ہوتے تب بھی ایسے ہی ظریف ہوتے۔ اب بھی دیوان کو دیکھتے تو ضرورت اور بے ضرورت۔ جااد۔ بیجا سب جگہ ان کے مستزاد مزاح کی شان موجود ہے تذکرہ گلشن بے خار کا وہ جملہ جو آزاد کے سینہ پر کشار کا کام دیتا ہے۔ اگر میرے خلاف ہے تو ہرگز اسی لئے ہے کہ شیعہ مرحوم کو یہ لکھنا تھا۔ کہ بجز ظرافت پنج صفت را بطریقہ راستہ شہانہ گفتہ۔ حقیقت یہ ہے کہ انشا ظرافت ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور اگر وہ صرف ظرافت ہی کہتے تب بھی ان کا علم و فضل اتنا ہی مسلم ہوتا جتنا آج ہے۔

ان کی ظرافت کے اقسام گناٹا ایک قسم کی دانستہ غلطی کرنا ہے۔ جو شخص بات میں ظرافت کے دریا بہا ہے۔ کوئی کہاں تک اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔ پھر بھی غرضی کہ

اُن کے ظریفانہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھے۔ بعد ازاں اڑواڑی وغیرہ کا نمبر آتا ہے ہر صورت ہم اُن کی ہر قسم کی ظریفانہ شوخیوں میں سے کچھ نمونے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ مگر قبل اس کے کہ نظم کا حصہ شروع کریں۔ اُن کے کچھ لطائف لکھے دیتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے ازراہ تکلف و تصنع نہ تھا بلکہ ان کی فطرت ہی تھی۔ ان کا وجود ان کی معنی محض پہننے ہنسائے کے لئے پیدا ہوئی تھی۔ لطف یہ ہے کہ جس رنگ میں کوئی شعر کہتے ہیں۔ یا جس قسم کی ظرافت سے کام لیتے ہیں اس میں کسر باقی نہیں رکھتے۔ کیا مجال کہ کہیں اعتراض کیسا نظر بھر کر دیکھنے کی بھی گنجائش نکل آئے کوئی غلطی سرزد ہو معاذ اللہ۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر انھوں نے اسی رنگ میں مشق کی ہے۔ اور یہی رنگ عمر بھر رہا ہے۔ وہ اتنا اے شوخ حاضر جواب تھے۔ چنانچہ چند لطیفہ درج کرتا ہوں۔

ایک دن نواب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اور گرمی کی وجہ سے صافا۔ یا پگڑی عطرہ رکھ دی سرگٹھا ہوا تھا نواب کے دل میں جو تڑنگ اٹھی۔ ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک ٹیپ دی۔ آپ نے جلدی ٹوپی سر پر رکھ کر کہا۔ بزرگوں کی نصیحت پر عمل نہ کرنا بڑی بری بات ہے۔ نواب نے کہا کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ سنا تھا ننگے سر کھانا کھانے سے شیطان دھولیں لگاتا ہے۔

ایک مرتبہ نواب نے دفتر والوں کو حکم دیا کہ بھئی سب خوشخط لکھو اور جو کوئی غلطی کرے گا فی غلطی ایک روپیہ جرمانہ کیا جائے گا۔ اتفاق کی بات ایک بڑے قابل مولوی صاحب نے فرد حساب میں اجناس کا سین بھول کر اجنا لکھ دیا۔ نواب صاحب نے کہیں دیکھ لیا۔ مولوی صاحب نے اسکے معنی بتانا شروع کئے اور تاویلوں کے انبار لگا دئے نواب نے انشا کو اشارہ کر دیا۔ انشانے یہ رباعیاں نظم کر کے پڑھیں۔ اور غریب مولوی کو دیوانہ کر دیا۔

اجناس کی فرد پر بہ اجنا کیسا  
ہیاں ابر نفات کا گر جنا کیسا

گوہوں اجنا کے مضے جو چیز آگے  
لیکن یہ نئی اپچ اپچنا کیسا

ترخیم کے قاعدے سے بھنا لکھے  
اور لفظ خرو خیا کو خچنا لکھے  
گر ہلکا اچھی نہ لکھے ہوئے لکھنا  
تو کر کے رخم اس کو اخبنا لکھے

اجناس کے بدلے لکھے اجنا کیا خوب  
اٹھا مویں کے رعد کا گر جنا کیا خوب  
ازر دے لغت نئی اپچ لے لی ہے  
اس تان کے ییج کا اپچنا کیا خوب

اجناس کے موقعن پہ اخبنا آیا  
سلسلے علوم کا یہ سچنا آیا  
اجنا چیز سے ست کال برید زریا  
یہ تخم لغت کا لو اپچنا آیا

نواب نے کہیں روزہ رکھا تھا اور یہ حکم دیدیا تھا کہ کوئی نہ آئے۔ پہرہ لگا دیا تھا  
مگر انشا کو کوئی ضروری کام تھا۔ آخر عورتوں کا لباس بدلنا کہ پراگھی رکھ نواب کے  
سامنے جا کھڑے ہوئے۔ نواب نے چونکہ حکم دے رکھا تھا کہ کوئی نہ آئے۔ اس پر پہرہ  
ذرا تیزی پر بدل آئے۔ انھوں نے فوراً یہ شعر پڑھا۔

میں تو کہتی تھی نہ رکھ اوسے پیارے نہ  
بندی رکھ لیگی تیرے بدلے ہزاری روزہ

ایک مرتبہ لب دریا چلے جا رہے تھے ایک حویلی نظر آئی جیسے یہ تاریخ لکھی تھی  
حویلی علی تقی خاں بہادر کی

کسی نے کہا کہ انشاء کیوں کیا تاریخ کئی ہے ذرا اسے رباعی تو کر دو تو انھوں

نی البیدیہ کہا۔

نہ عربی نہ شیعہ ترکی  
نہ سہم کی نہ تال کی نہ شہر کی

یہ تاریخ کئی ہے کس رُ کی حویلی علی نقی خاں بہادر کی  
فائق جو ان کے معاصر تھے انھوں نے انشا کی جو کئی انشاء نے صلہ میں پانچویں  
دیئے اور کہا۔

فائق بے حیا جو ہجوم گفت دل من سوخت سوخت سوخت بہ  
صلہ اش چیخ رو سپیہ دادم دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ  
انھیں فائق نے جنکا بیان ہو چکا ایک مرتبہ یہ کہ بہ تشدید لکھا۔ انشا کو ایک  
سامان متحرک کیا ایک قطعہ لکھ مارا۔

بہ خوش گفت فائق شاعر غرا کہ چوں ذہن او ذہن رستا بنائند  
یکے شعر ناڈر کہ در چند دژن شود خواندہ و شک بمعنی نباشد  
دراں لفظ ید را بہ دال مشدو زشت است دایں غلط اصلاً تباہد  
شنید این سخن را چو گزد سخن ز انشا کہ ہمسر شش اصلاً تباہد  
یگفتا کہ من شاعر خوش فکرم چو من بیع مقل گویا تباہد  
تو گلستاں را ندانی درست ترا ایچ شعور و ذکا تباہد  
سند یاد از استناد است مارا بہ کلام ہما بیچ خطا نہ تباہد  
چو تشدید در شعر ضرورت افتد تشدید صحیح چیزا نہ تباہد

گیان چند ساہوکار کی ماڈ واڑی میں ایسی جو لکھی ہے کہ تلوار تیغ تیز معلوم ہوتی  
ہے۔ جس سے اسکی عزت تک کا خون بہا دیا گیا ہے۔ بھڑوں۔ کھٹکوں وغیرہ کی جھوٹ  
میں پوری پوری مثنویاں نظم کر دیں۔ مصحفی سے لکھے تو ایسے ہی اُنکیر دہ دہ اُنکیر  
کہیں کہ تو یہ ہی تو یہ ہے جیسے شیخ مصحفی کے ذکر میں لکھیں گے انشا کے لئے کوئی ہی ضرورت  
نہ تھا کہ وہ جب ہزل۔ یا ظرافت یا ہجو کا ارادہ کرتے تھے ایسے شعر لکھتے نہیں غزل کہتے  
اسوقت بھی یہی عالم تھا۔ قصیدہ لکھتے تو بھی یہی رنگ غالباً رہتا وہ چار شعر۔

اس قسم کے سنے اس کے بعد سختی کا رنگ دیکھئے :-  
 لیا کر عقل نے منہ میں دل بتیا کا لٹکا  
 تو جوگی جی دھار بجائے عکاسیا کا لٹکا

صنم خانہ میں جب دکھیا بت ذائقہ کا جوڑا  
 لے پارے سے جو ہر تال کر کے لاکھ کا جوڑا  
 نہیں کچھ عہد سے خالی یہ تاسی اس جی صفا  
 لپٹ کر کشن جی سے رادہ ہنس کر لگیں کہنے  
 یہ سچ سمجھو کہ انشا ہے جگت سیٹھ اس مان کا  
 لگا ٹھا کر کے آگے نا چنے خاکس کا جوڑا  
 تو تانے سر جی انگلیں کوئی نو سے لاکھ کا جوڑا  
 لگایا ہے جو اک بھوتے سے سنے لاکھ کا جوڑا  
 ملا ہے چاند سے اسے لواندہ سے لاکھ کا جوڑا  
 نہیں شعرو سخن میں کوئی اسکی سا لاکھ کا جوڑا

یہ جو منت بیٹھے ہیں ادبا کے کند پر  
 ادبا رین کے گرتے ہیں سپریوں کے چھٹ پر

دل ستم زدہ بتیابیوں نے لوٹ لیا  
 سنایا رات کو قصہ جو ہیر راجھے کا  
 ہمارے قبلہ کو دہائیوں نے لوٹ لیا  
 تو اہل در کو دہائیوں نے لوٹ لیا

یوں چلی مرگائے اشک خورشیدانی مینی  
 جیسے ہر اپ بھجے بالے میانکی سپیدی

رات دہ بولے مجھے ہنس کر چاہ میاں کسٹیں  
 میں ہوں منہ پڑا اور تھم میرا تیرا میل تھیں

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے  
 ڈر و دشت کی دہوم دہام سے تم  
 یہ تو بیچارہ آپ تنگی ہے  
 دہ تو ایک دیو نی دنگر ہے  
 جوگی صاحب آپ کی بھی داہ  
 دہم مورت عجیب کٹہنگی ہے

چشم بد دور شیخ جی صاحب کیا ازار آپ کی اٹنگی ہے

خیال کیجئے کہ کیا آج کام میں نے کیا حیب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں کیا

دیوار پھانڈنے میں دیکھو گے کام میرا حیب دہم سے اکونگا صاحب سلام میرا

ہیں روزِ شمس سے وہ نہایت گھنڈ پر  
تو نیر لال ہی کے نہ پھرئے گھنڈ پر  
بابِ سداساگ کی ہندی رچا کر سے  
دو تیس دن تو ہو چکے اب پھر جلد ہیں  
وہ ہلو ان سادہ لب جو بڑھنڈ پیل  
انشا بدل کے قلعے رکھ چھوڑ چھوڑ کے  
نام خدا نکاح پر سے کیوں نہ ڈنڈ پر  
اک نیلا ڈورا باندھئے اس گوسے ڈنڈ پر  
پتے پتے کچیس رہے آفت ارنڈ پر  
فردز شاہ کی لاش کے اس چوتھے کھنڈ پر  
بولاکہ کوئی عشق تو ہوا ایسے بھنڈ پر  
چڑھ بیٹھ ایک اور پھر سے اکنڈ پر

یہ جو ہمت بیٹھ ہیں راجہ کے کھنڈ پر  
راجہ جی ایک جوگی کے چیلے پہ عشق ہیں آپ  
بنکر ہمت کرتے ہیں پر یوں کے چھنڈ پر  
عاشق ہوئے ہیں داہ عجیب لہنڈ منڈ پر

جو چاہے تو مجھے ہنسوڑے کی خیر  
کراوے نشے کے مرے رخش کو  
ہنسا یا جو میں تے تو بوسے نہیں  
لگا بیٹھ انشا کو ٹھوکر تو ایک  
تویوں دیکھ اس گھوٹے جوڑے کی خیر  
میاں ساتی اس سلفے کوڑے کی خیر  
نظر آئی کچھ اس تلوڑے کی خیر  
ارے اپنے سونے کی توڑے کی خیر  
عوضہ اسی طرح بات بات میں خرافات اور ہنسوڑپن کرتے تھے۔ ریختی ان کا کوئی

خاص رنگ نہ تھا بلکہ اپنے دوست میاں رنگین دہوی کے اجتماع میں نقین طبع کے طریق پر یہ بھی لکھ ڈالی۔ اور لکھی تو ایسی اور اتنی لکھی کہ آج پورا ایک دیوان موجود ہے۔ ان کی سختی میں خصوصیت سے یہ بات دیکھنے کے قابل ہے کہ جان صاحب کی طرح تصنع اور آدے سے سراسر پاک ہے۔ خاص دلی کی بیگیاں کا رزمہ ہے۔ اکثر اشعار ایسے ذومعنی ہیں جو سختی اور ہڑالی دونوں رنگوں کا نمونہ ہیں جنہیں دیکھنے والے خود سمجھ سکیں گے۔

میں کیا کہوں دو گانا اس کل کے دوڑنے سے	جو حال ہو گیا ہے اس پاؤں کی تلی کا
بھیس نہ آؤ زناخی تو رات کو کہیں تھی	چھپتا ہے رنگ کوئی ایسی ملی دلی کا
ہاتھوں سے تیرے میں تو کجفت عاجز آئی	جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ہلسلی کا
انشا سواے اپنے اللہ کے جہاں میں	ہے کون کھونے والا اس دل کی ہکلی کا

بات جو کہنی نہ بھتی سودہ داسے کہی	منہ دکھاوے نہ خدا آپ سجاداں کا
تیری تو انشا کبھی بات نہ باور کرے	جامہ مہین کر اگر آدے تو قرآن کا

اللہ کرے سلامت جم جم ہے یہ پیرا	ہے جسکے دم قدم سے دنیا کا رنج پیرا
کیوں گیلی انگلیوں سے تو جو کہ ہے پستی	ہے تری گلہ ری کیا مانگتی ہے پیرا
بندی کی دشمنی میں ناحق جو ہوں لکھی	لگھاے آئے منہ پر غیب کا تعبیر پیرا
باجی سے اپنی ہنس کر کل وہ پری پلٹی	کیوں تھے میرے انشا اللہ خاں کو چھیرا

کردں بتا کر کیا اپنی دو گاتہ کی رکھائی کا	دماغ آکر انھیں میں شمس رہا سلی خدائی کا
نیا یہ موبلا سننے لگا ہے ٹوہ میں میری	موادربان کا لڑکا لیتا ہے متھیلے بھائی کا
وہی جانے کہ کیوں نکریات چیت اس تک پوچھی	دوا کا آسرا ہے یاں جہر و سہرے تنائی کا



مجھے پکڑاؤ تھا انشا سے میں نجات کرتے گل  
مگر نا۔ کام ہے تیرے یہاں تو یحییٰ کا

چوٹی ہے تری سانپ کی اک لہر دگانا  
کھاتی ہوں ترے واسطے میں زہر دگانا  
چہن تری پس دیکھتے ہی یاد پڑی ہے  
دلی کی وہی چپیل وہی نر دگانا  
نوج ایسے کہیں اور ہوں گھر کھوج مٹے لوگ  
سب ناٹ گئے ہے یہ برما شہر دگانا  
میں تجھے سمجھ لوں گی بھلا کون ہے انشا  
انڈارسے تو ہے بڑی قہر دگانا

اڑ گئی فاختہ کیوں سرو پر دم دیتی ہے  
اجی اسکا نہ کچھ اچھا مجھے کھراک لگا

تھام تھام اپنے کو رکھتی میں بہت سائین  
کیا کیوں تھم نہیں سکتا مرا اندر والا  
اپنے کو بٹھنے پہ کچھ اسٹہ ہے ز قیلا کہ مری  
لیگیا جان اڑا ایک کبوتر والا

ہے یہ سستی کوئی منزل انشا اسکا نام بتا  
ڈر سا میرے دل کے اندر اس منزل میں بیٹھ گیا

تنتے پر مٹی کہانی تو بٹری آنا  
آپ بیٹی تو کوئی بات نہ پھیڑی آنا  
پہلی ٹھکری اکٹو بندھ کے لاسے جیسے  
اپنی میں رگڑا کروں پاؤں کی ایڑی آنا  
کٹ زانہ سے ہوتی دہتی اچھا تو ہوا  
کٹ گئی یعنی مرے پاؤں کی پٹری آنا  
نہیں سنکا رہا تو تے تو پھر انشانے  
میرے دروازے کی کیوں چول کھاڑی آنا

اپنا جود کھاسا ہے ہمیں روز نگوڑا  
صدتے اسے کر ڈالے در گو ر نگوڑا  
میں حنج پڑوں کیوں نہ جوئے انگلی ہر اپنی  
ڈالے وصل انگلی کی مری پور نگوڑا دنی

ہمسائیہ کی ہوتی کل رات کو انشا گھس اس کے دنانہ میں گیا چورنگوٹرا

تو قیامت بے مری ہے حد بڑا تیرا گلا  
کیوں پڑا تنکے نہ دل میرے کلینے میں بھلا  
دل میں اک انشا کے چٹکی لی پرے کوہٹیں  
خوش نہیں آتا ہمیں بی فاختہ تیرا گلا  
ہے بھارار وپ اسیا جیسے ہوتے میں ٹلا  
داچھڑی معقول یہ کیا تھا بھلا صاحب بھلا

اگ لیے کو جو آئیں تو کین لاگ لگا  
نہ بڑا مانے تو لوں نوح کوئی مٹھی بھس  
شوق سے سو گھرے انشا مرے بوبالوں کی  
بی بی ہمسائی نے دی حمیں مرے آگ لگا  
بیگما تیری کیاری میں تیا ساگ لگا  
دے جیل خور کے ہونٹوں میں تو کنگ لگا

کبخت ہے وہ کام ڈگنا بہت بڑا  
دلسوز ہے دوامری پر اس کا ہر گڑی  
صدقہ گئی تھی ہے یہ زمانا بہت بڑا  
لگتا ہے انگلیوں کا نچنا بہت بڑا

تو تو آکٹی نہیں جائیگی مرے عیبوں سے  
نئی ڈھا کوں کی کسی کھیتی کی طرح سے انشا  
اری میں عیب بھری ہوں تو بھلا چٹکا کو کیا  
ڈھڑھی اور ہری ہوں تو بھلا جھٹکا کو کیا

مشک کی طرح سے گال اپنے بھلاتا کیوں ہے  
ارے اور تھر کے لونڈے تو نہ پانی چھلکا

پک رہی ہے جو یہ کچھڑی سی بہو تیں جس سے  
ماحقہ آیا سو بہتیل سے بہتیل ملتا  
اسکی اب تک نہ گلی دال نہ چا نول کسکا  
چو لھے اور بھلاڑ میں جاوے نہ گڑا چسکا

چیتھی ہے یہ تو نگڑی مجھے بھاری انگیا  
 گو کھر د لہرنت ڈاک ستارے کیا حیر  
 گیتد اک میں نے جو پھینکی تو جھیک کران نے  
 بی بی مغلانی جو سی لائیں تھیں آئی نہ پسند  
 جیسیں بو باس ہو تیری وہ نشانی دے ال  
 اوڑہی مجھے جو بدلی تو اچی با جی جان  
 مٹی عجیب کوئی سگھر جسے یہ کار ہے بوٹے  
 ہاتھ انشا کا کیں چھو جو گیا تو بولیں

کوئی سادی سی مرے واسطے لاری انگیا  
 اس سے ہو جاتی ہے کبھت گناری انگیا  
 کچھ عجیب ڈول سے کل اپنی سنواری انگیا  
 میگا جی تے وہ سراون کے سے ماری انگیا  
 چھلا میں کیا کر دنگا اس ترے واری انگیا  
 وہ بھی اک دیکے جو ہو بھاری سے بھاری انگیا  
 واچھڑی نیلگی اک پھولوں کی کیاری انگیا  
 تیرا مقدہ کہ تو چھیرے ہماری انگیا

سیل کے کوڈے اسیکے آج ہیں کیا اسے دوا  
 ہے وہ چھوٹا سا جو لڑکا تیری گودی کا پلا

تنے جو میرا ڈھانڈا پڑھو یہ دگانا بات کڈھ  
 ایسی نہ چالیں چل تو ہر چاد بھری جو لوگ کہیں  
 خط پڑھنے کو ڈیوڑھی کے اوپر چاہے کوئی بوڑھا سا  
 لگتا ہے اسیں دونوں کو بڑھو یہ دگانا بات کڈھ  
 آپس میں ہی ان کے شاہ ہے یہ دگانا بات کڈھ  
 انشا تو ہے ہٹا کتا ہے یہ دگانا بات کڈھ

کوٹھے پر سیڑھیوں میں یا کہ منڈیوں کے اوھر  
 سر ہلا سے بھروسہ نہیں پڑتا کس وقت  
 صحن میں ڈیوڑھی میں یا اوکھیں منہ سے پھوٹ  
 کس جگہ کب ہکد ہر لاکھ وہیں منہ سے پھوٹ

میں امانتیں مری نہ لے چٹ چٹ  
 دم دلا سا بٹ دے آنا  
 چوٹ اک دل کو لگ گئی انشا  
 اے دگانا تو ایک ہے نٹ کھٹ  
 چل چنی دور ہو پرے بھی ہٹ  
 جیب سی اس کے پانوں کی آہٹ

مت اچڑ گئے سے بھڑا و غش نہ کھا کر گر  
کچھ بچے شرم بھی ہے بیٹھ پرے او بخت  
بیکلی نہ کر آخر چین نے زر  
تاڑ جاویں گے سے بخت

انشا سے ملے کیوں نہیں عشق ہو بھلا تو دیر کیا  
جیسا کہ ہے سے بخت سے ڈرتے ہریش

سارے بھوتوں سے پر ہے یہ موا خواجہ حبیب  
رات بھر کھانا کرب سے تیار آتی ہوا  
بیگیا انشا سے بھپسی دیکھ لیں کر د  
جس کا گھبراہی کرے ہے یہ موا خواجہ حبیب  
بوسہ کے اب دن بھر ہے یہ موا خواجہ حبیب  
ریشک کے مارے مرے ہے یہ موا خواجہ حبیب

کوئی چاہت میں کسی شخص کے بدنام ہو نوج  
مرد و امجد سے کہ نہ پہلو اکرام کریں  
دل دہلا رہی رہے وہی تو ہے انشا  
اسے دوا جان دہ بخت بڑا کام ہو نوج  
جس کو آرام دہ سمجھے ہے وہ آرام ہو نوج  
کھو ہی کالی بلا سے دہ پھر شام ہو نوج

باجی کہہ سہا کہ مرد و بے پر غش ہے تو  
مات سے کہہ سہا کہ نہیں تو ولایت  
مفت ایسا بھی کسی شخص پہ پستان ہو نوج  
میسر سے کہہ سہا کہ طرف دیکھو درٹا کو سوچ

کاتے بادل نہ گھڑتے تارے او لوگو  
سہا کی کہہ سہا کہ سی بالی کید نہ کر  
آبرو آج مری مفت میں کیوں کھوتی صبح  
جس کا ہو سوئی کے ناکے سے بھی تنہا سولخ

تو کس مرے سے کہا بیگانے چل گستا  
ہاں آئی کی کل چٹان چٹان  
ہاں

میں تیرے کو صدمہ لگئی اے مری پیاری مت پیچ  
 لگتی ہے چوٹ تو لگنے دے سوساں دروڑی کہ ایک دم کے لئے خاطر سے ہماری مت پیچ  
 بیچ پنکھاڑ پیچ ہوئی انشا سے نہ مل کہ بڑا بے منتیں کر کے تری ہماری مت پیچ

جاڑ لگے ہے بچنے لے جھکو لکھات میں پا جامہ بچے ہر ہڑاولا ازار بند  
 تفصیر کیا ہوئی تھی کہ انشا پر رات کو وہ کچھ وار آپ نے تو لا ازار بند  
 کیا بھر گیا ہے آج کہ جسکے سب ترا کہ ہے سخت جیسے لکڑی کا چیللا ازار بند  
 انشا کو اور اپنی نشانی نہ دیکھے دیکھے تو اپنا میللا کچیللا ازار بند

ہے تو سہی اچھی یہ نکھلا ازار بند لیکن کسی کا فوج ہو ڈھیللا ازار بند

اے دکانا مجھے کھینچنے کا ہے گھنڈا تو کیا کر آج سے تو بھی بیڑی اک کیس ڈنڈ  
 جو پری ہندی لگا دے اسکے باندھ ہاتھ پاؤں لوٹتی کیا کیا ترسے ہو یہ موٹی شمش ارنڈ

جو مجھے ڈکے سو اتنی کرے اس آسے سوئے کو اپنے کھاوے پھاڑ  
 ٹوٹ جاوے کہیں یہ تیری چول ارے ادبے سرے نگوڑے کو اڑ  
 لے چل انشا مجھے کھجور تلے یہ تو ہے مرد نام اسکا ہے تار

گمانے جو کیا جھکے سلام آ تو کو آغا ہینا۔ نے سنائی اسے یوں ہی آہ از  
 پہلنا پتے اور دوپٹوں نہانا پھنسیب بیاہ ہو سو نیکہ سرے سے تری عمر دہاز  
 پڑی شرم کی ہے یہ بات گنہ گنیں بٹھے سے انشا کی تہناری بی تہاز

بیکجی ان نے انگوٹھی مجھے قرد تر معنی کہ ہیں ٹوہ میں خواہ قرد تر

گود پھولوں سے پھری میری  
ادٹ میں اپنی دکھا دی  
میری قاطر سے جو کہ  
اور بھی ایک ذری میری دکھا نا شا با شتر

ادنی راہیل ہر گئی  
یونہی میں عشق ہوئی دگانا پر  
گورے گورے ترے بدن پر عشق  
راہیل جیسے تھا دمن پر عشق

جیسا اخلاص  
اجی دو کار یوں میں توج ہو ایسا اخلاص  
کس کو کہتے ہیں محبت اجی کیسا اخلاص

مجھے اس سے ہوئی کس طرح ملاقات  
آئی تھی کل رات غلط

ساتھ مت بھرا دگانا چپ اری اور بچا  
دال فے ہو یہاں سہلا کہتے ہو کس کو بچے  
آئی بھی مت ہو بچے لیا  
بچے چو خوش لے واسے چھڑے

خکو کیا اس سے دوا جان مرے دل کا شوق  
نہیں اسکا مجھے ارمان مرے دل کا شوق  
جان اور بوجھ کے، نجان مرے دل کا شوق  
میں تھیں کرنے کی آسان مرے دل کا شوق  
دل کا شوق  
دل کا شوق  
دل کا شوق  
دل کا شوق

ہے جو دروازہ وہ گانا کا  
اس میں بن چول کا کاڑھے ایک  
اس کی زنجیر بھی نہیں لگتی  
آگے پھر شرم ہی کی آڑ ہے ایک

میں جھپک اٹھی لیکے انشانے  
کہ کل یہودی جو میری ران میں لنگ  
اری بی ایک ہی عیار ہو تم  
کہ ناک چوٹی میں گرفتار ہو تم

میں تو کچھ کھلی نہیں ہوں ایسی کچی گولیاں  
کیا یہ چھڑ خانی کی باتیں آگے جسے پھر ٹپاں  
جو دیکھوں گی زخاخی جان تیری یولیاں  
سیکڑوں متے یہاں رگڑا کے ہیں ایڑیاں

یلا سے اگر آئی ہو لی کمارو  
نہ مجھے کرو بولی کھولی کمارو

ہل دہ لائے کھوت جو چپتا چاہی ہو  
پھر جو بول اٹھوں گی کچھ میں تو یہ طے دے دے  
اجی بس جاؤ بھی کچھ تم بڑے داہی ہو  
تو ایسا نہ کرو تم بھی بن بیٹھی ہو

تم بڑی تر ہو اے باجی جان  
اے دکانا تری مشغولی کو  
نوج تم سی کوئی چہشتی ہو  
پیزاک موم کی بتی سی ہو

جی ہی کچھ رکھتی نہیں دھڑ میں بڑی پولی ہو تو  
اے دکانا کش بڑھیا کی ہجو لی ہے تو

ظہری بان کی جو کھا رہی ہے اسے کتا ہوں  
فیضت کا نگوڑا ہر گھڑی کیوں پینا پیسے  
در کلمے بات کچھ جی میں بھری ہو مو اگل ڈال  
بڑا دانہ جو ہو چکی میں کیا چھوٹوں کو مل ڈال

بڑائی میرے ٹھینکے پر خدائی رات میں میں نے  
 مجھے ڈر ہے پھر ٹراک جو ہے خاکند سا پھر تا  
 غلیہ پھر اسے گھڑیاں کا کیڑا نہ مٹا دیں  
 دکانا مدھ میں جو بن کے بھری وہ وقت کہ پوچھا  
 اسی تو ابلی ہی پڑتی ہے ملے جھل کے اور تڑی

بڑے ایسے بہت سارے کڑھائی پنج تل ڈالے  
 میا دادا سے دداجی دہمیں محلو کندل ڈالے  
 نگوڑی یا دلی پڑیا مرے میں جو قتل ڈالے  
 کہ کوئی پھول اسکی گود میں کوئی لاکھ پھل ڈالے  
 خدا ایسی بھی دید و نہیں کیسے توجھیں ڈالے

ہزاروں دیو دنگو یا ٹلی پر یوں نے پچھاڑا ہے  
 رخصائی شال کی اوڑھو چلو ہم تم پھیر گھٹائیں

نہیں یہ لکھنؤ راہ اندر کا اکھاڑا ہے  
 ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آہی ہیں خوب جاڑا ہے

میں نے جو کچھ کچا کوکل ان کی ران کاٹی  
 تو ان نے کس مرے سے میری یا کاٹی

یوں جھکا پھیر کوئی رات کا جاگا جیسے  
 یوتھی ہر بات میں بولا کہ دسکڑے سُر دا  
 ڈھال تلوار لئے لانگ پڑھاے انشا

تم تو وہ چاہتے ہو سوئیں میں دھاگا جیسے  
 ابھی آقا کو بہک کر کسا آگیا جیسے  
 تجھے یوں رات ملا ہو کوئی ناگیا جیسے

اسے قربان کروں جو مجھے پڑے انشا  
 میری چھاتی جو چھوے اسکی تیشی جلیے

پڑ گیا نیل مرے گال میں کیسا تھر ہوا  
 ہو گئی ران تو سنبھل دیو لہان لے انشا

ارے کھفت نگوڑے بڑے پچھڑ پٹکی  
 دیکھ میں حج پڑو دنگی نہ مرے لے پٹکی

پڑ گیا نیل مرے گال میں کیسا تھر ہوا  
 ہو گئی ران تو سنبھل دیو لہان لے انشا

ڈر رہا کیا چاہے دیوانہ بولیکا پتھر



رات بھر اپنا ترستا ہی رہا جی یا جی | اب تو نیت کجی اٹھوا جی یا جی یا جی  
اسے لو اس کو ٹھڑی میں میرے راتے کیلئے | اک عیا اور ڈھکے بن بیٹھی ہیں حاجی یا جی

چیمعتی ہے یہ نگوڑ سی سلسل کی اوڑھنی | لادے وہی دوا مجھے ملل کی اوڑھنی  
بن سر ڈھپے ہوئے تجھے کیا چاہئے بھلا | بوٹے سے قد پہ اس بڑے آپنل کی اوڑھنی  
کو کا جی دیکھو میرے دکانا پہ کیا کھبی | پشتوازا ادوی اور جلا جھیل کی اوڑھنی  
انشاکے سونگھنے کے لئے اُن نے بھیج دی | جالی کی کرتی اور وہی ہلکی اوڑھنی

### رباعیات

اسے بی بی میں شاندار بھائی تیرے | صدقے قربان جاے دائی تیرے  
دوہ چال تہ چل کہ نام رکھے کوئی | بے ڈول یہ ہیں دیدے ہوائی تیرے

ناحق تاق مجھے جلاتی کیوں ہے | گھر میں مرے آگ لینے آتی کیوں ہے  
آئی تو نہیں ٹھہرتی یہ رنجش ہے | بے فائدہ یاں تو آتی جاتی کیوں ہے

جھانچا تو نہ کر عبث فیضت ہوگی | آ تو یہ سنے گی تو قیامت ہوگی  
چالیس چھوڑ دے نہیں تو تاق | اک روز بڑی بڑی فیضت ہوگی

**انعام** - یعنی جناب مولانا انعام صاحب گنگوہ شریف ضلع ساران کے رہنے والے  
ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں۔ منشی  
فاضل کا امتحان پاس کیا ہے۔ عربی فارسی میں کافی دسترس ہے طرافت نہایت خوب

فرماتے ہیں اور اسمیں اکبر کے رنگ کا اتباع کرتے ہیں اور اس میں نہایت کامیاب ہیں  
 آپ کے چند شعر دستیاب ہوئے جن میں آپ نے سندھیوں کی مقروضیت کا خاکہ کھینچا ہے  
 ملاحظہ ہو۔

سندھئے شکار زہم سکہ در تار داشت  
 باد و دوش نالہ ہاسے زار در اخبار داشت  
 گفت مارا قرضہ بقال براس کار داشت  
 گفتش بر عین وصل این نالہ و قرضہ چیست

سیدھے اگر نہشت با مانیت جاے عقر من  
 مالک مہمان زہر بود از گدایاں عار داشت  
 بنگرید این تنگی حال سہلما نان سندھ  
 شہنشاہ خود دہن سا ہو کار داشت

حدیث از قرضہ  
 کہ قرض از کیسہ سندھی بزرگ پیسہ پیسہ را  
 چنان بردند خود از مالک ترکاں خوان میاں دا  
 ہمیں زید بہ رہن و قرضہ ہر لقال بنیاں را  
 سن اناں کہ قرضہ دہندہ دایم  
 فحال کیسہ سندھی بزرگ پیسہ پیسہ را  
 سمن دہندہ بزرگ پیسہ پیسہ را

خراب کھاتہ وہی تو ہوشیار اند  
 کہ از تقاول بنیاں چہ سوگوار اند  
 و گر نہ قارض و مقروض راتہ داناں  
 چو صبا درد یا زہند بہ ہیں  
 ج و مرآب و بد ہشد غماز

نور علی۔ محمد ادع الدین نام تھا۔ ایران میں علاقہ ایبورد میں بدھتہ ایک گاؤں  
 کے مقابل واقع ہے وہی اسکا مولد و مسکن تھا۔ اس علاقہ کو خادوان بھی کہتے ہیں  
 نہ متہ سبت سے اوایل حال میں خادوی تخلص رکھا تھا۔ پھر اپنے استاد کی فرمائش سے

یہ شخص بدل کر انوری تخلص اختیار کیا۔ مدرسہ مشہور یہ طوس میں علوم کی تکمیل کی اور  
 خصوصیت کے ساتھ علم ریاضی میں کمال حاصل کیا۔ اسکا پایہ تفصل و کمال اتنا بلند ہے  
 کہ تذکرہ تشکدہ آذر کے مصنف نے لکھا ہے کہ چار شخص ہیں جنکا جواب شعر اس کوئی پیدا  
 نہیں ہوا۔ انوری۔ فردوسی۔ طوسی۔ نظامی گنجوی۔ شیخ سعدی۔ انوری ابتدا میں نہایت  
 عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر تقدیر نے یاوری کی تو سب کے دربار میں رسائی ہوئی  
 عرصہ تک وہاں رہا۔ اور ۳۳۵ھ میں سلطان احمد پیر و زشاہ نے اسکو بلا لیا۔ اسکے بعد  
 مختلف درباروں میں رہا۔ اور آخر کار بلخ میں پہنچا۔ چونکہ اسکی طبیعت میں قدیم سے ہجو کی  
 کا مادہ تھا۔ اور اسی عادت کی وجہ سے اس نے ایک زمانہ کو اپنا دشمن بنالیا تھا۔ لہذا یہ  
 بلخ میں پہنچا تو وہاں بھی لوگوں کی آواز اس شہر کی ہجو کی لوگ اس سے نہایت برہم ہوئے۔  
 بلکہ اہل میں مشہور یہ ہے کہ یہ اسکے دشمنوں کی کارروائی تھی فتوحی ایک شاعر تھا جس نے  
 اسکے نام سے وہ ہجو لکھ کر مشہور کر دی تھی۔ مگر پھر بھی اسکا خمیازہ انوری ہی کو اٹھانا پڑا۔  
 اہل شہر اس قدر بگڑے۔ اسقدر برہم ہوئے کہ انوری کو تختہ کلاہ کیا، اور آواز دہنی اور ہا کرگی  
 کو چوں میں تشہیر کیا۔ بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ لوہیت پہنچی۔ سچ ہے بد اسچا بلخ نام بڑا۔  
 لیکن قاضی حمید الدین مصنف مقامات حمیدی کی سخی و کوشش سے ان کی جان بچ گئی۔ پھر تہ  
 انوری کچھ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے تمام لغویات اور شعر و شاعری سے پرہیز کر لیا۔ اور آخر کار  
 بلخ میں بقیام بلخ وفات پائی۔

انوری شعر و شاعری میں مشہورہ آفاق تھا۔ اسکے معاصرین میں کوئی اسکا مد مقابل  
 نہ تھا۔ خصوصیت سے ہجو گوئی میں اپنے اقربا و امثال میں سب سے زیادہ تھا۔ اسیویر سے  
 ہزالی۔ اور ظرافت کی طرف بھی اسکا میلان طبع تھا۔ اور اس میں بھی اُس نے وہ کمال حاصل  
 کیا تھا کہ سوزنی۔ اور سعدی وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ  
 اسکی ظرافت، ہزالی۔ اور ہزالی فحش گوئی تک پہنچتی ہے۔ مگر کمال ہر صورت اور ہر رنگ

میں ہے ۔ ملاحظہ کیجئے کسی طویل القامت آدمی کی شان میں فرماتے ہیں ۔

ای خواجہ درازیت رسیدہ است بجائے  
کراہل سادات بگوشت برسد موت  
گر عمر تو چوں قد تو بوشے ہر درازی  
تو زندہ ماندہ و عمرشے ملک الموت

نہ دے از ہر تاشا سوسے دشت  
چند زنی بیرون شدند از جہنم  
چوں بھو اساعتے مانند دیر  
چند فرودند در محسدا چراں  
نرخسہ بر بادہ خر رغبیت نمود  
بر مثال عاشقاں یاد لبریاں  
با عروسے یک گز و نیم آبتوس  
گادنی میکرد بر رسم خراں  
کہ فرومی برد گم بر می کشید  
تیر می انگند و میکرد عان عاں  
تاں زتاں یک دن آں گاؤں بید  
بر کشید آہے و گفت اسے شوہراں  
گر جماع اینست کایں خر میکند  
بر کس مای رہند این شوہراں

نہ عیم قرہ را ریشے است برگرد ہج ناں  
کہ گوئی عنکبتے بر کس گادے تنیدستے  
سے دارد گل دہر جا گوسے بر دو لایم  
مکس گوی بر اطراں کہے خشکایدستے  
درینا اگر بجای ناف ادر کس اں دریدستے  
پیشانیے نات چوں آید در ادل سر بریدش

در دور قمر گوہ نشین خون جگر خور  
یا مستحرمی کن دحلواے شکر خور  
ای برد و بیاسے بزد پوش  
کہ جگر خور دویہ مردی چہر آموخت

جے تخلص تھا عبد اللہ خاں نام تھا ۔ دلی کے قادی باشندہ تھے ۔ اور  
نایں پوری عمر گزار دی تھی نہایت ہی کٹھن مشق بزرگ تھے ۔ مگر خرابی اتنی تھی

کہ جاسکتے تھے دنیا بھر سے نیا مضمون لکھوں۔ اس میں ایسے لکھتے تھے کہ ایک مصرعہ کہنے کیلئے  
گھنڈوں پہروں منہک اور سر بیگمیان رہتے تھے۔ پھر بھی وہ مضمون قابو میں نہ آتا تھا  
اور کچھ کا کچھ کہہ جاتے تھے۔ جب شعر کہہ لیتے تو شہر کے بالکالوں کو جا کر سناتے۔ اس وقت کے لوگ  
مہذب تھے کیونکہ آجکل کے بدترینوں کی طرح یہ جرات نہ ہوتی تھی کہ مٹھ پر ایک لفظ بھی ایسا  
کہہ دیتے۔ جس سے توہین ہو جاتی۔ سنتے اور خوب داہ۔ بجان اللہ کا غل مچاتے نہ ہوجاتے۔ ذوق  
غالب وغیرہ سے پہلے کہنے والے تھے۔ اس واسطے ان لوگوں کو وہ اپنے سامنے کا پیچہ ہی سمجھتے تھے۔  
ادھر ان کا بھی یہ خیال تھا کہ اگر ایک کہنے مشق بڑا خوش رہا تو ہمارا کیا نقصان ہے۔ اسی لئے  
ان کی مشینت آبادی کی باتیں سنکر یا یہ لوگ چپ ہو جاتے اور یا برابر داد دیتے۔ مرزا غالب نے  
جب اردو کا دیوان تمام کر دیا تو ادج مرحوم نے یہ شعر کہا اور مرزا غالب کو سنا دیا۔

دیڑھ جزیرہ بھی تو ہے مطلع منقطع غالب  
گم زمانے کہا کہ واللہ کا فرہیں یہ لوگ جو آپ کو استناد دیتے ہیں۔ تم تو شعر کے خدا ہو۔  
ایسے ہی ایک مرتبہ کنوڑا حیات سنگھ نے حکیم مومن خاں کو ایک ہفتی انعام دی۔  
چونکہ مومن مرحوم بخوبی بھی تھے لہذا اسی کو خیال میں رکھتے ہوئے انہوں نے شعر کہا۔

جہنوں میں وہ مومن مکالمہ لیتا ہے  
دلی میں شیریں ایک بڑی نامی رنڈی تھی۔ خدا نے تو نیک جو دی تو گناہوں سے  
تائب ہو کر حج کو چلی۔ ادج کے استہزاک کے لئے ایک مسالہ ہاتھ آیا یہ شعر کہا۔  
بجائے شیریں اگر چھوڑ دی حج کو چلی  
ان کے کلام میں ظرافت کا پٹھانہ اسی سے پیدا ہو گیا ہے کہ جو کچھ یہ کہنا چاہتے ہیں  
وہ کہنا نہیں جاتا۔ چنانچہ خود کے شہر میں آپ یہی بات پائیں گے۔

ہر عیالیاں ہو دلی چین پر شکن کے اندر  
دلیا ہے ہتی گنگا مچھی ہون کے اندر  
دنیا کے منقلب کا اٹھا ہے کار خانہ  
ہر شمع داڑوں اس انجن کے اندر

میں وہ ہوں نخل پسے لیسیں دریائی      مری ہے کشتی گل نار حیل دریائی  
 مجھے اترتی ہے گرد آبا سہاں سے وحی      ہے راہ پر خضر حبیب میل دریائی  
 میں کالا پانی پڑانا پتا ہوں ہر شہزادہ      زمین کا گز ہے مرا کلک میل دریائی  
 بنا ہے کنگرہ خار میرا دشت حصار      مرا ہے آبلہ برج قصیل دریائی  
 جاتا ہے مرا اک تار لسنگر دم پر      مرے عمل میں ہے جز ثقیل دریائی  
 میں اپنے کوچ کی ہوں موج میں بہا جاتا      حباب دار ہوں کوس رحیل دریائی  
 ہماری موج تلاطم سے آشنائی ہے      یہ آب شور ہے دیتا زقیل دریائی  
 ہے اندر مرد کا دیدہ مردم آبی      نکال دیدہ تر سے سیل دریائی

دشت مجھے زنجیر نہانی ہی تھی اکثر      طفلی میں بھی مہسلی مری جاتی ہی تھی اکثر  
 جب تھا در گل کیسے غنچہ کی گرہ میں      بلبل پڑی گلچہرے اڑاتی ہی تھی اکثر

دم کا جو دم سے ماندھے خیال اپنا      بے پل ہوا اتریں یہ ہے کمال اپنا  
 طفلی ہی سے زنجیر نہانی سے الفت      سم میں گڑا ہوا ہے آہو کے مال اپنا  
 کسب شہادت اپنی ہے کو یاد قاتل      ساچے میں تیغ کے مر لیتے ہیں ڈال اپنا  
 ہے اب شور گر یہ اسید زلال اپنا      ہے اب شور گر یہ اسید زلال اپنا

جلد ہی - مولانا اودھ دی کرمانی کے علاوہ یہ ایک دوسرا ایرانی شاعر ہے جو

کے لحاظ سے اپنے زمانہ میں طاق تھا۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ اس سے  
 سے اشعار نظر لیا کہ جن میں اخلاق و نصائح بھی شامل ہیں پیش کرتا ہوں  
 غار نے مشدخ اب در فکرے      دید دنیا چو دختر بکرے

کردا دوسے سوال کا سے دفتر  
گفت دنیا کہ با تو گویم راست  
بکر چوئی با ہنمہ شو ہر  
کہ مرا ہر کہ مرد بود بخواست  
این بکارت ازاں بجاست مرا

پہرے باید رہی بزاری گفت  
گفت با یا زنا کن وزن نہ  
کہ مرا یار شو بہ ہمسرو جفت  
پند گیر از خلاق از من نہ  
در زنا گر بگیردت عسے  
زن بخواہی ترا نہ ناکند  
از من وادرت نہ گیری پسند  
آں رہا کن ملک آب و ہیمہ ناکند  
ریش با یا نگر کہ نیمہ ناکند

فرج گور است اندراں لحدے  
اکت شہوت تو کرد افتاد  
صحبت او عذاب ہر احدے  
زندہ زان بے کفن بگور افتاد

ایم آر بیگ - اودہ تیغ سابق کے ایک نامہ نگار ظریف تھے۔ جیسا کہ خود اس کا  
کلام تو دستیاب ہو گیا۔ لیکن دفسوس ہے کہ پورا حال نہ معلوم ہو سکا۔ مجبوراً ایک  
غزل ہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

آٹھنے لگے جہنا سے بخارات سودیشی  
کیوں آنکی حرارت سے نہ تخریر ہو پیدا  
لو ہونے لگی ہند میں برسات سودیشی  
تا چرخ چکلے لگے ذرات سودیشی  
ایجاد ہم ایسے کریں آلات سودیشی  
بنیوں کی دکا نوں پہوں غلات سودیشی  
دنیا کے پ کی نہ کمی ہو نہ امریکہ کے گہیوں

اُس طفل خشت بخت کی تھی شملیں نگاہ  
ایسی لگی تھی اینٹ کہ دل چڑھ رہا تھا  
دشمن لپٹ کے پھول گیا شل نان جو  
شاید شکم شریف ہمارا تو رہا تھا  
نازنگیوں سے بڑکے کچوں کی بہار تھی  
سینہ کسی کا باغچہ ناگپور تھا ۔

جگنو کی چمک جالی کی انگلیاں نہیں  
مرغِ دل سوزاں ہے تہ دام ہمارا

**برق** - اسم گرامی منشی جو الا پر شاہ تھا قصبہ محمدی ضلع سیٹاپور میں ۳۱ - اکتوبر ۱۸۶۲ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے وطن محمدی ہی میں پائی ۱۸۷۸ء میں ضلع کیری میں داخل ہوئے  
کادر جہ اول میں امتحان پاس کیا اور وظیفہ مقرر ہو گیا یہاں تک کہ ۱۸۸۷ء سے کننگ کا لکھنؤ میں تعلیم پا کر ۱۸۸۷ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۳ء میں وکالت کا امتحان پاس کر کے وکالت شروع کی - ۱۸۸۵ء میں بعدہ منصفی مامور ہوئے اور اس میں بہت کافی شہرت اور ناموری حاصل کی آخر ۲۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو بجا رخصتہ طاعون لکھنؤ میں جب کہ عمدہ بیج خفیہ پر متعین تھے انتقال کیا -

گو کہ آپ اسم با سبھی اور قدرتی نہایت ذہین اور ترقی یافتہ تھے مگر پھر بھی آپ نے لکھنؤ کی زبان حاصل کرتے میں کافی کتب بینی کی تھی - اور خصوصیت کے ساتھ یہاں کے بڑے بڑے زباندانوں کے ساتھ ملے جلتے رہے - منشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اور پرنٹر سابق پرنٹ تر بہار، ناٹک، پھر سہرا میو بیگ ستم ظریف - منشی احمد علی شوق وغیرہ حضرات آپ کے احباب - آپ لکھنؤ میں تشریف لائے اسی وقت سے اودہ - نامہ نگاری شروع - سلسلہ میں متعدد نظریات لکھیں - اکثر ان کے لفظ یافتہ تراجم - بی - کہے کہ باید و شاید - بگلہ سے چار یا پانچ بار



ترجمہ کیا کہ میرے خیال میں ہر ناول ان کے واسطے ایک شاہکار ہے۔ روہنی۔ پرتاب  
 بنگالی دہن۔ مار آستین۔ مرنا لنی۔ سب کے سب سید و محب سلیس اردو کے ناول وہی  
 جگہ ناولوں کے تراجم ہیں۔ میں نے ان سب کو از اول تا آخر پڑھا۔ ہر ایک لاجواب ہے۔  
 شتوئی بہار آپ کی شاعرانہ مشافی کی ایک ڈیر دست سند ہے۔ طریقہ رنگ نظم و نثر میں  
 آپ کو بید طولی حاصل تھا۔ ہم نثر کو بوجہ طوالت نظر انداز کر کے صرف بعض بعض نظموں پر  
 استفا کرتے ہیں۔ پہلے ایک نمونہ ملاحظہ کیجئے جو فارسی کے اس پرانے اور فرسودہ مصرع پر  
 لکھا گیا ہے اگر ماند شے ماند شب دیگر نمی ماند۔

کلاہ سرخ شریک دایا بر سر نمی ماند      ہمیشہ کوٹ و جاوٹ تیرین بر نمی ماند  
 زمانہ ہر یکے آئین اسے نیچر نمی ماند      عروس نہ حجاب اکودہ باشو ہر نمی ماند  
 اگر ماند شے ماند شب دیگر نمی ماند

براندی داتا در بول و ساغر نمی ماند      چنیں بید و چرٹ در دست دیگر نمی ماند  
 بیایا بولٹ اگر نرمی و فرہر سر نمی ماند      عروس نو حجاب اکودہ باشو ہر نمی ماند  
 اگر ماند شے ماند شب دیگر نمی ماند

چنیں اسب و سر پیدان تا کجا تازی      ہمیشہ گیند و کرکٹ ہر طفلان تا کجا بازی  
 مزید در بدن تلک چنیں پتلون بگوسازی      عروس نو حجاب اکودہ باشو ہر نمی ماند  
 اگر ماند شے ماند شب دیگر نمی ماند

براندی تاجک از ماگو اسے بخوری نوشی      لباس جاوٹ و پتلون بے کھٹک چنیں نوشی  
 براج کروں اس رسم لندن تا کجا کوشی      عروس نو حجاب اکودہ باشو ہر نمی ماند  
 اگر ماند شے ماند شب دیگر نمی ماند

کئی گزراہ عالم راہ سیچ زبوں تاکے      ہر سر زمین نودن اینچیں خط جڑوں تاکے  
 ن بول استادہ بشل سگ کون تاکے      عروس نو حجاب اکودہ باشو ہر نمی ماند

اگر ماندشے ماند شمشیر دیگر نمی ماند

خوری تا چند مرغ سر سیدہ را بدین غمت حوائی رانائی از دلیل خویش چو صلت  
خرومی نالہ راے غنچہ عین عقل بریں بہت عروس تو حجاب آلودہ باشو ہر تہی ماند

اگر ماندشے ماند شمشیر دیگر نمی ماند

بہاے سنگ سودے لیدی را بدین سیرین بوقت گیند کرکٹ سید پرک بیتاب کرویدین  
چو زان دم دیش از تو چو ریحیل را دیدین عروس تو حجاب آلودہ باشو ہر تہی ماند

اگر ماندشے ماند شمشیر دیگر نمی ماند

تو گوئی ذکر زہر کہ بہت کس خالق بر جویں کہو عرو چوں بجا بکے تہی سادہ خوش عرویں  
جس زہر دہا و را و تو یہ کن ازیں کنوں عروس تو حجاب آلودہ باشو ہر تہی ماند

اگر ماندشے ماند شمشیر دیگر نمی ماند

نظر پر ایک پیر پھر زانی سچ و بی سچ نئی ادا کا جو عمر دیکھو تو سو برس کی یہ قدر ذات غصہ بھلا کا  
سفید داڑھی پہ کلا جوتہ اور سپرودہ سرخ ٹوپی بد تہہ جاکٹ گلے میں پٹی سی عالم اسپرے اک بلا کا  
ہیں باتیں اسکی وہ مہر افوں کہ سن میں جیسے ہونڈا غصہ کے فقرے تم کے جیلے اور اسپرے طرزیں بلا کا  
بہت دنوں تک کے کرشمے طرح طرح کے دکھائے خدا کے بندوں کے دین و دنیا کو خوب دنا غصہ خدا کا  
ایک مرتبہ دکن کے قلعہ پر ایک رشتہ عجیب طرح کا لکھا تھا جس کے دو تین بندہ لکھتا ہوں۔

ملک دکن پہ قلعہ کی یار و چڑھائی ہے چاروں طرف سے فوج تیرہ کارائی ہو  
محتاج خاندان میں بھی خدا کی دہائی ہے کالی گھٹاسی بھوک ہر گھٹت چھائی ہو

بھرتی امید دار ہوں خواہش ہے کام کی

ایسے سبیل رکھی ہے کنگلوں کے نام کی

آئی گھٹاسی چارو آئی گھٹاسی  
پور بھئے یارہ سوار آتی تھی ہر طرف سے صد ایس بیابار

چروں پہ پھیریاں تھیں وہ بالیں اڑی ہوئی

سمت جنوب سب کی تھیں بالیں مڑی ہوئی

اکل درکھپائی کہ اللہ کی پسناہ اوپتے دہ انگر کے کہ بھی دواہ دلاہ

میر سے آشکار کہ پیو نہ پہ نگاہ اسے نہ کچھ خیال بھی کہ خلق ہوتا ہا

بگڑے ہروں کو اور بگاڑیں یہ زور تھا

مارا بدہ بدہ کا ہر اک سمت بشور تھا

بحر طویل کہنے پر اسے ہیں تو انشا اور مصحفی کو مات کر دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے

دوش رقم سوے بازار۔ کسے یا فتم عیار۔ نہ ہر قید سبکیار۔ نہ تزدیر گہ قنار۔ نہ خود رفتہ دوسر شزار۔

سبک فیز چور ہوار۔ تنش چوں تن ز نور۔ سیہ خال رخ حور۔ مثال شب دیو۔ نہ ہر کوٹ چٹلون۔

بدن مشمتہ ز صابون۔ زش زرد۔ دلش سرد۔ تن دجان ہمہ گرد۔ نہ ادھاب ایمان۔

دلے بندہ شیطان۔ نہ ہند نہ مسلمان۔ نہ از قوم نصاریٰ۔ دود ہر سمت بصد شوق

گئے تحت گئے فوق۔ گئے استباد و شائید۔ گئے جست و مرا سید۔ گئے ٹھوکر و سیٹی گہ چاؤ گئے کافی

دشمن و برانڈی۔ گئے ہیر و کلارٹ۔ گئے پاکٹ گئے جاکٹ۔ گئے شیرے گئے رم۔ گئے گی گئے ٹم

ہیں فکر ہر دم۔ کشتہ حرص و ہوارا۔ گفتم اسے ہمسر فرعون۔ چرامی شدی مطعون۔ گئے نیست

چو یارت۔ چو بود آخر کالات۔ امیں وضع کدام است کہ داری۔ چوں شد ز خود عاری۔

شیشہ تنگ شکستی۔ در دانش بچہ بستی۔ تونی دیوانہ مدہوش۔ رہ عقل فراموش

بشر علم و ادب دور۔ برے مگر ہی مختور۔ بگو نام و نشانت۔ شوم آگاہ بجات۔

مکن دیر خدارا۔ گفتم عددے ناموس۔ بردوام بگرٹوس۔ تم آدمی ہے کالا۔ یوس

کالتالا۔ من صاحب لوگیم۔ فدائی بسریم۔ صاحب پیلپی نام۔ بجاں شہرہ عام۔

نرموزم توچہ دانی۔ کہ نا قابل آئی۔ بزخم ٹھوکر و پھیر۔ ایٹو گدا میر شکم زدے شمارا

گفتم اسے صاحب اوصاف۔ وزن ہمیدہ بین لاف۔ بریں رودے سیہ خویش

ہند آئینہ در پیش - مشو طائر نقال یزن مفت پر دبال - بخور سبکٹ دہم کیک - یمن ترک  
 رہ نیک - بشو پیر د حنات - درست از ترخرفات بہ میں صدق و صفا را -

بزمی - مرزا محمد اشرف صاحب بی - اسے خلف جناب محمود اشرف گورہ گانی کا  
 تخلص ہے - آپ نہایت قابل اور نیک مزاج ہیں مرزا ارشد دہلوی گورہ گانی کے  
 شاگرد ہیں بے حشو و بلا کے ذہین ہیں - آپ کی ظرافت شعر میں اس درجہ تک  
 ہوتی ہے - جسے انبساطی شاعری کا انتہائی رنگ کہہ سکتے ہیں - صرف ہزلی اور محض ظرافت  
 کہیں نہیں ہے - بلکہ اس رنگ انبساطی میں یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ کہیں تغزل سے  
 علحدہ نہ ہو جائے چنانچہ چند اشعار درج کئے جاتے ہیں - مگر یہ کلام ابتدائی ہے -  
 اس وقت کا کلام موجود نہیں -

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ	سے اچھی کب تھی توبہ
کعبہ گر جا اور جتنا	گھر گھر جھانکی میری توبہ
واعظ کر لو گرمی گرمی	سادن آیا ٹوٹی توبہ
آخر زار کی بیٹی تھی	رندوں میں کیا نکلتی توبہ
میری صورت دیکھی آئی	سیرت دیکھی بھاگی توبہ
مولوی صاحب کیوں نہ کرتے	اون کی روٹی تھی بی توبہ
میں اور	توبہ توبہ کیسی توبہ
کر دیا	

لہجہ : - - - - -

دہلی : - - - - -

دہلی : - - - - -

بہسمل۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ان کا نام گدا علی لکھا ہے اور ایک دیکھنا  
نقل کر کے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے زیادہ بلند شعر اس کے اور نہیں دیکھے گئے۔ میر تقی نے لکھا ہے  
کہ بہسمل تخلص ایک شخص کا شہرہ پہلے سنا تھا اس وقت تک میں نے یہ تذکرہ نہیں لکھا تھا۔ اب  
خدا معلوم کہاں گیا۔ بہر صورت میر حسن نے جو شعر لکھے ہیں ان میں سے دو ایک شعر منتخب کر کے  
لکھتا ہوں۔ میرا قیاس ہے کہ میر حسن نے جس کے ان شعروں کو بلند لکھا ہے اس کے وہ بہت شعر  
جس کا انھوں نے ذکر نہیں کیا خدا معلوم کیسے ہوں گے۔ کاش ہوتے تو لکھتا۔

جب کہ دیکھ کی فوج چلتی ہے	زلزلے سے زمیں دہلتی ہے
دیکھ لو تم بھی کر کے سرخ	مر کے سینے میں دیونوں کا درخ
ڈرے کے دام میں نہیں خوشید	دیکوں نے اسے کیا ہے چھید
ڈرے دیک سے وہ جو پہنچتا	یاں تو اب کسکے خصبو پیر ہے بال
لنگے زیر و لنگے بالا	لے غم درد و غم کا لا

بہسمل۔ ایک رسالہ میں آپ کی ایک غزل نظر سے گزری تھی۔ نام و مقام بھی  
لکھا تھا مگر حافظہ نے صرف تین چار شعریاں درکھنے پر اتفا کی نام دام سب بھول کیا  
شعریہ ہیں۔

جھپٹو اگر علاج میخو اہی	طلب وصل ہمت رانی کن
در شب و وصل می پڑد جلا	یک لحاف است اینچا تانی کن
بنیں کم شیر سید بہسمل	از کھلی دہولہ سانی کن

بہسمل۔ تخلص ہے مولوی فتح الدین صاحب مرحوم کا۔ آپ پنجابی اخبار  
نورسید میں ایک ایٹتہی درجہ رکھتے تھے۔ اور نہایت ذکی و ذہین تھے۔ عرصہ تک

پنجاب میں لکھتے رہے۔ اور برابر ظرافت کے نظم و شعر مضامین لکھتے رہے۔  
ظرافت میں جو کمال حاصل تھا اسلئے میں بے غرضتہ اپنا انتقال کیا۔ کلام  
متلف ہو گیا صرف ایک طریقہ نہ سیاسی نظم بلکہ جو درج کیجاتی ہے۔ غالباً سابق  
جنگ افغانستان کے وقت لکھی ہے۔

کابل بر سر پیکار ہیں لڑاؤ سنو	اُن کے اب موت کے آثار ہیں لڑاؤ سنو
جن کے صدقے سے پلے اوپر سے لگتے بڑے	اُن سے بھی لڑنے کو تیار ہیں لڑاؤ سنو
شاہ عقیدانہ تو اور ک نہ مصالح موجود	سو نہ کی گاتھ چھٹا رہی لڑاؤ سنو
دو قدم کو نہیں چل سکتے مگر اسپر بھی	جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لڑاؤ سنو
ہم فرسہ مولوی تھے آج طفیل سرکار	بغ میں صاحب اخبار ہیں لڑاؤ سنو
جیب میں نہ لے کرے رہتے ہیں جس کے ہاتھ	آج ہم غیرت اتار رہے ہیں لڑاؤ سنو

بقا۔ شیخ بقا، امڈ خاں نام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ حافظ لطف اللہ خاں  
خوشنویس کے بیٹے تھے میر۔ اور سودا کے معاصر تھے۔ گردونوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ارد  
میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فخر المکین کے شاگرد تھے۔ مولوی عبدالغفور نسرخ  
مرحوم نے اپنے تذکرہ سخن شعرا میں انھیں غلطی سے میر درد کا شاگرد لکھا ہے۔ یہ صحیح  
نہیں ہے۔ پہلے ان کا بقا تخلص تھا بلکہ غلگین لکھتے تھے پھر نہ معلوم یکا یک کیا جی میں  
آئی کہ اس تخلص کو چھوڑ کر بقا بن گئے۔ آخر میں ترک وطن کر کے لکھنؤ آ گئے تھے۔ یہیں  
میر اور سودا سے معرکے ہوتے تھے۔ اسی بنا پر انھیں بھوکھنے کی ضرورت پڑتی تھی  
چونکہ خوشنویس ہر ایک سے جمع تھے۔ اس لئے انھیں ظرافت کا رنگ پیدا کر کے نئی روح  
بھونک رہے تھے۔ بہت مزید بھوکھوں کے دو چار شعر لکھتا ہوں۔

اکبر آباد میں میر نے یہ شعر لکھا۔

دے دن گئے کہ آنکھیں ندیاں سی بہتیاں تھیں سو کھا پڑا ہے اب تو بدت سے یہ دو آبا  
 بقائے بھی یہ شعر ناکمان پیدا ہوا کہ میر صاحب نے مرتہ کیا اور میر سے ان  
 دونوں شعروں سے یہ دو آبا کا مضمون اڑا لیا۔  
 ان آنکھوں کا ٹکڑیہ دستور ہے دو آبا جہاں میں یہ مشہور ہے

سیلاب سے آنکھوں کے رہتے ہیں خرابی میں ٹکڑے جو مرے دل کے بستے ہیں دو آبا میں  
 میں پھر کیا تھا بگڑ گئے اور ایسے بگڑے کہ یہ قطعہ لکھ ڈالا۔

میر نے گزرا مضمون دو آبا کا لیا اسے بقا تو بھی دعائے جو دعائی ہو  
 ایند امیر کی آنکھوں کو دو آبا کرے اور میں کا یہ عالم ہو کہ تریبہ ہو  
 اس کے بعد غالباً میر صاحب سے اور ان سے چل گئی ایک اور قطعہ کیا۔

میر صاحب پھر اس سے کیا بہتر اس میں ہو دے جو نام شاعر کا  
 لکے دیواں پھارتے پھرے ہر گلی کو بچے کام شاعر کا  
 ایک جگہ میر اور مرزا دونوں کو لے ڈالا ہے فرماتے ہیں

میر و مرزا کی شعر خوانی نے بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی  
 کھولی دیر ان دونوں صاحب کے اسے بقا جبکہ ہم نے زیارت کی  
 کچھ نہ پایا سوا اسے اسکے سخن ایک تو کہے ہے ایک ہی ہی

تھے ہم استادہ ترے در پہ والے بیٹھ گئے تو نے چاہا تنکا ڈالے نہ ٹلے بیٹھ گئے  
 آئینہ دیکھو جو کہتا ہے کہ المذہب میں اسکا میں دیکھنے والا ہوں بشادہ سے میں  
 ان اشعار کے سوا اسے اور طریقہ شعر دستیاب نہ ہو سکے۔

**مہکائی** - اودھ بیچ سابق کے کوئی نامہ نگار ہیں - ۶ اپریل ۱۹۷۷ء کے اودھ بیچ میں آپ کا یہ نوہ - اس مختصر ویسا چہ کے ساتھ درج ہوا تھا -  
 نوہ رقت و خجالت افزا حسن اتفاق سے نوحوں - سوزوں - مریضوں کی فصل - رونے لانے کی بہار ہے چنانچہ بالفضل اپنی حسرتوں آندوؤں کے قتل و کشتہ ہونے بلکہ مرے دل سے پوچھیے تو شہادت پر ایک توہ حسب حال عرض کیا کہ کیا عجب لوکل سلف گورنمنٹ اور اس محرم کے اجتماع میں یہ توہ چند دستاویز کے بہت سے دلوں میں رقت پیدا کرے -

چنگی کا میں حاکم تھا بے الطاف الہی - ہی چڑھی ہی  
 افسوس عجیب طرح کی آئی یہ نصبت - ذات ہوئی ذلت  
 کرتا نہیں داروغہ صفائی مری عزت - کیا ہر بغاوت  
 باری سے ہوا نام مرا بورڈ سے خارج - ابیدیا چارج  
 یہ رنج کیا ضبط تو پ آگئی ٹھیکو - میرے مجتو  
 اک بھائی کے دل پر تھے لگے تیرے چلنے لگانا ساڈھلنے  
 کبخت مجھے حل ذرا اس نہ آیا - غیرت کو گھٹایا  
 مینے تو بہت جا ہڑ مہری قائم - ہو بلکہ وہ دائم  
 میٹنگ میں تو سب اٹ محافل ملے کے غیرت کے سکھائے  
 سب ایک ہیں اور اکید لا مجھے کھا - فریاد خدایا  
 دقت آیا جو اسکا کہ کریں میری اعانت باقی ہے عزت  
 بچا مفرود ہمیشہ ہی ہوا ہی - آخر کدھ کھکا ہے

کرتا تھا میں میٹوں کی بڑی پشت پناہی - ہی چڑھی ہی  
 چنگی کی حکومت لگی اپنی پناہی - ہی چڑھی ہی  
 مہری پر حکومت ہر تہائی پر الہی - ہی چڑھی ہی  
 یہ کار ہی بیکار لگی منہ کو سیاہی - ہی چڑھی ہی  
 خون تھوکا جو بھلائی تے تو جیت لائی ہمہ ہی  
 جیب بورڈ میں بیٹھی ہوئی میری منہ ہی چڑھی ہی  
 کالا ہوا منہ بڑھ گئی قسمت کی سیاہی ہی چڑھی ہی  
 قسمت ہی بڑی تھی کہ نہ لے نہیں چاہی ہی چڑھی ہی  
 دیکھا جو چپکے سے ہوا گھر کہ میں ہی چڑھی ہی  
 رو رو کے میں دبتا رہا گتیری دہائی ہی چڑھی ہی  
 منہ پھر لیا باروں نے اوقت نہ تیا ہی - ہی چڑھی ہی  
 لادو لکی میں نے تو لگی منہ میرا ہی چڑھی ہی

**ملیغ** - محمد ثناء الحسن نام ہے - مین پو - ی کے رہنے والے ہیں - زمانہ حال کے ایک



خوش فکر ظریف شاعر ہیں۔ اردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں۔ مجھے  
اردو کا کلام نیرسل سکا فارسی کے کچھ شعور رنگ ظرافت میں ملے جو ہنوز کلام میں درج  
کرنا ہوں۔

ہزاراں محرت نافر جام برائیں بہت عالی کہ من مرغوب خود را در آغوش دگر دارم  
چو دستم شد حاصل گفت آن نازک مزاج من بترس از من کہ یک خوشخوار خجدر کمر دارم  
خوشا روزے کہ آن پر خور آید در کنار من بسا خربوزہ د تر بو دارم نیشکر دارم  
بلین بلین بلین بلاغت صرت کن اینجا کہ ہر اہل بلین گوید کہ من سویت نظر دارم

**بیلیلیہ**۔ یہ مافوق العادت واقعات و انفطرت تخلص پنڈت رام نرائین صاحب شرم  
کا ہے آپ فرخ آباد کے رہنے والے اور زمانہ حال کے طریقوں میں ہیں۔ علمی قابلیت  
کی بابت اتنا ہی معلوم ہے کہ اردو لکھ پڑھ بھی نہیں سکتے۔ ہندی خط میں غزل  
لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ بعض بعض شعرا چھپے کہتے ہیں بد قسمتی سے مجھے صرت ایک ہی غزل  
مل سکی جو انتخاب کر کے درج کرتا ہوں۔

یار کے گھر دعوت شیراز کی تدبیر ہے دیگ میں دکھا تو لیں کھگہری لنگیر ہے  
و اسے قسمت میرے نسخہ میں تم ابھر ہے چارہ گرا تنانہ سمجھا عشق کی تجر ہے  
عقد زندانیں عین محبت ہو لے واعظ بچے دخت رز ہے نور چشمی یا تری ہمیشہ ہے  
ہوازل سے ہی یہ دیوانوں کے رہنے کا مقام نجد کیا ہے تیرے باپ کی جاگیر ہے  
ایک مکتب میں پڑھو اور ایک ہی استاد ہے بسا ہی رشتہ سے لیلیٰ قیس کی ہمیشہ ہے  
اے بیلیلیہ میں اپنے فن کیوں نازاں ہوں مضمحل انگیز شہرت میری عالمگیر ہے

پندرہم۔ عجیب و غریب تخلص ہے کسی نامہ نگار اودھ پنچ سابق کا جس کے

لفظ لفظ سے شوخی بٹکی پڑتی ہے۔ ایک نظم جو ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔ وہ لکھکر حضرت بندر یہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ چند شعر حضرت سعدی کے تتبع میں لکھے ہیں۔ گویا ہر طرح یہ قرار دیا گیا ہے۔ ہچمناں از طولیہ خربہ۔

دست خالی ز کسبہ پر زربہ	بدنمانی بجال خوشتر بہ
از ہمہ اذلال یور و پین	پایہ ہندیال فراتر بہ
من بہ کعبہ روم ز ترکستان	از رہ مستقیم چکر بہ
اپنے ہم بکار می آید	خر عیسیٰ بحال خود خربہ
وضع خوشش اختیار باید کرد	ریش کوتاہ را کلاں سر بہ
مانہ گردن کنند پیالیش	خاکساری شمارا احقر بہ
بمیل خواب را نمودے نیست	نویود خواہ کہ نہ چھپر بہ
قند زنگی ز نمیشکر آید	چون شکر میدہر چقند بہ
مفلسانیم در بساط حیات	اسب اگر نیست مہرہ خربہ
خرس رودی و شیر جاپانی	جان بل چون غزال اصفہ بہ
ایشیا فتح کرد یورپ را	ایں جنیں ذکر عیش اکثر بہ
چیت مردی زمانہ انگریزی	تینہادر نیام غنچسر بہ
چوں یکے اہل فارس شعر شنید	ہنکے گفتا کہ اور خوشتر بہ

بواسحاق اطعمہ ایک نہایت مشہور و معروف ہنرال اور ظریف تھے جنکی

نسبت معلوم ہوا ہے کہ عہد محمد شاہی کے اوائل میں دہلی میں تھے۔ اور اس زمانہ کے دستور کے موافق ایک بہت بڑا مکتب قائم کر رکھا تھا۔ جس میں اس وقت کے بڑے بڑے شرفا کے بچے تعلیم پاتے تھے۔ چنانچہ میر جعفر ٹل بھی انھیں کے ایک شاگرد تھا۔

شاگرد ہیں۔ میر صاحب اور ابو اسحاق کے متعلق چند لطائف بھی مشہور ہیں جو بحسنہ درج کرتا ہوں۔

ابو اسحاق چونکہ خود بدرجہ اتم شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ اس لئے جب شاگرد کا رجحان اس طرف دیکھتے تو بہت خوش ہو ا کرتے تھے۔ ایک دن اپنے شاگردوں کو کچھ شعر سنائے۔ میر جعفر زحل نے غور سے ان اشعار کو سنا اور جی چاہا کہ خود بھی کچھ کہیں۔ مگر ابتدائی رکاوٹیں اس شوق کے پورا ہونے میں مانع آئیں خاموش ہو کر بیٹھ رہے پھر کچھ جوش پیدا ہوا تو کچھ شعر کہے استاد نے دیکھا کہ ان سے تو اور لذت ہوتی ہے میر صاحب کو بہت ڈانٹا۔ چونکہ شعر قابل اندراج نہیں ہیں اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ ابو اسحاق کی بیوی کو شامت اعمال سے بخارا آگیا۔ مولوی کا در پچوں پر ختم ہو کر تھپے۔ یہ جناب اس عالم پریشانی سے بہت ہی چڑچڑے ہو رہے تھے شاگردوں کو بات بات پر مارنا شروع کیا لڑکوں میں صلاح ہوئی اور جعفر زحل سے کہا کہ آج مولوی صاحب کی نشان میں کچھ لکھو۔ جعفر کو یہ فرمائش پوری کرنا پڑی اور بھوت بڈا انا مہرہ ایتنا کٹا کٹی کلیات میں ہے لکھڑالا جس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

در د پڑھ ناد علی راکش ویتال کو یاد  
در د پڑھ ناد علی بھیرل لکھ پال کو یاد

در د پڑھ ناد علی بے خرد تال کو یاد

ہو بید سے باہر تو اسے چھوڑ کے چل جا

کرا دے کسو آدم و حیوان یہ عمل جا

بسم اللہ۔ واحد کی پرست سے نکل جا

یا شیشہ میں ہو بند دیا آگ میں چل جا

چونکہ ابو اسحاق اکثر اپنی فراغت میں صرت مزے دار طرح طرح کے کھانوں کا

زیادہ ذکر کیا کرتے تھے اس واسطے ان کے نام کے ساتھ اطعمہ بھی شامل ہو گیا تھا  
ان کا کلام بہت تھا مگر اب کیا بچہ ہے۔

من آن نیم کہ ز حلاوتناں بگردانم	کہ ترک صحبت شیریں نہ کاغذ دست
کسے بچو ہر یکدانہ بخود نہ رسد	کہ قفل حقہ کیسا باچہ نکشاد است
دگر گوے کہ نان نو عروس فرہادت	کہ ایں غجزہ عروس ہزار واداد است
نوشہ است روغن پھرہ حبشی	کہ ایں سیاہ زباں نغفہ ازاد است
چو می بری اسے کاسہ لیس بر سحاق	برنج زر و عمل روزی خدا داد است

پیشیم در حرا ہاں گر آری سخن بچہ را	ہوے نیکوش بخشم سمرقند و بخارا را
کیا بآہوے فریاد گواہی غنیمتوں	کنار آب رکتا باد و گلگشت صلا را
ہو بریاں خون و نہ فریاد	چناں بر زہر وادول کہ ترکان انشا را
شکستہ عفران و خسار خالودہ	بزرگے بوجہ خالق خطہ حاجت نیازا
یا وصف خوشہ انگور شفا کے	کہ بر نظم تواشنہ فلک عقد شیرا را

مردم ز ذکر قلمیہ حنائی	پسندہ بر رقم فی کل حال
رخیزم از بہر ہر سیہ	ومن طلب العلی ہر مہم الیال
رہشتہ آں خورشید شلغم	سکان الشمس فی جوف الیال
میدرم مرغ مستم	فما ادری میدنا عن شمال

یوں ایک بیا قر قلمی میں بوبک بڑھانوی کے نام سے چند شعر گزرے۔ اور ہم

کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ میں اپنے قیاس کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ شاید بوڑھانہ

ضلع مظفرنگر کے رہنے والے ہوں گے۔ ان کے جہد و شہر میں بڑھاپے کی خدمت میں ہیں  
 یاد بوی کی شکایت ہے جو سننے والے کو ہنساتی بھی ہے اور دلاتی بھی ہے۔ اغلب کہ ایک  
 نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں شادی کی ہے اور اس کا شیارہ اکٹھا ناپڑا ہے۔ ظلم و  
 ہستم سے چیخ اٹھے ہیں۔ وہی شور وہی ہاسے داو بلائے پیدا کر کے موزوں بنی ہے اور شاعری  
 بنکر رہ گئی ہے۔ اگر یہی بات ہے تو ایک تخلص بہت ہی موزوں ہے۔ کریماکے بعض  
 بعض مصرعوں پر مصرع لگائے ہیں بعض کو تضمین کیا ہے۔ ان کے اکثر اشعار متانت  
 اور بنجیدگی سے دور ہیں۔ اسی لئے ان کو نظر انداز کر کے ہم چند نظریات شعر نقل کرتے ہیں۔  
 جب دانت گرے اور بڑھی بالوں پھینکا شوہر کی جگہ گنتی ہر جور و جحے گیدی

ہوئی پیری کے ہاتھوں بہت پست گرتے پڑتے ہیں جیسے کوئی مست  
 کبھی نہ کہ کبھی زکام اور دست فوسے بد در طبیعت کہ نشست  
 نرد و جز بوقت مرگ از دست

بڑھاپے میں کیوں بیاہ ہم نے کیا کہ یہ بے بخشاے بہ حال ما  
 کہا کہ یہ جو رو سے اسے بالہوس ندریم غیر از تو فریاد رس  
 یہ کہتی ہے جو وہ ہمیں بڑا کہ ہستی اسیر کشید ہوا  
 وہ بولی جو ہم نے اشار کیا نگہدار مارا ز راہ خطا  
 میں کستا ہوں اس سے کیلے چشا خطا و گزارد و صوابم نہ پلا

لڑیں وہ عروسی کی شب رات بھر کبھی مارے گھوسے کبھی بٹکا سر  
 بنایا بھی مجھ کو اپنا پدر تو میں نے کہا اس سے تنگ آن کر  
 تکبر مکن زینہا را سے پسر کہ روزے ز دستش در آئی بسر

بوم - شیر محمد خاں نام ہے۔ ہاپڑ ضلع میرٹھ کی تحصیل میں چیرا سی ہیں۔ تین کلام میں فوق تخلص کرتے ہیں اور ظرافت میں بوم۔ چودہ پندرہ برس پہلے میں بھی ان سے ملا تھا اسوقت کچھ زیادہ مشہور و معروف نہ تھے۔ مگر اس زمانہ میں ظرافت کی بدولت اچھا خاصہ نام پیدا کر لیا۔ اکثر ان کی ظرافت فواہشات کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ خود بھی اسی قسم کے آدمی ہیں اس لئے زیادہ تر کلام کی بنا بھی اسی طرح کے انداز کلام پر رکھتے ہیں۔ اب مناسب ہے کہ میخواری اور عیاشی میں پھنس کر کچھ غبن و غیسر کیا اور اس کی بدولت زندانِ فرنگ کی ہوا کھا رہے ہیں۔ ان کے شعر جو ظرافت کی حد میں ہوتے ہیں نہایت دلچسپ اور قابل انتخاب ہوتے ہیں۔ مگر افسوس کہ میرے پاس ان کا کلام نہ پہنچ سکا۔ اگرچہ تلاش میں میں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا مگر کچھ طرح کا مایوسی نہ ہو سکی۔ اس زمانہ میں جب تذکرہ لکھ رہا ہوں ہاپڑ کے کئی اصحاب کو لکھا مگر جواب نفی میں آیا۔ چند شعر مل سکے وہی درج کرتا ہوں۔ اسوقت ان کی عمر تقریباً چالیس برس کی ہوگی۔

جس زمانہ میں مہاتما گاندھی مکدر پرچار کر رہے تھے۔ اُس وقت گاڑے کی قیمت اچھے اچھے کپڑوں سے بھی بڑھ گئی تھی۔ اور جولاہوں نے ہر ایک کپڑے سے زیادہ نرخ بڑھا دیا تھا اُسی سے متاثر ہو کر قوم نے یہ نظم اور اسی قسم کے اور بہت سے شعر لکھے تھے چند اشعار جو ہکمل سکے لکھے جاتے ہیں۔

پہلے سے نہیں مغلس محتاج جلا ہے	اب بھرنے لگے کوٹھیوں میں ناچ جولا ہے
لیڈر تو گئے قید میں کراچی کی خاطر	بیٹھے ہیں دباے ہوئے سودا جولا ہے

جب کہ دنیا میں خلافت کی دہائی ہو گئی	اچھی خاصی ان جولاہوں کی کسائی ہو گئی
ہو تر تکی کا	چودہ آنے سیر گاڑے کی کسائی ہو گئی

کیا کہوں شوق ہوں نے جھکا لہذا کر دیا      کیا خبر ہے بخودی میں نے کیا کیا کر دیا  
کیا ذرا سی بات تھی جب کا نسا نہ کر دیا      میں نے اک بوسہ لیا اور تم نے غوی کر دیا  
خود ہوسے ہر نام اور جھکو بھی رو کر دیا

کہہ دیا دامن پہ کر صاف نہ اُسے آج      کس لئے رکھا ہو سر پر یہ مسیحائی کا تاج  
پوچھنے کے واسطے اُسے نہ تم میرا فرج      ہو نہیں سکتا جو تھے درِ ذہن کا علاج  
نکو کس آؤ کے پٹھے نے مسجھ کر دیا

رہ گیا تھا میں ہی کیا پٹھے پٹانے کیلئے      کوئی بھی آیا نہیں میرے بچانے کیلئے  
اور تو ایمان تھا سب گھر میں کھانے کیلئے      مرنے ترکاری نہ لایا تھا پکانے کیلئے  
مارے گھونسل کے مری ہوئی نے بھرتا کر دیا

ٹہرنے دیتا نہیں کیا اُسے دورانِ سر      یہ کہیں اس شاخ پڑھا کبھی اس شاخ پر  
دیکھ لو خالی نہیں جاتا تخلص کا اثر      بوم کو کچھ بھی نہیں اپنے سرو پا کی خبر  
شاعری نے اب اُسے اڑکا پٹھا کر دیا

نمل رنڈی سے تو یہ قوم ہے بد      ہوا ہے تجربہ یہ مجھ کو بچہ  
اگر جوتے اُسے گار دکا گارد      زمین شور سنبل بر نیارد  
در و تخم عمل ضایع مگرداں

بہشتی ایک شاعر کا مجہول الاسم کا تخلص ہے۔ صرف کلامِ نل سکا درج کرتا ہوں۔

دل مرا مجھ سے چھین کر بھاگا      ہمت تری دم میں موت کا دھاگا

جب تاج دیکھنا ہوا منظور یا رکو  
فرار مجھے مداری کا بکرا بنا دیا

خطاؤں پر مرے اکثر عطا کرتی ہی جاتی ہے  
مری بیوی برابر ماسا کرتی ہی جاتی ہے

دنیا بدل گئی ہے کھلاڑن بناؤں گا  
اب اپنی بیوی کو میں تنبول بناؤں گا

کھاتے کھاتے رات دن کبھی عادت ہو گئی  
کوئی دیکھاری نہیں بھاتی ہی بیگن کے سوا  
والدہ نے یہ شرافت کی مری تدبیر کی  
سید دل کے پاس رہ کر کھجکھجکھ سید کر لیا

پوچھتے ہیں نام بہنٹ متے لوگ  
کہہ بھی دو اٹو کا بچا نام ہے

دی ایک چکٹ ایسی گالوں سے لہو نکلا  
وہ بھوتنی والا تو میرا بھی گرو نکلا

اپنی ٹپنی پہ نام لکھتا ہوں  
کھوڑی کا فقط بچا نام ہے  
جس میں تھے ہم عدم میں لے بہنٹ  
اک بڑا وہ بھی کار خانہ ہے

وہ مری قطع دیکھ کر بولے  
یہ تو مسجد کا کوئی ملا ہے

جام جم میں نے بارہا دیکھا  
کھوڑی سے مری نہیں ملتا



چوٹیں کرتا ہوں خوب لوگوں پر پھر بھی جو تا کبھی نہیں ملتا

نہ کوئی ڈاکو نہیں اور نہ کوئی چور نہیں حرام خمر نہیں ہوں حلال خمر ہوں میں

کان اکثر کھڑے ہی رکھتا ہوں جب سے دنیائے گوشمالی کی

یری بیوی بچہ کش ہے اور میں اس پر کش میں مہینہ میں نکالوں اور وہ نو ماہ میں

**بیٹھ صاحب** - ایشار علی نام ہے بڑا یوں کے رہنے والے ہیں مشفق قمر بدایونی کے شاگرد ہیں نوجوان زندہ دل ہیں ابھی کلام سے نوشتی کا عالم نمایاں ہے اگر کہتے رہے تو شاید کسی وقت اچھا کہنے لگیں ایک مجموعہ ثقہ ظریف کے نام سے چھپ گیا ہے جس میں زیادہ تر بیٹھ صاحب کا اور باقی اُن کے استاد بھائیوں کا کلام ہے۔ پورے مجموعہ کو پڑھ کر چند شعر انتخاب کیے گئے ہیں۔ اگرچہ وہ بھی معمولی سے زیادہ نہیں ہیں۔

✓ اک آہ آتشیں میں ڈبل کام ہو گیا	اسا ہے جیسے چھتر افلاک پر چڑھانا
وہ میرا جیسے کا ملیدہ اڑا گئے	اُن کو بخار غیسر کو مسرام ہو گیا
	لالہ کا پیٹ کیا ہوا اگر دام ہو گیا

ہن سے ڈروں گا نہ ماں سے ڈروں گا	جو والٹ کیسی وہ بیشک کروں گا
نہ ہو گا اگر تم سے میسر امداد	تو میں ساتھ اپنے تئیں بے مژوں گا
اگر آپ دل جھکوا پس نہ دیں گے	تو میں آج سرتے کا دعویٰ کروں گا
اگر خفت جانی مری کام آتی	تو قاتل کو بھی مار کر نہی مروں گا

گدھا ہوں تو لوں گا نبوسہ مختارا  
بوس اب آئی سے خط کا بنو چوں گا ✓  
اگر ساس نے مان لی میری بیعت ✓  
تو میں بیاہ سے قبل گونا گونا کر دوں گا۔

ہمارے بس میں اور سکا دعیار ہوتا  
کہ تھا نیدار ہم ہوتے وہ چوکیدار ہوتا

ڈھولک بجا بجا کر گاتا تھا اک زمانا  
اب کے جنم میں یار یہ جو چھیں بنانا  
اس راگ پر ہر لعنت ہو یہ بھی کوئی گانا  
تتا دیم دیم دور نانا دار دیم تانا

کیا وہ سر جانی تھے دھونڈے لگا جو کبھی  
ایک سو دس میں گز تیار نہ ہونے پایا  
بار بار بیٹھ گئے ہمارے چنگی والے  
راستہ عشق کا ہمارا نہ ہونے پایا  
عمر چالیس برس کی ہوئی ان کی لیکن  
آج تک سبزہ نمودار نہ ہونے پایا  
کوئی انسان ہے نہ کہ طاعون ہے تو  
کبھی جانبر تزا بیمار نہ ہونے پایا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل تھا  
سایکل اللہ نے دی تھی تاکہ پیڈل نہ ٹپکے  
دارغیل کی روشنی دیکھی تو فرسائے لگے  
گیس کا ہنڈا تھا بیڑہ ہمارا داغ تھا

تھا کی عید بھی ہے موت کا ساماں ہوتا  
نصف آنٹوں کو سکھاتا ہوتا ہوتا ہوتا  
آخر وقت ہر اک چیز مرادی ہے  
قابل قدر ہے آمر کا بھڑیاں ہوتا  
لنا گت میں تو رہنا پڑتا  
اور کھڑے کے دن آئیں تو سماں ہوتا

تھا میں گیس جھیل عید کا  
پھنس گیا دل دل میں ٹھیل ایلید کا

مفسی اسپریہ بر خور داریاں عرس افطار اور میلہ عید کا  
 ہیں یہ جیسے اور پندن کا بوٹا شیخ جی ہیں یا بھنڈیلا عید کا  
 عیش کا ٹوٹو تو لکڑی چلدا یا رگیا خالی طویلا عید کا

دل میں اترتے ہو کیا غیر کو اپنا کسر کس ہوش میں آؤ کر ملا کہیں میٹھا ہوگا  
 دل لگانے کی مزا اب مجھے کیا دینگے قید ہوگی کہ ضمانت کہ چلکا ہوگا  
 سود پیری کا بڑھا جب غریب کی ہاتھ کی کس ہو گیا نیلام آن کے حسن کی دوکان کا  
 تنگ دستی کا یہی عالم رہا بیٹھ بگر عید کے دن بھی مزا آ جائیگا رمضان کا  
 رات یہ اندھیر کیا بزم بت پرین میں تھا غیر تو دالان میں تھے اور لائیں میں تھا

ترقی کے زمانے میں ہیں ایسی گنتی کیوں ہو خدا ان خواستہ جود ہماری بے طرح کیوں ہو

جو نہ شوقین ہو ایسا نہیں دلبر کوئی پالتا ہے کوئی بلبل تو کبوتر کوئی  
 جذبہ دل نے جو انیس ٹانگہ پر کر کے پھینکا وہ یہ سمجھے کہ ہے چلن کے اندر کوئی  
 پہلے معشوق انیس وگ کہا کرتے تھے اب جو چپ سٹ کوئی کتنا ہی چمکندہ کوئی  
 بیسیوں چاہنے والوں کی ضرورت کیا ہے ناز اٹھو اور گے تم اسے کہ چھپر کوئی

بمکیس مرزا محمد نام تھا عظیم آباد کے باشندے تھے۔ ہجو گوئی اور ظرافت میں یدِ طولی  
 حاصل تھا مگر آج دستبر زمانہ سے کچھ بھی نہیں بچا صرف ایک یہ رباعی ہے جو غالبؔ  
 میرا نشانہ اللہ اور میرا نشانہ اللہ کی ہجو میں کہی ہے اس سے ان کے زمانہ کا اندازہ کھیئے  
 ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ اشار اللہ سب کہتے ہیں مگر اشار اللہ

باطن میں جو دیکھا انھیں اتنے ہیں پوچ لاحول ولا قوۃ الا بالہ

بیگم۔ تذکرہ چمن انداز اور ماہ درخشاں میں لکھا ہے کہ ان کا نام رشک محل تھا  
پنجابن تھیں جو واجد علی شاہ آخری تاجدارِ دودھ کے متاع میں آئیں۔ اور پھر انتراع سلطنت  
کے بعد بادشاہ کے ہمراہ کلکتہ چلی گئیں وہیں انتقال کیا۔ ریختی کشتی تھیں چند شمر جو  
تذکروں میں ملتے ہیں درج کئے جاتے ہیں۔

نہ بھجوں گی سسرال میں محکومت نام	نہیں مجھ کو دو بھر سے کھانا تھا ارا
میری کنگھی چوٹی کی لیتی خیر ہو	یہ احساں ہے سر پر دگانا تھا ارا
ہوایاں بیکا جو مرزا ہمارا	تو پھر سنگ ہے اور شانا تھا ارا

گھر سے گانہ کے دگانا مری ہمان گئی میں یہ انگاروں پہ لٹی کہ مری جان گئی

## حرف بار فارسی

لالہ پاگل واس او دھپنچ کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی شہرت اور  
لکھی ہوئی ایک قصیدہ مجھے بھی مل گئی زبان دہی جو ہر شخص سمجھ سکے گا چند ہی مدت  
میں غالب یہ شعر کہنے کی زحمت فرمائی ہے۔

چشم دل سے جو نگہ کی تھی ہر آن چند	ہم نے دیکھے تھے گدایانِ سلائے چند
بس وہی عاشقِ اللہ تھے شاہانہ چند	خاغل و زندہ دل درواہِ حقیقتِ آگاہ
ہمچو شہلی ہوں دیا مہرِ ایلیا نے چند	خدمتِ قوم میں مصروفِ سدا رہے ہیں
زرد پوشاک کے اُن کو نہیں پانے چند	راتِ اُن کے لئے شغلِ عبادت ہے ہی
آسمان پر بھی نہیں اُن کے سے پانے چند	ایک چمنِ مال وہ فقیرِ کرباوتِ شاہ
اس کے رتبہ کو کہاں جو بچے سلیمانہ چند	گو کہ چھٹی کی طرح ہے یہ تند لالِ عین
حرکِ قدم سے کروں نیا دایو آنے چند	دلِ حقیر میں یادِ ہوشِ روزِ دام

پہرہ می جھمن نامے ایک شخصِ دہلی کے باشندے کا تخلص تھا۔ جو سخی کہنے میں شہسوار تھا  
شاہزادہ مرزا رحیم الدین حیدر جودی کے ایک شہور شاعر تھے (سے اصلاح لیتا تھا۔ تذکرہ  
۱۱۔ سخی، اس لکھا ہے کہ فوجوان ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ چالیس پچاس  
دورہ ہوگا۔ کلام کہیں یکجائی صورت میں نہیں مل سکا  
سخن شعرا میں۔

دنیا کے مرد و سہ مرے اوپر فدا ہوئے  
مجموعہ آشنا مزاج کے سب آشنا ہوئے  
اب کے تو روک ہیں غائبانہ بیوفا  
اگلے تماشین خدا جانے کیا ہوئے  
دن کو ہی آنا تھا تجھے ماہ صیام میں  
درگزر مرنے کے سنے قننا ہوئے

شاہ پختہ - ایک آنادولا ابالی فقیر عشق آدمی تھا۔ دہلی میں قیام تھا۔ وضع یہ تھی کہ  
کاغذ قلم و دوات ہر وقت ساتھ رہتا تھا۔ یہاں بیٹھتا تھا۔ وہیں کچھ نہ کچھ کہہ لیا کرتا تھا۔ ظاہر ہے  
کہ اس آوارہ گردی میں کلام کیا جمع ہوتا۔ میر حسن چونکہ ان کے معاشرے صرف ایک شعر  
ان کا نقل کرتے ہیں۔  
دل مرا گرد لب یار کے منڈلاتا ہے  
یہ شکر خورہ شکر چھوڑ کہاں جاتا ہے

پینٹنٹ - سابق اودھ پرنس کے ایک نامہ نگار فریٹ بلڈ سنگھ کا تخلص ہے جو غزل مل سکی  
ہے وہ لکھی جاتی ہے اس غزل کے لکھنے کی علت غائی خود مصنف کی زبان سے سناتا ہوں۔  
ملاحظہ ہو۔ اودھ پرنس مرحوم کے نام لکھتے ہیں۔

ڈیر پرنس۔ آج کل آپ کے اخبار میں اردو شاعری پر بحث ہو رہی ہے چونکہ ایجناب بھی  
عندرت سے پہلے شاعر تھے اور پھر بھی بوقت ضرورت باز آمد بندہ بگرہ تھے شاعر ہو سکتے ہیں  
اندا بنی رہے زریں سے آپ کو شرم رکھنا سخت احسان فراموشی ہے۔ نیچے جناب بندہ  
اور ذرا گوش جوش سے مینے اردو شاعری پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ شاعر لکیر کے فقیر ہیں جدت  
کا مادہ نہیں۔ اعتراض کی مقدار صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ہم صرف ایک شق پر بحث کریں گے عرب  
نے صرف چند اعضا سے انسانی سنے لئے ہیں۔ جن کا فراق اور وصال میں دکھڑا دیا جاتا  
ہے۔ ہم کہتے ہیں کیا خدا نے کوئی غنیمت بیکار بنایا ہے۔ یا کوئی عضو ایسا بنا یا ہے جو اس  
عشق کو جس نے کمرے جو سر سے پیڑنگ مخلوط ہو جاتا ہے۔ پھر کیا ہے کہ صرف دل و گھر

آنکھ سینہ پہلو کا لگا تا سلسلہ ہے اور باقی اعضا جو شاید مادہ عشق کے قبول کرنے اور متاثر ہونے میں اُن سے زیادہ قابلیت رکھتے ہوں چھوڑ دئے جائیں۔ ہماری رائے میں سب کو درجہ بدرجہ اور رتبہ برتبہ یاد کرنا چاہئے۔ اس عمل درآمد کے بعد نچرل شاعری کے اسکول والوں سے بھی صلح ہو جائے گی۔ بہر صورت ایک نئی غزل اس نئی طرز میں نذر ہے۔ یہ شے نمونہ از خروارہ سے سمجھنا چاہئے۔ راستہ ہم نے بتا دیا ہے اب شاعران نگیں بیان طبع آزمائیاں کریں اور اس طرز جدید کو آسمان پر اڑا لیجائیں۔ حق ایجاد بنام موجد پیٹنٹ ہے نتیجہ اور تقلید کی اجازت عام ہے۔

اب میں وہ غزل جو واقعی طرز جدید ہے نقل کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

معدہ میں آگ عشق بدستور جلتی ہے	پچھپڑوں کی دھوکہ کنی رے سینہ میں چلتی ہے
گردوں نے در عشق میں آفت بجائی ہے	تلی غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے
چھینک آئی ہم نے شکر خدا کا ادا کیا	اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے
کر وٹ بدل ہے ہیں شب پھر یار ہیں	آنٹوں میں زور شور سے ہندو ق جلتی ہے
تارے گنا کیا ہوں پڑا جیت شب فراق	اتنی دہلی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے
دانٹوں کا دسترس نہ ہوا گوش یا رنگ	سچ ہے کہ بدنصیب کی کب ال گلتی ہے
شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں	لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے
نصویر یار ہم نے لگائی دماغ میں	کچھ کچھ خب فراق طبیعت بہلتی ہے
برسات آئی پھر دہی گر بڑ مزاج ہے	پھر سیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹالتی ہے

پیام۔ نام شرف الدین علی خاں تھا۔ پیام تخلص تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے سراج الدین علی خاں آرزو کے شاگرد تھے مقتضائے طبع اور زمانہ کے دستور کے مطابق زیادہ تر فکر سخن فارسی میں کرتے تھے۔ کبھی کبھی اردو کے شعر

کہہ لیتے تھے۔ اُن میں کہیں کہیں ظریفانہ اور نہایت شوخ مضامین قلم سے نکل جاتے  
 تھے۔ ان کے بیٹے سے میر تقی میر کی بڑی دوستی تھی۔ پیام عہد محمد شاہی کے ایک نامور  
 اور ذی وقار شاعر تھے۔ ایک دیوان ان سے یادگار ہے مگر نایاب ہے۔  
 دلی کے کچھ کلاہ لڑکوں نے کام عشاق کا تمام کیا  
 کوئی عاشق نظر نہیں آتا ٹوپی والوں نے قتل عام کیا



## حرف تازہ قرشت

تبسم - مرزا علیقدر نام ہے خاندان شاہی سے ہیں حضرت ظریعت لکھنؤ کی شاگرد ہیں لکھنؤ کے رہنے والے ہیں مگر فی الحال کلکتہ میں مقیم ہیں اور رہیں تو لوگرانی کی دکان ہے۔ چند شعر لے سکے جو درج کرتا ہوں۔ راقم نے ان کو ایک دو مرتبہ دیکھا ہے مگر باہمی کوئی تعارف نہیں ہے۔

مر گیا جو وہ کوئی عاشق فرضی ہوگا	جس پر مرقا تھا وہ معشوق خیالی ہوگا
آد بچا جو مرے طائر دل کو اسنے	ماز اس شوخ کا شاید کوئی بلی ہوگا
کچھ قربت تو زمانہ میں ہر کہ سے ہوگی	کوئی سرا کوئی سالا کوئی سدھی ہوگا
خال رخسار اڑا دیتا ہے گرہ پیش ہوا	عارض اس شوخ کا بارود کی کاتی ہوگا
در غلطاں شعر ادانت کو جب کہتے ہیں	تو یقیناً دہن یا ربھی سپی ہوگا
غل چائے جو کسی کوچہ میں شب کو ہر روز	چرخ تو یہ ہے کہ وہ عاشق نہیں پاسی ہوگا
بیگنا ہوں کو دیار کرتا ہے تو تزل کا حکم	یار کا ہے کہ جو پنور کا قاضی ہوگا
جس کو لے کے گئے کھاتے ہیں انکو عاشق	غم نہ کہئے اُسے وہ آدم کی حدیثی ہوگا
کو کہن سے یہ کہا کرتی تھی اگر شیریں	دب گیا اگر کہیں پتھر سے تو پہنچتی ہوگا
تجھ پہ ہو جا گیا ظاہر وہ کسی دردِ ضرور	عشق کچھ چور نہیں ہے کہ جو مخفی ہوگا
جس میں تہذیب نہ ہو ورنہ طراوت بہل	حد سے بڑھ جائے تبسم تو وہ ہی ہوگا

یاں یہ حالت ہو کہ ہم پر تازہ ضبط غم نہیں  
وہاں دواں دل چاہتے ہیں وہ بھی ہم نہیں

ساتی گریز کر کے میں یا نسے بھگتی ہوں      گر لڑکھڑا گیا تو میں گر پڑی ہوں

پروہ سسٹم کے مخالف ہو چلائیہ صاحبو      پہلے اپنی سیکر کی کولڈیاں بنائے تو دو  
پاک ہو جائے گی رباب، بولے راہ عشق      صاف تم اپنی گلی کی نالیاں بنائے تو دو  
اندھے بچے گھر پہ جا کر دو گے کیا فخر بنا      آشیانِ شرق سے جاناں اذان بنائے تو دو  
آکھو یوں ترکِ الفت دھوا زلفِ انصاف سے      اپنے عاشق کو دراز شیروان بنائے تو دو  
اے بسمِ خون پانی ایک ہو جائیگا پھر      شیر خوار ہے ابھی قاتل جوان بنائے تو دو

تپیش خلد میں تھا مرزا محمد اسماعیل نام تھا مرزا جان کے نام سے معروف و مشہور تھے۔ گوانکے  
آباد اجداد بنجارا کے رہنے والے تھے۔ مگر ان کی ولادت خاص شاہجہاں آباد دہلی میں ہوئی۔  
کبھی کبھی شہرہ طرافت کی طرف بھی توجہ کرتے تھے۔ میرور کے خاص شاگردوں میں تھے۔  
سلسلہء تکبیر و عافیت لکھتے میں موجود تھے اردو کی متعدد کتابیں۔ بہار دانش شمس البیان  
نثر و الاشارة انکی تصنیف میں۔ اگرچہ ان کی طرافت اس حد پر نہیں ہے کہ اس کو محض طرافت  
کہا جاسکے مگر شہرہ مذاقوں کے لئے ایک اچھی چیز ہے۔

مرک مرکے پلنگ پر چل چلا جانا      یہی ادا تو ہیں بھاگتی بھاری رات  
نہ تیغ چل سکی بھیر تو منفعل ہو کر      لگا یہ کہنے کوئی اسکے ہی ہندو تائید  
میں نے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تپے تمہارا      کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے  
عصہ اٹھا اٹھا کے یوہنی بار بار کا      ایدل عزانے نے بگاڑا ہے بار کا

تجلی منشی سید منتخب الدین دہلوی۔ آپ کا نظریہ انہ ایک شعر مل سکا۔  
شیخ کل سیکرے میں بیٹھا تھا آدمی کیا تھا اک تماشہ تھا

تجلی تخلص تھا۔ میر محمد حسین نام تھا حاجی کے عرف سے معروف تھے میر تقی کے بھانجے تھے۔ بیگم کے باغ واقع چاندنی چوک دہلی میں سکونت رکھتے تھے مصنف خوش شاعر اور گلشنِ بختار۔ دھمناؤ جاوید سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ نہایت ظریف نکتہ سنج تھے مگر انہوں نے کسی نے وہ کلام نقل نہیں کیا۔ جو افسردہ دلوں کے لئے کشتِ زعفران اور نقلِ محض بجاتا پھر بھی جو کلام تذکروں میں ملتا ہے اس میں سے جب انتخاب کیا جاتا ہے تو کچھ کلام ایسا ملتا ہے جس سے ہلکی ہلکی غرائف کا پتہ چلتا ہے۔ وہی درج کرتا ہوں سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ میر تقی نے اپنے تذکرہ کلمات الشعراء میں ان کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ انتخابِ کلام یہ ہے۔

مجھے کہتے ہیں کیوں رہے تو وہ چور و دکن تھا  
ہو اگر شاخِ آب ایسا کہ کچھ خطرہ نہیں کرتا کہ  
اکی اسکے پاؤں تک میر بے آرد و پہونچا  
کبھو چھاتی پکڑتا ہے کبھو باز و کبھو پہونچا

کر گئے شکوہ کو موقوف ماں اس چہ پہ  
۱ نکلیں خدانے دیکھنے کو دی ہیں میر جان  
میں بھی بولوں گا تو ناحق تو تھا بڑے گا  
دیکھا تری طرت کو کسی نے تو کیا ہوا

تصویر۔ ذکی الدولہ میر تصور علی داروغہ خلع میر صفدر علی خاں باشندہ تبار  
کا تخلص تھا۔ آپ عرصہ تک لکھنؤ میں بھی مقیم رہے ترتیبِ تذکرہ سخن شعراء کے وقت  
میں زندہ تھے۔ مولوی عبدالغفور صاحب نساخ نے لکھا ہے کہ ان کا ایک دیوان بکھری  
میں ہے۔ مگر انہوں نے کہ باوجود تلاش مجھے نہ مل سکا اسی لئے کلام کے لکھنے سے  
محدوری ہے۔

طکین۔ مولوی غلام بیٹول خاں صدرا میں ضلع میر بھوم خلع مولوی غلام رسول خاں

متخلص پچیسین کا تخلص تھا۔ مولوی عبدالغفور نساج مصنف تذکرہ سخن شعرا کے دوست تھے مولانا مہر محمد نے لکھا۔ ہے کہ بیشتر سنی کہتے تھے مگر انوس ہے کہ کچھ نوزائلی کچھ کلام بخشی نقل نہیں کیا۔ مجھے صرت ایک شعر مل سکا ۱۲۸۵ھ میں دیناے فانی سے رخصت ہوئے۔  
 بواکتے ہر جانی یہ مردوسے ہیں کوئی فوج یوں ان کے غم سے اٹھائے

تونی ایران کی ایک مخدوم حضرت آب کا تخلص ہے۔ مرزا کمال الدین خضر قزوینی کی شاگرد تھی نظریہ تھی اور کبھی کبھی تفسیر طبع کے طریق پر کچھ نظریات شعر کہہ دیتی تھی۔ اگرچہ کلام مل نہیں سکا۔ مگر تذکرہ اخترا تاہاں سے ایک رباعی جو واقعہ طلبہ نقل کرتا ہوں۔  
 واقعہ یہ ہے کہ ان کے شوہر ایک ایرانی مذاق کے بزرگ تھے تونی بیچاری ان کی اس غیر نظری حرکت سے باغری بہت کچھ سمجھاتی تھی مگر انہیں کوئی اثر نہ ہوا آخر عاجز ہو کر ان کو یہ رباعی لکھ بیٹھی۔

آن شوخ کہ بہت سخن عالم گیرش یارب چہ شود شبے بخوابم زیرش  
 اس خواجہ بیامان تو صلح کنیم تو باکوش بسازد من باکیرش

تونی آتون۔ ملا بقائی کی جو ایک مشہور و معروف شاعر تھی بیوی تھی میرزا غلام الدین علی شیر کے زمانہ میں زندہ تھے۔ نہایت خوش مزاج تھی شوہر ادیب بیوی میں اکثر مطارد ہو کر تا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے شوہر نے یہ رباعی کہی۔

یاران ستم پیرہ نے کشت مرا کاواک مندہ چو نے از دشت مرا  
 گر کشت ہوسے او دے خواب کنم بیدار کرد بھرب انگشت مرا  
 تونی آتون نے جواب میں یہ لکھا۔  
 ہم خوابی گشت رگے کشت مرا روز سے نبود از و بجز دشت مرا

قوت نہ چنانکہ پاؤں اندر دشت      بہتر بود از پشت دودشت مرا  
 جواہر العجائب میں بجائے اس کے یہ رہا علی ہے ۔  
 ملامت ناز و غمزہ انگشت مرا      تا چند زنی طعنہ بانگشت مرا  
 شہما بہر پشت سے من خواب گئی      بگزار کہ وا گرفت از پشت مرا

## حرف تائے ہندی

ٹیمپری۔ کوئی ظرافت مآب شاعر ہیں جنکا نام اور حال معلوم نہیں یہ تین شعر  
 اُن کی طبع و قاعد کے دریا سے ناپیدا کنار سے نکلے ہیں جو ہر پچ پیش کرتا ہوں۔  
 جب وہ آتے ہیں میں رو دیتا ہوں جب وہ جاتے ہیں میں نہیں پڑتا ہوں  
 غیر سے رہتی ہے الفت تجھ کو اور اپنوں سے سدا ڈرتا ہوں

تری فرقت میں اذ ظالم مری نکسیر چلتی ہے مگر خوں میں نہانے کی یہی تیر چلتی ہے

ٹریڈ مارک۔ اور دعوت سابق کے ایک نامہ نگار کا فرضی اور عارضی تخلص  
 ہے۔ موجود ٹینٹ کی غزل پر غصہ کہا ہے۔ اور غصہ کی پیشانی پر یہ دھچپ عبارت درج  
 کی ہے۔

پرخ۔ آداب عرض جناب من۔ دنیا اور اُسکی مضامین بھیر پادھسان الٹی کھوڑی  
 کی مخلوق نے ناک کھاتے کھاتے کان میں دم کر دیا ہے۔ جب ہمیں خدا نظر موزوں طبع  
 بصیر دے گا۔ تو شعر کا مذاق تاہا اے حیات کیوں چھوٹے گا۔ رہا چھوٹا کہ اُدوسے ماہی  
 میں شاعری کیجادے یا حال مستقبل میں۔ ہم ہانکے پکارے کہتے ہیں کہ کئی پشت سے ہم  
 اس کے دلدادہ ہیں اور شعر کہتے ہیں۔ یہ مثل مشہور ہے کہ کتنے واسے کی زبان نہیں مکتی  
 دور کیوں جاسیے ہمارے عنایت فرما موجود ٹینٹ کو ملاحظہ کر لیجے کیا غزل بے بدل لکھی  
 ہے جسکا ایک ایک شعر اندھی کھوڑی کے خیالات کے لوگوں کے واسطے نہایت لطیف

اور مغال سمجھنا چاہتے۔ ماضی کی شاعری سے بجا و زکر کے۔  
 حال کی شاعری میں حضرت موجد موصوف نے ثابت کر دیا کہ ہمیں شعر کہنا آتا ہے۔ اور  
 اس سے بھی اگر ان صاحبوں کی تسلی نہ ہو تو بشرط درخواست مستقبل شاعری بھی کر سکتے  
 ہیں۔ اگر صحت و سلامتی و مسازمت تو کسی آئندہ نمبر میں ہے درخواست بھی شاید کوئی حصہ  
 نظم نذر ناظرین کر دیں۔ میں موجود پنڈت کے کلام کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور  
 سائیکس میں حاشیہ لگا کر دوبارہ ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ دوسری حیثیت  
 سے یقین ہے کہ آتش حسد سے کوئلہ کی طرح جل کر خاک ہو جائیں گے نزل بے بدل پر  
 حاشیہ لا جواب یعنی حسد و نداں شکستہ۔

شہرگ یہ دہم مری گردن طاق ہے / ایسا لگی کی نہر شب روزا ملی ہے  
 گھٹی میں جو پڑی وہ جہت نکلتی ہے / معدے میں آگ عشق بدستور جلتی ہے  
 پیچھے ٹوں کی دھونکنی سے سینہ میں علی گڑھ

شعور نہیں رہ رہو گدا و خاک اڑاں ہے / اڑی پہنے پاش پاش یہ اپنی کمانی ہے  
 ہرزخوں میں نام کہ خلق میں ہائی ہے / گردوں نے درخت برکت چھائی ہے  
 ملی غم فراق میں ہاتھوں کو ملی ہے

اگر طائی لیکے توڑا ہے چراگ آسرا / جست سہر کا سیکہ رہا ہی کیا گلا  
 اچھو ہوا تو سمجھے کہ نازل ہوئی بلا / چھوٹا سا آئی۔ ہنسنے نہ لہ نہ لہا، لکھا  
 اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

بیچ شب فراق میں اند کی ماریں / ہے دو پہر ڈانٹ سب بڑیا پنہ ر بویا  
 الدعا کہ شام ہوئی انتظار میں / کہوٹ بدل ہے پریشہ تجھ را دیں  
 آنکھوں میں زور خود سے بندھتی ہے  
 بیا۔ غم کا حال ہوا سوکھ سا قاق / یہ حسن اتفاق ہے یا نہ

آیا جو چارہ گرد پتا یا مجھے مراق  
 ہمارے گنا کیا ہوں پڑا ہوتا ہے فراق  
 اتنی دلی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے  
 خط کا شمار کیا کہ دئے ہمنے تازہ تک  
 قلم بھی بھیجے ایک سے سو تک ہزار تک  
 ملتا نہ تھا ملا نہ اُنھیں گھر میں باز تک  
 دانوں کا دسترس نہوا گوش یا باز تک  
 سچ ہے کہ بے نصیب کی کب ال گلی ہے  
 بیا رجم کی حالتیں کیا کیا تھیں کیا ہوئیں  
 رہ روئیں جو پہلے تھیں ساری ہوا ہوئیں  
 جل جل کے ہڈیاں رری جنگ آزا ہوئیں  
 بخیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں  
 لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے  
 زلفوں میں جو سیاہی ہو ساری اڑا لیا  
 جو رنگ تیرے سہ میں وہ دیکھے دماغ میں  
 یہ اچھی سوچھی عقل کے روشن چراغ ہیں  
 تصویر یا رہمنے لگائی دماغ میں  
 کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے  
 سردی سے ہر کام برابر علاج ہے  
 گرمی میں ہر بخار خنک احتیاج ہے  
 اچھا تو اپنا حال نہ کل تھا نہ آج ہے  
 برسات آئی پھر وہی گڑبڑ مزاج ہے  
 پھر پیٹ میں فساد ہے پھر نانا ملتی ہے

**ٹیسو پر شاو** - ادھر پنج سابق کے کوئی طریق، شاعر ہیں جن کی ایک نظم  
 (ہندوستان کا بھیک منگا ٹیسو) کے عنوان سے مل سکی چونکہ نہایت ظریفانہ رنگ میں  
 لکھی گئی ہے لہذا نقل کرتا ہوں۔ ہندوستان کی مفلسی اور ضرورت کی نہ بردستیوں کی  
 ایک تصویر ہے۔

بازار کی لڑکے آئے آئے جم جم آئے  
 پنج دوارے ٹیسو آئے  
 ہری راج گرج سن جاتیں  
 پنج بہادر کہاں ہیں آئیں



بچ آنا کیوں چلا تے ہیں آتے ہیں بھی آتے ہیں

ٹیسو آج بات یہ ہم نے ٹھانی  
تنگ تنگ ہم بات بتائی ہے  
لا بہہ ہوئی ہم کا یا مانی  
رتی رتی حال سخی ہے

ہندوستان ٹیسو سا رہت ستائس  
بھگتنکی ماں عمر گزوا  
گھر سے بھیک منگائس  
آدھی دھڑی جو ہم پاوا  
ایس جوگ پڑا کچر آن  
چند چھین اس جا پاں  
کہو کہاں سے اب ہم لائی  
دوسرے کی جو لگی بھائی  
جھنجھی کوڑی گھر ماں ماہیں  
کہو کہ کہہ کی کہیر منائیں

ضرورت کہہ دہت نہ شورچا ہیں  
اور کسی سے بات بنائیں  
اور کسی کے دوارے جا ہیں  
جاں سے پنے دیاں سے لائیں

ہندوستان پنج بہادر سننے ہو  
سننے ہو بھی سننے ہو

بازاری رٹکے پنج بہادر چیتے ہیں  
دیتے ہیں بھی دیتے ہیں

ٹیسو جھنجھیا عمری ٹری کھانی  
رانی خضرہ کرتی ہے  
جھا بیٹی بی بی رانی  
بن مارے وہ مرقی ہے  
جو کوئی دوارے جاتا ہے  
ٹیسو کو وہ سمجھاتا ہے

راجہ سبکی شہنشاہ ہے      روتا ہے اور کہتا ہے  
عقل نگیان بھی کچھ ہری      کہہ تو مجھوٹے کچ کھڑی

بازاری بٹکے      کھیلو کو دد جانے دو      مرقی ہے مر جانے دو

ضرورت      پنج دوارے سے کا لایو      سچ کھو کا پایو

ہندوستان      ہم کا ملی نہیں اک پائی      کا جوڑے لکھا بھجائی

ضرورت      اچھا اچھا دیکھیں گے      دیکھیں گے بھر کہیں گے

ہندوستان      اسے بدینا ہم کا گن کینا      ہمارے کرم ہاں کا لکھ دینا  
یا سیر دیکھ کر کم کا ایکھا      جاسے بھینٹا ہوئی دکھ دیکھا

## حرف ثنائی مشلثہ

شریاء جمعیت علی نام تھا۔ تھوڑے دنوں کے رہنے والے تھے۔ غدر سے پہلے  
زندہ تھے۔ مرد خوش وضع سپاہی پہنہ سکتے۔ جس زمانہ میں جان صاحب کے  
کلام کا مشہور اکثاف ہند میں؛ بلا اسی زمانہ میں ان کو شعر گوئی کا شوق ہوا  
رفتہ رفتہ طبیعت کا میلان ریختی، فی کی طرف ہو گیا اور چند ہی روز میں  
بہت کچھ کہہ ڈالا۔ اب کلام نایاب ہے۔ یہ چند شعر مل سکے جو درج کئے  
جاتے ہیں۔

کنگھی چوٹی مسی اور سرے کی کس کو دہن نہیں

۱۔ اب کنواریوں پر کنواریوں کے گن نہیں

میری سوتن کے اکھیڑنی آگے آئے	مجھ نہجی کو جلاتی ہے سدا وہ جیسے
ہانپتے کہنتے کیوں ات کہ بھاگے گئے	دن گزارا تھا جہاں شہ کی بجلی چلی
آئے تو گھر میں کئی رات کے جاگے آئے	شام سے سوئے پھر پھر کے مودوں کی طرح

کنواریاں خود تو دیہاتی ہیں گھرا کہیں	دل میں یہ سوچنا لاڈ تو نہ زہنا کہیں
مجھ کو کیا کام ہے جاے مری پیرا کہیں	اُن کو اتار تو آجائیں وہ گھر ہے اُن کا
شگنی ہوتے ہی کہیں کرتی ہیں اتار کہیں	آج کل کنواریاں گیم پڑی چھٹی ہیں
رات بھر جاگتے ہیں ہر ہر سو رہا ہوا	دن کو کام پر کیوں دیکھتی ہی پھر ماما

اما کا ہے کہ ہے کٹنی ہے یہ اچھی خاصی      مجھ کو کیلے گی اک روز گرفتار کیس  
تیری جوتی سے ثریا جو وہ ہر جانی ہے      دھوڑ دھوڑے تو بھی کوئی اور طرح آئیں

عمر بھر سسرال میں جلتا پڑا ناشاد کو      دارا بچی کو مرے موت آئے اس داماد کو

سو تنیں جو مرا غم کرتی ہیں      مرے چوڑے پہ کرم کرتی ہیں

۲۵ - ۱۱۶  
25 x 116

## حرفِ حمِ عربی

جان - میرا بڑا علی نام تھا۔ میرا من لکھنؤ کی کھڑی تھے اور نواب عاشق علی خاں لکھنؤ کے شاگرد تھے۔ اگرچہ وطن لکھنؤ تھا۔ مگر بسبب فکرِ معاش آخر میں متوسلین درباری میں ملازم ہو کر رام پور میں جا رہے تھے نہایت خلیق زندہ دل خستہ پیشانی سرخاں مرنج آدمی تھے جب تک لکھنؤ میں رہے فکرِ معاش میں مبتلا رہے آخر سن ۱۸۴۸ء میں مجبوراً ترک وطن کر کے روزگار کی فکر میں دلی گئے۔ مگر جہاں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ پھر پھر پال گئے مگر یہاں بھی بد نصیبی ساتھ رہے۔ آخر آب و دانہ کی کشش اور نواب کلب علی خاں مرحوم کی قدر دانی رام پور میں لے آئی اور یہیں مستقل رہنے لگے۔ تاہم سن ۱۸۴۹ء میں ۴۳ برس کی عمر پا کر پیوندِ خاک ہو گئے۔

جان مرحوم نے ابتدائی سے ریختی گوئی کی مشق کی تھی پھر اس صنفِ خاص سے کہ اُنہی کسی دوسری صنفِ سخن میں کوئی شعر نہیں پایا جاتا۔

آزاد مرحوم نے آبِ حیات میں لکھا ہے کہ رنگین اور انشا اس کے موہد تھے۔ یہ قول کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ ریختی کا پتر اس سے بہت پہلے زمانہ میں چلتا ہے۔ ہاشمی جو دکن کا رہنے والا مادرِ زاد اندھنا شاعر تھا۔ وہ اس کا موہبہ اسکا انتقال ۱۱۰۹ھ میں ہوا آصفی ملکا پوری نے دو شعر ریختی کے اپنے تذکرہ شعراے دکن میں ہاشمی کے نام سے نقل کئے ہیں۔ مولانا آزاد نے غالباً تذکرہ مرزا قادیان میں یہ عبارت دیکھی ”زبانِ اردو میں اول ریختی کا رواج انتشار اللہ خاں انشانے دیا۔ اور اس کے بعد حوادثِ یادِ خاں رنگین نے خواہ اس سبب سے کہ اُن کی طبیعت کو خود اس صنفِ کلام کی طرف التفات تھا

خواہ انشاء اللہ غاں کے انتر صحبت سے اس نظم میں ایسی زبان آوری کی کہ گویا اس کو اپنا  
 شکار کر لیا " اس کے بعد ان کو معلوم ہوا ہو گا کہ خود ستید انشاء نے دریائے لطافت میں  
 سعادت یار غاں رنگین کو ریختی کا موجد قرار دیا ہے۔ لہذا بطریق مساحت دونوں کو  
 ریختی کا موجد قرار دیا۔ اس طرح تذکرہ مہر تہا کتاب میں بھی انشاء ہی کو ریختی کا موجد  
 بتایا گیا ہے مگر یہ اقوال ایسے ہی ہیں جیسے دلی دکنی کو انھوں نے ریختہ کا موجد قرار دیا تھا  
 اور اب پایہ تحقیق اس سے بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ بہر حال ہاشمی سے ریختی کی ابتدا ہوئی  
 اگرچہ مٹے مٹے نشانات اور جگہ بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ خزینۃ العلوم فی مقلقات النظم  
 میں لکھا ہے کہ اس فن کا موجد رحیم معاصر رحمان دہلی ہے اور اس کے کچھ شعر بھی لکھے  
 ہیں مگر میرے نزدیک وہ کچھ اور ہیں شعر یہ ہیں۔

ایسے نادان تین اپنے بھن کو پیوں رٹھایا گو  
 رٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہی  
 بہت پھٹتا نیکی میری نصیحت مان کہتی ہوں  
 سکھی کورات سو ہی ہے پیارے کو جو بھایا ہی  
 بعض حضرات امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی موجد قرار دیا ہے۔ لیکن تجربہ نامی  
 کے ہماری راے میں دوسروں کو ریختی گو لکھنا سراسر زیادتہ ہے۔ مولانا عبدالسلام صاحب ہند  
 نے شعر اندیس اسکی بابت کافی تحقیق کی ہے ان کی بھی یہی راے ہے۔ غرض ریختی ایک منفی فن  
 کہتی جو عرصے چلی آرہی تھی جان صاحب نے اس میں شوق کی اور بقول بعض تذکرہ نویسوں کے  
 اسکو تکمیل کو پہنچایا۔ مگر ہمارے نزدیک ان کی ریختی میں اور دسے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔  
 اور اسی وجہ سے رنگین اور انشا کی سی روانی اور بے تکلفی آئیں۔ باقی نہیں رہی۔ مراعات انظیر جس  
 نے لکھنؤ کی شاعری کے دفتر کے بیکار کر دئے ہیں ان کے یہاں بھی موجود ہیں۔ اور بعض جگہ اسقدر  
 بے مزہ ہیں کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ان کے کلام میں ذرا احتشاش کا کچھ، زور شور سے ہی وجہ تھی  
 کہ عرصہ تک ان کا دیوان چھپا قافو کا بنہ ہو گیا تھا۔ مگر اب بعض لوگوں نے غفلت کر کے اسکا  
 انتخاب کر کے کائناتے کمال دئے اور پھول چن لئے ہیں اور اسی انتخاب کو چھپوایا ہے سنا ہے کہ

جان صاحب نعل مشاعرہ میں بالکل زمانہ لباس پہنکر جاتے تھے اور اس انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے اس میں شک نہیں کہ بادیو اور داد رنگھن کے ان کے یہاں بیگناہی زبان رکھنے کے۔ و زمرہ شیعہ ہی کلام عورتوں کے محاورات۔ رسوم در و اج کا اس قدر ذکر ہے کہ تقدیر میں کسی کے یہاں بھی نہیں۔ میں نے ان کے کلام کو اول سے آخر تک متعدد مرتبہ دیکھا اس مرتبہ بھی انتخاب کے لئے پورا دیوان دیکھنا پڑا۔

ہمسائی میرے سر کی قسم آئو ضرور کوٹہ اکروں گی حمہ کو سید جلال کا

پھبتی کسی چراغ ہے بیٹے کی جھونچھ میں غم کی جب کٹوری میں جگنو نظر پڑا  
یہ سات پٹیرھیں کے ہوا بعد اتفاق کہنے میں بیگم کے دو ہا جو نظر پڑا  
جس مردوسے کے پیچھے مرا گھر ہوا خراب بزنوں کے بعد پھر وہی آ تو نظر پڑا

لگا میٹھا برس جب یہ صورت نہر لگتی ہے کہیں مشاطہ کر پیغام بصری کی لہنگ  
دو دل درگوں حسیاں کے کبھی جو نام الفت کا کسی دشمن کے دشمن کو نہ ہو آنار چاہت کا  
وہ تھے استادان سے جالہ صاحب جھگڑا کیا کیا پر نام روشن بخیتی نے تیری نسبت کا  
کلو ارنی یہ مرتا ہے تھن اسکی لیش پر قاضی کے گھر میں کیوں نہ ہو چچا شرب کا  
مستانی سوت پر پڑے فالق مرا و بال پڑ جائے اس کے حلق میں پند شرب کا  
سرم ہیوں سے جلا ہونے جو چور کھیلے چال وہ مجھے ٹکے گز کی نکیو نہر چلتا  
رہ گیا کس ہوم کا پیٹ جو جنتی نہیں تیرے وال ہناب کو یہ چاند ہے شوال کا  
سائندوں کی خوشگئی میں قربان گئی جاؤں میکے مجھے نکو او سواری مرزا  
تم سلامت رہو صدقے میں تھا رہے صحت کتنا پہنوں گی ابھی گوٹہ کناری مرزا  
پکنا نہ تھا کچا تھا وہ جن اسے پر نیانم کل سر پہ چڑھا آج ٹکڑا اتر آیا

نہ چھینکا ڈھیلانہ کھٹکا راجپ چلے آئے  
 ختم کا مال تو ہی یار کو کھلا رنڈی  
 گرگٹ کی طرح کا لاکھی لال ہو گیا  
 بیگیا اچھا نہیں بڑھنا کسے ہال کا  
 آرزو بندی کی خالق سے ہو لکن میری سوت  
 خالی کے ہینہ میں وہ فالانہیں رہتا  
 کھلتی ہے جی بھڑکریں کھانے کی حقیقت  
 کیا ڈرتی ہو ماموں سے محرم میں بھی بڑی  
 اک پیٹ رہے ہو تو سو فطرس ہوں پڑ  
 محسن جانا رہے چھاتیوں کا روپ ہے  
 اگر باد نہیں آتا ملا کر دیکھ لو صاحب  
 خدا کو کھانے نہ پیر کی آج کا حد نہ  
 کیوں نہ جاسے میں باہر میں چھلا خلائی  
 کوڑاھ ان چھاتیوں سے ٹپکے آئے جو پہنے  
 اب بھلی مانس کیا پائیں جو یہ پہنا ہیں  
 چپکے رہتے ہیں تھا حرام وہ کام  
 خدا نے پہ منی کو قوم میں ان کی کیا پیدا  
 تھن اس بہادری پہ بنا مرد ہو کر گیا  
 نصیب ان کی دیکھ کے اندر کل پڑے  
 باجی دھرات کا پھر وہ ہی کھٹکا نکلا  
 ہو نہیں تل ہے مری مستانی کے پھبتی میں  
 کسی کے گھر میں کوئی بے فطر نہیں آتا  
 ہمیں تو لاکھ کا گھر خاک کر نہیں آتا  
 غصہ سے مردے کا عجیب حال ہو گیا  
 راکھل کے فوج یا زورہ لگا ہتال کا  
 کھائے پھل لوار کا اور پھل جو کھٹے ہال کا  
 درگور مرے پاس رزلا انہیں رہتا  
 سر پر کوئی چاہنے والا نہیں رہتا  
 موبات تری چوٹی میں کالا نہیں رہتا  
 مردوں پہ تو کوئی بھی کسا لائیں ہتال  
 صدقے اس عقل کے جس نے یہ بتائی انگیا  
 مری نازنگیوں سے آپ کا ہینہیں کیلا  
 یہ وہ جلا پا ہے ہرگز سہا نہیں جانا  
 اوٹھری دو بار گا ٹھیک آئی انگیا  
 میں تو کوسوں گی مری جسے چرائی انگیا  
 اپنی جرد و نکوٹے کچھڑے قصائی انگیا  
 ایک دو پولوں میں حلال ہوا  
 بڑا ہر ایک سے رہتہ دیکھیں چار اپنا  
 چھوڑا پڑا قہ میں نے ترا جی دہل گیا  
 بچہ ہی تھا کھلونے پہ آخر چل گیا  
 کوئی گل بھوسے کا پھر سوت کا چرچا نکلا  
 چاند کے پیٹ میں غور شیر یہ ارا نکلا



جان صاحب تہ ہے رات کو خانے کے گھر  
 کہے میں دینی ہوں لاؤ خانہ غم کی دیکھنا  
 میں پاس بیٹھی تھی دیکھا بھانگے گھر میں تھی  
 رہ گئی تھی میں اپنے جاکر سواری لگاؤ مجھ کو جس  
 کھانا چاکے خوب نہیں ہائے پان کا  
 محرم کیسلی چھاتیوں پر بھڑی ہے نئی  
 کہ کسکھو عواں خواہی ہے مری وہ نو طرح  
 اسے بوا پھر کاندل ہے اس نئے بے پیر کا  
 پیسا تھا پاس بہتے تھے ہر آن آشنا  
 کرتا رہا وعدہ تو پوچھنی دھوکے دھڑکی کا  
 نہ چھوٹی مری کھائی گئی ہری پان کا پیرا  
 تاک کٹا کے میں منہ داؤنگی بی سوچ کا کر  
 نامزد ہے نہ جو روئے اسے تک خبر ہوا  
 سو کھا سو کھا گورٹا گورا  
 کھلا بنگل میں گر حال ان چڑیوں کی چوچ چکا  
 لگجا ہے نہ کو سا کسی کل بھی کا ظالم  
 جو شوم ہے لٹورا کہتی ہوں اسکے قریں  
 دل ملی کو کدھلی مانگ بلی دکھیا ہوں  
 تم اگر دو گئے نہ تن پیت کو روٹی کپڑا  
 بچی کے واسطے جو کھلونے نہ گئے ہیں  
 مجھے نفرت ہے صورت سے لگے جان کی

مجھ نہ جیتی نے عبث عیش کا سامان کیا  
 مکان تو نگلی میں وہ دیکھنے کی گیسے جواب بشار  
 کیا غصے کیا تے مرزا جو نام لیکر مرا پکارا  
 پاس نہ دیکھی بولی تھوڑی کر نہیں لکھی بھلا گوارا  
 منہ کی کہیں کھلا سے نہ چسکا زبان کا  
 انگلیا خلافت جوڑا ہے یہ غاصدان کا  
 بھائی پر زور ہے چلتا نہ خصم پر اپنا  
 تھا کھٹو گھر میں خالق کے مری تقدیر کا  
 یاد دور دور کرتے ہیں اسے جان آشنا  
 مانوں گی نہ اقرار میں اب ایک گھڑی کا  
 منجھلی کا نہ بھلی کا نہ ہے بیاہ بڑی کا  
 دشمنوں کا مے بیکار اگر کال ہاں ہوا  
 قربان اس حیا کے ہوا سال بھر ہوا  
 کھلو کا گھر والا ہوگا  
 ہر اک عاشق کو دیتی ہیں یہ پرسانے بھونکا  
 ہونا اسے مشہور ہلا کو نہیں اچھا  
 چڑیا حلال کر دے بھٹکو ثواب ہوگا  
 ٹھنڈا رکھے گا تجھے ادھی جلا نا میرا  
 کیا خدا کے بھی نہیں گھر میں کھانا میرا  
 گھر ڈالا گھر کو کستا ہو تن نہ ہو گیا  
 وہ اسکی شکل کیا بولے بوا قربان کی صورت

ہے دوائی سے سوا آجکا دن آج کی رات  
 صبح کو دیکھا ہے منہ شام پران کا میں نے  
 تیسرے دن نہیں جاتے ہیں کسی کے گھر سے  
 جو دال دلیہ ہو دس سر چھو دیکھائیں  
 نشہ بننا ڈی کے جوہر کو مارا بھڑوے نے  
 عیتے جی بندی کو اسٹند دکھائے سہرا  
 روج میں کہتی ہوں بنی بخش براہے داماد  
 قبر میں روح کو صدمہ مری ہوگا مرزا  
 کارخانے میں خدا کے ہے کسے دخل ہوا  
 رنگیں کی یہ بختی ہے سخن میرا رخنہ  
 جھج میں یاچی ایک مسلمان تھا گبار  
 دلویا شب برات میں مردوں کا فاتحہ  
 نہ دیکھ دو لہا کو سارندو کے آگے گوگٹا اٹھا کر  
 نکلتی سیاتہ کو چھوڑ بیٹھے ناعی رندی کو گھر لایا  
 کہیں وہ جھپٹہ فرق اتنا کچھ ان کے گھر میں نہیں  
 لگائی سو سن سے ایسی ہی کہ جیسے بطن سے کھائی کھینچ  
 خدانے چاہا نہ ٹھنڈ پیٹوں رہی سوچ کھینچو  
 نصیب سیدھا کر ہے میرا کچھ نیلے کی کھاٹا اُسکی  
 ہوں نہیں بڑھاپا جو انوں کے گلے کا طتی ہیں  
 سوت سے گالیاں نہ کھلاو اتے  
 کیا زمانہ برا ہے ابھی بی

گھر سے نکلو نہ ذرا آج کا دن آجکی رات  
 خیر سے کاٹے خدا آج کا دن آجکی رات  
 اوہ رد جاؤ ہوا آج کا دن آجکی رات  
 بھائی کو بھائی کیا ہو کائی کی احتیاج  
 نکل گئی مری بچی کی کس کسٹا میں روح  
 بھٹکوا کیا لوگو جو گھر اسکا بسا میرے بعد  
 رکھے عزت مری بچی کی خدا میرے بعد  
 سوت بچو پنہ اگر ہوگی نغمہ میرے بعد  
 بچہ تم پہلے جنیں بسا ہوا میرے بعد  
 خستے کو فون کیوں نواسے یاچی تو پر  
 یہ حال ایسے گھر کے نظر آسے زور پر  
 لوٹ گھر سے پہنچنے پر شے سٹو پر پر  
 نہی تو ملیا وطن ہی بچی ابھی تو چار دن حساب کر  
 بنایا صاحب امام بارگاہ کی مسجد کو تم نے ڈھاکر  
 کروڑوں نے نہ بگاڑ ڈالے گھر نہ نہ ایسے بنا بنا کر  
 کسی نے اراہے نہیں پتہ نہیں آتی ہے پا کھانکر  
 چلی جوں بنا سے طبع گھنٹی اسی نے مارا جلا ملکا کر  
 وہ سکھ نہ پا گئی جسے بھیجوا ہے الٹی پٹی نہیں پڑھا کر  
 اب بھی یہ گند چھری ہے مرہ دو چاہتے تیر  
 تمکو ہوتا جو کچھ بچتا ہے سہرا پاس  
 کوئی کرتا نہیں کسی کا پاس

ماں سے ہکو سوا ہے پیاری ساس  
 جوہر ان کے کھلے ہیں بہو دں پر  
 بولوں بڑھ کر تو ذبح کر ڈالے  
 کافی ہے نیک بخت کو بی جان یکدم  
 آج مجھے ہے لڑکھل اور سے مرزا اخلاص  
 کوشش بہت ہی کیا نہ مٹا پونوں کا پیر  
 کیا یا جی بیھوتا وہ مکھڑ بھلا بچے  
 لکڑی کے چور کا نہیں کرنا ہو کوئی خون  
 گالی جو منہ سے نکلی ہو کا ٹوٹنی بان  
 ہر گھڑی کے جھٹلانی مرے منہ پر مٹی ہے  
 زنگ سفید پرش بھی جیسار ہو گئی  
 ایسی ہر جاتی سے بی کن نہا ہے خان  
 جو نہ مال پاپ کا اپنے ہو مانی سحر  
 نہ لڑت اٹھا و کی آگے  
 چلتا نہیں ہے زور غبت میں اس سے کچھ  
 لاٹو یہ جی میں آتا ہے دیر سے نکال دیا  
 ساس ہوں پر میں خدا لگتی کہو گی بیٹی  
 تماش کرتی یہ بچی تھاری پھرتی میں  
 ملا تھا ایک ہی لیلی کو لے دو محضوں  
 اتنی جو مے بد نام یہاں نام کریں  
 اکیلی جاؤ زسپد میں طاق بھرنے کو  
 باجی دنیا ہو اور ہماری ساس  
 چھریاں ننڈیں ہیں در کشاری ساس  
 ہے وہ جلا دنی ہماری ساس  
 کسی کو رو نہ چاہئے دو چار کی تلاش  
 ایسی ہر جاتی سے ہو نہ جگہ بڑا اخلاص  
 لاچار جان ہو گئی ایام سے غرض  
 جسے نہ پوچھی بات کبھی در کشار غلط  
 مہندی کے چور پر کیا ختم نے سقم غلط  
 تہمت لگا رہی ہے ہمتاری حرم غلط  
 ایک زہ بار کروں گی نہ کہ سو بار لحاظ  
 اودادو پڑے اوڑھ کے سون خالے باغ  
 کبھی مجھ پر کبھی تجھ پر جوے مرزا عاشق  
 او ہی کیا ہو گا وہ جو رو کا گنگر عاشق  
 اب نہ نام خدا ہوا ہے عشق  
 عزت چہ کی پاس ہے گڑا تارے دل  
 کیا خوش ہو اسے دیکھ کر تیرے اشارے دل  
 پاس مرزا تڑا امراؤ ہو کر سہتے ہیں  
 میں ہدیے دیکھواتی پیاری پیاری پتی  
 ہزاروں اس سے تو خوشی ہمارے بھرتے ہیں  
 انہیں کی تنہا بڑی کر مے غلام کریں  
 دگاتا جان تھیں جھکے ہم سلام کریں

عجب طرح کی نچی دیکھ اس لئے کے  
 بجلی گرسے اکھی مہاجن کی جان پر  
 سنتی ہوں ایک روز بھاتی ہیں مردوا  
 جیسے بھانسنے مجھے باجی تھکے اتھکے پاؤ  
 مردے کھاتی ہوئیں تیسوں کلاموں کی تم  
 جاکے سسرال میں دھکے صنف خانم تو  
 میری مائے نکالی ہے نئی جیسے چھڑ  
 اپنے گھر لوہے کی وہ جاکے خبر تو لیویرا  
 بیاہ خانم کا تو کرینے کو تیار ہوئیں  
 میں پڑی کیا اہیر کے گھر میں  
 ایجان لکھوئے کھل جاؤنگی میں اب  
 سید اکھ کہہ میں بڑا کائنات میں  
 مری ہی جاتی ہوں تم جیسے عقلمند نہیں  
 نہ شوق گمانے کا جھکو نہ ہے بھانسنے کا  
 بڑھیا کے بوٹے چوہو پیر مر دیا مر یا  
 آنسو کی جب جھڑی لگتی ہے ہر ہوتا ہے  
 ڈھونڈتی پھر تی ہیں ہائی کریم کا دکھان  
 خضم جھڑا کے موسے دل نہ یا کروایا  
 نہ جاؤ تم پڑو چلے میں بھوکے بھائی کو  
 اتنی کوڑھ پٹکے ایسی مضافی کی ہاتھو نہیں  
 جان صاحب بن جوئے دونگی بچی کرسوار

نگوڑے سوم کی پگڑی اتار لیتے ہیں  
 کیا پگڑی کھٹائی میں کازن کی بائیاں  
 کیا نیک بخت ہیں مے ہمسائی دایاں  
 گئے گئے ننھے ننھے سپاہے سپاہے پاؤں  
 تیرے بن لپچھے گئی ہوئیں جواک بار کہیں  
 پہلے ہی روز نہ کر بیٹھو اقرار کہیں  
 بھجھتی ہوں کہیں جاتی ہو میرا کہیں  
 ان کے ہنسے زیادہ نہیں مکار کہیں  
 باجی کوڑی کا سہارا نہیں لاجا نہیں  
 پھنس گئی بڑھی بھینس لیل میں  
 اوقات مجھ نجھی کی ہوتی بس نہیں  
 لیکن سہائی سب کی ہوشوں کی ذات ہیں  
 میں بات چیت میں تعان بھی بن نہیں  
 اسی سے حسن مراد دوسرے نہیں  
 اتری ہوئی گمان میں بے پر کے تیر ہیں  
 دل نکڑا ہوا گیا جھنکر گہر ساد ہیں  
 چھاؤنی کا گھر تنہائی پہن کر ساد ہیں  
 کیا اسی نے ہے پے راہ راد سے جھکھو  
 لگے میں درد مرنی ہوں لالائے وہ دانی کو  
 کر کے کرو یا غارت مری نکلیا گئے باز کو  
 دن کو کیا سہ تے تھے لائے ہوا سی رات کو

سوت کی بھتی نہ کھائی باج وینا سے چلی  
دل میں میرے رہ گئے فحش یہ ریاں دو  
بٹھکار کے منہ پر ہستی ہے چل چنے  
منہ اپنا دیکھ مردوے منگو اگر آئینہ  
مسجد کا طاق بھرنے لگوڑی چلے گی گب  
کیا فرض ہو دو گانے کو کرنا سنگھار کچھ  
خوب گن سکے کواری کھیل کر جیش کے ساتھ  
رات کو مٹی ملی اندھیر ہو سون کے ساتھ

دوسری بھوسی سے صد میں جھپٹی چھٹا  
میں بھی برباد ہوئی اس سے ناشائستہ  
شمع افروز کی بی جھپٹو پیر بھیتی کہوں  
تیل پانی کے کنول آج ہیں روشن دیکھے  
یہ درخت کا جھگڑا ہے سونچھوٹی ممانی  
دو چار بڑے اپنے ہول دو چار بھٹکے  
ڈرنکے کیونکہ ان دنوں کی جھکو چال سے  
چھو کر ہی اندھی ہوڑ کا کم نہیں ہو چال سے  
ریختی پڑھ کے بڑا پے میں سکتا ہے بوا  
جان صاحب کی اجی دیکھو حاققت نہ گئی  
انہی کا تار لانا نہ اکدن ہوا نصیب  
حلوئی کی دکان کی بھیتی کیوں کہوں  
سوتے کائے گئے مرا زور اتار کے  
کیا ہونگا گل ہزار کھلا سے موا بہار  
دنرت آسمان مٹھائی کا تھاں ہے  
کھلوانہ ہو کر میں تھے دل در بند مجھے  
میں پات پات ہوں ہ اگر ڈال ڈال ہے  
با بھن یہ تجھے کتا ہے پوختی چاکے  
رسوانہ کنز ذلیل نہ کر گھر بگھر مجھے  
مڑگا دو مجھے ڈولی سیکے کو جاؤں  
پھندے میں تم پھنسو گی ایجن چار کے  
تمھارے لئے کچھ بُرائی نہ ہوگی

جسٹس۔ راز من بیگ نام تھا۔ لڑا بہ عمدہ الملک امیر خاں کے درجو محمد علی شاہ کے  
ایک بڑے امیر تھے متوسلین میں تھے رفتہ رفتہ تقرب شاہی حاصل کیا اور محمد شاہ بادشاہ  
کے عہد میں منصب سہ ہزاری پر فائز ہوئے۔ نہایت ذکی الطبع اور قہر میں تھے۔ طبیعت میں  
نظرافت کا جو ہر خدا داد تھا۔ دانستہ نہ کہتے تھے تب بھی وہ مذاق پرستین سے متین شاعر بھی آشکارا

ہو جاتا تھا۔ یہ تین شعر اسی قسم کے ہیں۔ جو نمونہ کلام کے طور پر درج کرتا ہوں زیادہ کلام  
نہ مل سکا مجھ کو راہنی پر اکتفا کی گئی۔

بلبل کو باغیاں سے رہت کھٹا پٹی	تا صبح کیوں نہ دوسے چین میں چٹا پٹی
آجھ نہیں میں بس کہ نہا ہے ترے لئے	پر نیرہ سیاہ و سفید و سپٹا پٹی
پڑے کیوں ہر اک بات میں مٹی وہ جھنسی	صفادانوں کی ریشیں سب می میں تھنسی

**جعفر زٹل**۔ میر جعفر نام تھا۔ اس میں اختلاف یہ کہ دہلی کے باشندے تھے یا نادر شاہ  
کے بہر صورت عہد عالمگیر کے دور آخری کے نامی گرامی ہزارا تھے۔ اور ہزارا بھی اس دور کے  
تھے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے۔ جبکہ اور مشہور شعرا بھی آپ سے ہم نشین تھے۔ آپ کی حالت یہ تھی کہ  
جس کسی امیر یا رئیس کے ہاں ملنے جاتے تو پہلے ہی سے ایک کاغذ پر سبزیان کی مدد اور  
ایک پر سبزی لکھ کر پاس کلمہ رکھ لیتے۔ منزل مقصد و پرچہ ہر جگہ حسب دلخواہ خاطر تواضع ہوتی  
کچھ ان کی نذر بھی کیا جاتا تو انہو المراد۔ ورنہ غصہ کے نعرے مٹا کر پارہ چڑھ جاتا تھا۔ وہ ہجو  
کا پرچہ نکال کر پہلے اس شامت، زوہ کو ذور ناست اور پھر اسکی اس زمانہ کی رسم سے مطابقت  
اشاعت کر کے اس غریب کی اتنی رسوائی کرتے کہ منہ دھانے کے قابل نہ رہتا۔

ایک مرتبہ الامام القادر بیدل سے ملنے گئے۔ وہ ایک سابقہ وضع کے درباری نیک سیرت  
ساکت خوش مزاج شاعر خوش فکر تھے۔ آپ نے پہلے ازراہ کرم نوازی پہلے تو کچھ ہر ایک کا کلام  
سننا۔ طبیعت مختلف ہوتی تو خود بھی کچھ کہنا چاہا۔ بیدل نے اجازت دیدی۔ آپ نے کچھ مدح  
کرنے کا قصد ظاہر کیا۔ بھلا ان کو رک کون سکتا تھا کسی شامت آتی تھی بیدل نے اشارت سے  
یہ بھی بادل نا خواستہ منظور کر لیا۔ آپ نے کچھ یہ شعر پڑھے۔ میں کا ایک شعر یہ بھی سننا  
سنا۔ چہ عرقی چہ فیضی۔ پین تو پشش۔

بیدل ایک متین نہ رنگ ستے سنہ تو، عرف شرم میں نہا گئے اور کچھ دے لائے۔

ان کو ٹال دیا۔

میر جعفر نے ابو اسحاق اطمہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ وہ بھی ایک پڑائے ہزل تھے لہذا آپ نے وہیں سے یہ رنگ بھی اٹھ کر لیا۔ اور اس میں ایسے کامل الفن ہوئے اور ان کی شاعری اور ہزالی کا ایک خاص معیار قرار پا گیا۔ جسکے لئے بہت سے نقادوں کا خیال ہے کہ انھیں کے ساتھ ختم ہو گئی۔ کیونکہ جہاں اس میں غش اور لالینی باتوں کا جوم ہے اور کائنات کی طرح پڑھنے والے کی آنکھ میں لٹکتی ہیں اسی طرح اس میں بعض نظیں ایسی ہیں جو حفاظ کے ساتھ اخلاق و انسانیت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ ہیں مگر انہیں کہ ہزل گوئی کی شہرت نے ان جواہرات کو ماند کر دیا۔ اور صرف ہزل میر جعفر کے نام سے محفوظ ہو گئی۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ انھوں نے ابو اسحاق اطمہ سے ابتدائی تعلیم کی کتب پڑھیں۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ ابو اسحاق پہلے استادوں کے موافق ایک جائز استاد تھے۔ ہر وقت لڑکوں پر تشدد کرتے تھے۔ لڑکے اس روز کی نادر شاہی سے عاجز آگئے تھے ایک مرتبہ اپنے استاد بھائی میر جعفر زلی سے شکایت کی۔ یہ بھی استاد کے ستم دیدہ اور آفت کشیدہ تھے فوراً انتقامی کارروائیوں کے واسطے تیار ہو گئے۔ قلم کا چارستان حربہ سنبھالا۔ اور استاد کے دل پر وہ کاری زخم لگائے جنہیں کوئی مرہم کبھی نہ بھر سکا۔ یعنی پہلے تو ایک نظم بھوت بڑا رانامہ کے عنوان سے لکھی پھر اور کچھ لکھا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مولوی صاحب کو خبر ہوئی۔ اور اچھی طرح تحقیقات کرنے کے بعد میاں جعفر کو بیک بینی و دو گوش اپنے مکتب سے نکال دیا۔ میر جعفر مکمل تو گئے۔ مگر سمندار کو اک اور تازیانہ ہوا۔ گویا بارودیں آگ لگا دی فوراً ایک کچھو اٹلمہ لکھا۔ جس میں مولوی صاحب کی جی کھول کر چھوکی گئی تھی۔ اس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

کستا ہوں کچھوے ناسے کو نادر شاہی      سمن صاحب کو گئے مجھے اس بچن سنی  
مشہور رہے یہ بات کھوے زمین سنی      کچھوے کو شیخ جی نے غادی تھی ننی

تس کا کردن بیان نوحان وطنی

یہ کچھ اناج ایسا مشہور ہوا کہ شہزادہ کام بخش کے کانوں تک پہنچا اور میر صاحب طلب ہوئے۔ چونکہ نظم میں ہجو کے ساتھ ہی طرافت کی خوشگوار چاشنی بھی موجود تھی۔ اسی کے اثر سے خوش ہو کر شہزادہ نے مورچل کی خدمت میں جعفر کو دیدی۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جعفر زطل نہایت اچھے شاعر ہیں تو شہزادہ نے امتحاناً ان سے ایک غزل کی فرمائش کی انھوں نے قیل ارشاد کی اور غزل کہی جس میں کے ایک دو شعر یہ ہیں۔

از عاشقی بیچارہ مکن نخرہ بگو گنگھٹ      مانگے بوداں گری بازار جہے تو  
تا چند کنی عشوہ بریں رنگ گللابی      یہ رنگ پینکے کا اڑن ہار جہے تو

شہزادہ نے غزل پسند کی اور اسکی بدولت میر صاحب کی شہرت ایک سے دو چند ہو گئی مگر خالی شہرت سے کام نہیں چلتا ضرورت تھی کہ نقد و جنس سے کچھ ان کی امداد کی جاتی مگر ایسا نہ ہوا۔ میر جعفر کا دل تنگ ہو گیا اور اب ان کو مورچل کی خدمت بار ہو گئی انھوں نے فوراً اس خدمت کی ہجو لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔

تو بہ ازیں دوسرے مورچل      دمدم ازد مدہ جاں در خلل  
تو بہ ازیں مسکن رذن فراخ      روز و شب آوازہ پچس پچوں پٹلاخ  
تو بہ ازیں مسکن پر شور و شر      مرحلہ پر خطر و خوف و ڈر  
پر خس و خاشاک بہ سر ڈکری      نزد خرد بہتر ازیں ڈکری  
جعفر ازیں کو چہ دریں مورچل      شرم حضور کی بکن دلوٹ چل

شہزادہ کو جب اس ہجو کا حال معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوسے۔ جب ان کو یہ خبر ہوئی تو انھوں نے شہزادہ کو لے ڈالا ہجو لکھی اور دل کھول کر لکھی ایک شعر یہ ہے۔

زہے شاہ والا گھر کا بخشش      کہ غنچہ بزد کرد پچی و بخشش  
اس کے بعد ڈکری سے بیزار ہوسے اور دکن کی طرف چلے گئے مگر بد قسمتی ہر جگہ  
ساتھ لکھی بیان بھی روزگار نہ ملا تو جعفر صلا کر یہ غزل کہی۔



تنہا شدی اندر سفر کہ جعفر اب کیسے بنے  
اقدا دی اندر مجبور کہ جعفر اب کیسے بنے  
در یکیں تاجوہ با درد و غم آلودہ  
مفلس شدی دور بد کہ جعفر اب کیسے بنے  
از چو آن سلطان خود کزی پشان شد  
در ماندہ بے بال و پر کہ جعفر اب کیسے بنے  
اسباب ہم برداشتی تخم فلاکت کا شتی  
انکوں کجا الیم و ز کہ جعفر اب کیسے بنے

اتفاق سے جس زمانہ میں یہ پریشان روزگار دکن کی خاک چھانکتے ہیں یا نکتے کو دوں چھانکتے  
پھر رہے تھے اسی زمانہ میں ذاب کو کھٹاش خاں ستارہ کی مہم پر گئے۔ جعفر نے اس موقع کو  
غنیمت جانا اور شہر کا ایک رقبہ لکھا ذاب پر بڑا اثر پڑا۔ اپنے یہاں ملازم رکھ لیا مگر صرف کھانا ملا  
تھا نہ کپڑے مقرر ہوئے۔ اور نہ کپڑا بنانے کے لئے کوئی پیسہ ملا۔ مجبوراً ایک منظوم غرضداشت  
لکھی۔

ز خان جہاں شاہ گیتی پناہ  
زمیدار جواں زطل و داؤد خواہ  
جواں پڑ گئیں در قبا و ازار  
نہی آئی مشکل بہ دلی دیار  
رکت کی جویں میری بیاسی پریں  
کہ حیران و ہلکان مجھ کو کریں  
لو میرا پی پی کے موٹی بویں  
نہل پنج دشمن مری ہو رہیں  
جواں مارے مارے شب کوشت  
وے یک جویں از بیاس کم نگشت

خیر (تساہل) کہ یہ عرضی منظور ہوئی اور کپڑے بنوا دیے۔ مگر چند روز بعد اور اسباب پیش  
آئے اور یہ وبال سے بھی جدا ہو گئے۔

میر صاحب کی زندگی نہایت مفلسی اور مفلوک الحالی پریشان روزگاری میں بسر  
ہوئی۔ مگر وہ زمانہ کی زبردستیوں سے عاجز نہ کر کبھی چیخ نہ اٹھتے تھے۔ بلکہ نہایت آزادی  
در غرضتوں سے ان تمام سختیوں کو برداشت کرتے تھے۔ اس طرح ان کا منظر شاعری خاص  
کسی کی طرح و ذم کا پائید نہ تھا۔ وہ ذاتی خصوصیت کی بنا پر کسی کی بھج نہیں کرتے تھے بلکہ  
بلکہ ہمیشہ اس سے تفریح و انبساط مقصود ہوتا تھا۔

اُن کی ظرافت اگرچہ بزل کے درجہ پر پہنچ گئی ہے۔ اور خوش طبعی سحر اپن کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ سحر اپن ہو ظرافت ہو بزل ہو کچھ ہو اس درجہ کی ہے جس کا جواب بڑے بڑے اہل کمال نہیں دے سکتے۔ اُنکے ایک نقطہ میں ظرافت اور خوش طبعی کا ایک جہان پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ جیسے مزاج و خندہ روئی کے خوگر ہیں اتنے ہی اخلاق کے دلدادہ ہیں اور اخلاق کے نکات بھی کبھی مولویوں کی طرح بیان نہیں کرتے بلکہ اس میں بھی اپنا انداز خاص قائم رہتا ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں ایسا کہتے ہیں کہ دلبر سرت اور ذمت کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اسکی درجہ خاص یہ ہے کہ گو وہ ایک مخبر ہے۔ رنگین مزاج ہیں۔ مگر علم و فضل و فن سے ویسے ہی آشنا ہیں جیسے اس زمانہ کے باکمال ہوتے تھے۔ عربی اچھی طرح جانتے ہیں۔ فارسی کے ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ اس کے ماہر کامل معلوم ہوتے ہیں اور اس بے تکلفی سے اس کو استعمال کرتے ہیں کیسی اُن کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

میر جعفر کے ایسے واقعات جنہاں کی بہت سی مایہ ناز نظموں کا دار و مدار ہے بے تعداد ہیں جن میں سے ہم چند لکھتے ہیں۔

لطیفہ جس زمانہ میں میر جعفر کو کلتاش کے یہاں رہتے۔ بتے ایک روز یہ اتفاق پیش آیا کہ مرزا سلیمان کی اہلیہ مرزا سے ناراض ہو گئیں۔ میر جعفر کو خبر ہوئی۔ یہ جانتے تھے کہ مرزا کی بیوی اپنے گھرانے کی عورت ہے اور یہ دیل ہیں انہوں نے چند قہقہے کھڑکے جو ہجو بھی ہیں سامان تفریح بھی۔ ہند و نصائح بھی۔ عزت بھی۔

جعفر اور جہاں معاذ اللہ ہر کہ محتاج نان زن باشد  
تواند کہ ضبط بنشد نہ گرچہ عفریت و اہرمن باشد

جعفر افسوس کہ زن یہ کند آہ آل زن زنت مرد کہ خد  
آرزوے دلش بہ دل ماند خود پے نان خراب و رسوا تر

ہر زن کردند در اقدام بکواب پریشانی      دل و دین رفت و نیل شدہ در کم غمناکی  
 بے خوش گفتہ مصرع جعفر این ازہ فطرت      چرا کاسے کنر عاقل کہ باز آید پشیمانی  
 مرزا سلیمان کو جب یہ خبر ہوئی تو بہت اگے اور کوکلتاش خاں کے پاس پہنچے۔ میر جعفر  
 کی سخت سے سخت شکایت کی مگر انھوں نے معاملہ کو مہنی میں ڈال دیا اور ٹال دیا۔

ایک موقع پر کوکلتاش خاں نے غنیم کو سخت شکست دی۔ اور بہت کچھ مال غنیمت  
 پایا۔ جب مال غنیمت تقسیم کیا تو ادھا مال خزانہ شاہی میں بھجوا دیا۔ وہاں سپاہیوں میں  
 تقسیم کر دیا۔ یہ سپاہی تو تھے نہیں کہ کچھ ان کو بھی ملتا۔ میر جعفر کو سخت رنج ہوا۔  
 نواب کے پاس پہنچ کر کہا کہ مجھ کو بھی حصہ دیجئے۔ کہا تم سپاہی نہیں۔ مرد میدان نہیں پھر  
 حصہ کیا۔ نیز اس وقت تو جعفر خاموش ہو گئے مگر دوسرے دن اپنا تصنیف کیا ہوا  
 رستم نامہ لیکر پہنچے اور نواب کو سنایا۔ جو یہ ہے۔

من آں رستم وقت روئیں تبم	کہ وہ پاڑا زشت خود بشکنم
کنم روزن اندر چپاتی یہ تیر	بر آرم دمار از سر مور تیر
کشم گون پشہ را در کسند	گس چند را من در آرم بہ بند
پوشم اگر جو شش جنگ را	ہر میت دہم پسوے لنگ را
یہ صد حملہ بال گس بر کنم	قطار دوصد مور بر ہم ز ہم
اگر ہر زخم پنجہ در دال بجات	فتد بہبت و خوف من در جات
یدوزم برج سناں دود را	شگافم بہ چنگال فالود را
دریں دور ثانی رستم منم	بتا سا بہ گزیر گراں بشکنم
بہ ہنگام خشم و تردد تلاش	کنم غرق انگشت در دال تلاش
من آن نھو ارم کہ روز بند	بر آرم بہ کیشٹ از پشہ گرد
چنان بشکنم رستم خام را	کہ سادہم نجل رستم و سام را

من آں گرا سپ چولاں گسٹم  
 چشمتنم از خضر آسپ دار  
 اگر بر کشم تیغ تدبیر را  
 تمنم خنم گر کشم تیغ خشم  
 نہ آئم کہ بہ گریہ ہم از گور خشم  
 بہ نام و نشان جھنم دریند  
 فلذہ ادم در اندام شدم  
 سرمسکال بر سر دار بہ  
 تیرسد دل شدم از شاعراں  
 چوبند مرا شوم تھر تھر کنند  
 اگر بنگرد صورت من بخیل  
 بای جعفر این قصہ کوتاہ کن  
 چہل خانہ موش ویراں کنم  
 بجلا و جفراست ہنگام کار  
 بہترم سر شیر تصویر را  
 ترا شمش بد و ضرب یکے پشتم  
 بہ گزاش کنم سینہ خود سپر  
 چو گز خسرا دازہ من بلند  
 کنم زیر پوسستہ و دکام شوم  
 نہ بر دار بہ بلکہ در غار بہ  
 چوانہ باز و شاہین دل طار راں  
 چوانہ گر بہ مرغی کہ کر کہ کند  
 گر نہ د چوانہ گان فراغ ذیل  
 بہ سمت جناب رخی راہ کن

اتفاق کی بات ہے کہ میر صاحب بہ یہ فخر بہ رجز سار ہے تھے اسی وقت خبر آئی  
 کہ نایہ نوح مغلوب ہو کر دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئی کہ کلاش خاں کہ  
 باندہ ہوا۔ اور ایستہ بگڑے کہ میر صاحب کو نکلو دیا۔ اس طرح میر صاحب کو لینے کے  
 دینے پر گئے۔ دو نظمیں لکھیں جس میں سے ایک میں اپنی شان استغنا کا ذکر تھا۔ دوسری  
 میں لڑکری کی برائیاں تھیں چنانچہ دوسری نظم یہ ہے

بشنویان لڑکری جب گانہ ہونے لڑکری  
 نہر و زہرا لڑکری دیکار میسوگر پڑی  
 دس بیس مجرہ میں کیئے دس بیس بیس  
 ایک مرتبہ میر صاحب کہہ رہاں چو رہا ہو گئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا غنہ میں یہ نظم کہی۔

دلا در مفلسی سب سے اکڑ رہا  
یہ عالم ہے کسی سب سے اکڑ رہا  
چکن اور زر کا چیرہ چشم کر بوجھ  
بھٹی پگ باندھ کر سب سے اکڑ رہا  
اگر شلور نہ باشد کسکو غم ہے  
لنگوٹا باندھ کر سب سے اکڑ رہا  
ایک دفعہ لوگوں نے صلاح دی کہ کوکلتاش خاں سے عفو جرائم کی درخواست کرو  
انہوں نے ہرگز منظور نہ کیا اور یہ نظم لکھی۔

اے تو نگہ میں نقل آتشورہ تاجیک  
شریت قند دگلاب کورہ کورہ تاجیک  
کچ کلاہ و قرب شاہی غزو جاہ و مال و  
پاندان نقرہ و زریں کٹورہ تاجیک  
کل شیٰ مالک جعفر زباں لہجہ  
ابن سخنامے زبیل بھگت لہجہ تاجیک  
بادشاہ ذریعہ اور نگریب کو جب دکن میں فتح حاصل ہوئی تو آپ نے ایک نظم نامہ لکھ کر  
قصہ کیا کہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں مگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور دربار تک رسائی  
نہ ہو سکی اسکے بعد یہ توکل کر کے بیٹھ رہے دو چار شعر نظم نامہ کے یہ ہیں۔

زہے شاہ اور نگ دہانگ بلی  
کہ در ملک دکھیں پڑی کھل بلی  
برآد و عسکر بصد و ہوم و ہام  
کہ ہل چل پڑی بر سر روم و شام  
دریں پیرسانی و ضعف بدن  
مچائی دھما چو کڑی درد کن  
زہے شاہ شاماں کہ وقت و نا  
نہ ملد نہ ملد نہ جنبہ و جا  
کمر بستہ ہشیار میدان پر  
شب و روز تیار لگھسان پر  
اور نگ زیب کی وفات پر میر صاحب نے دوسری نظم لکھی ایک نہایت مہین ہے  
دوسرا ان کے رنگ کا ہے جسکے دو شعر یہ ہیں۔

اور نگ زیب مر گئے نیکی جگت پر گئے  
تخت اور چیمہ کھٹ دھڑ گئے آفرنا آفرنا  
مرا خدا کی یاد میں رکھا اور نگ باہیں  
خبریں گئیں بغداد میں آفرنا آفرنا  
اعظم شاہ کی تخت نشینی پر بھی ایک نظم ایسی ہی لکھی۔ مگر یہ نتیجہ رہی۔ آخر عمر میں یہ رنگ

ہلکا ہو گیا تھا۔ اور بجائے زٹلیات اور شوخیوں کے تین مضامین اور پیرائے جذبات دیا دہ ہو گئے  
اگرچہ طرز بیان وہی تھا مگر پھر بھی بہت فرق محسوس ہوتا ہے یہ دو قطعے اسی رنگ کے ہیں۔

جغرا بر سر عروس جہاں      چند پاپوش و چند کلمہ نرن  
زانکہ ایں باکسے نکر و نسا      برہمہ نقد و جنس ٹلمہ نرن

تذکرہ خجاندہ جاوید میں لکھا ہے کہ جب اعظم شاہ تخت نشین ہوئے تو شعرا کے ساتھ میرٹھا  
نے بھی سکے نظم کیا اور وہ نہ صرف پادشاہ کو پسند ہوا بلکہ خاص و عام کو پسند آیا۔ پادشاہ نے  
انعام میں خلعت فاخرہ اور ہاتھی۔ اور ایک لاکھ روپیہ دیا۔ مگر ان کے استغنا کا یہ عالم تھا  
کہ گھر بھر بچے بھی نہ پاسے اور تمام روپیہ راستہ ہی میں صرف کر دیا۔

میر صاحب کے کلیات میں اگرچہ فحش بہت زیادہ ہے پھر بھی وہ انواع و اقسام ظرافت  
نظم و نثر سے ملبوس ہے چنانچہ

(۱) گفتگو نامہ نثر جن میں اردو کے محاورات اور ضرب الامثال کا محل صرف نمایاں ہے  
سے بتایا گیا ہے۔

(۲) رقعات نثر جن میں تلازمے اور طرح طرح کی شوخیوں کا وہ عالم ہے کہ دیکھنے  
والا رنگ رہ جاتا ہے۔

(۳) عدالتی تحریریں نثر اپنے خاص بالخاص رنگ میں جن میں تلازمے ظرافت شوخی  
اپنے اپنے محل پر سبھی کچھ ہیں

(۴) شرات نامہ جسکو شاہی یادداشتوں اور نثر کے طرز پر مرتب کیا ہے۔ اور اس  
میں نثر الامثال کو اس صورت سے صرف کیا ہے کہ بے اختیار قہقہے کرنے کو بھی چاہتا ہے۔

(۵) مصطلحات زمانہ۔ یہ نعت کے طریق پر ہے۔ زمانہ کی رسم و رواج اور ضرورت کی موافق  
اس میں الفاظ کے معانی بیان کئے ہیں۔ اگرچہ اسکو دیکھ کر میر صاحب کے کمال ظرافت پر ایمان لانا  
پڑتا ہے مگر اسکی ایجاد کا سہرا غالباً عبید زاکانی کے سر ہے۔ انکی نعت بھی ان کے کلیات میں

شامل ہے۔ ان کے علاوہ اور اقسام کی نشریں بھی پائی جاتی ہیں۔

حصہ نظم۔ جس میں طرافت۔ واقعات۔ ہجوایات۔ رقعات۔ دستور العمل۔ ہنر و کمال۔ رجز۔ نسخہ جات۔ سئلے۔ غزلیات۔ مودھل نامہ۔ کچھوے نامہ۔ سدس۔ طفر نامہ۔ درانی۔ سپش نامہ۔ تفسیر قطعات۔ اردو فارسی سمجھی کچھو ہیں۔ اور ہر ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے۔

اگرچہ اُنکا کلام ان کے رنگ میں سراپا انتخاب ہے مگر ضرورتاً غور و نظر سے اس انتخاب پیش کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ قطع کرنے پر بعض ناظرین کو تاہلی کی شکایت پیدا ہو۔

### انتخاب دستور العمل نظم

ہر دن کہ باشد بگجو۔ در ہال شکے ربو	دارد بہ شوق ہر گفتگو اس نامے اکابر
جو رو لڑا کا گر بود پر خوف و ڈر لگ کر	وہ گھر مدد ابتر لڑا اس گھر سے لگا پار
جو ناز چنگے چال میں سسکی بھر چال میں	کا لاف ہے کچھ دال میں از قرب و زندار
جو زندہ ہو کا جل کر ہے چندن پر ہن سے	چڑی ہن ہندی کرے برگردنش تلوار
گوٹرا جو اساری نہ سے صاف پلائے	بیٹا جو وہ یاری نہ سے یار ہر تن فی التار
سسر جو بول تنگ جی مسک میں جی	داماد سے ہر نگاہی اس سے سگ دربار

جعفر بہ ہستان جہاں و غنیمت است	شادی تو
دو پیازہ و گیاب نہ باشد اگر جزا	زاں ساگت خاسم بہ ہم غنیمت است
گرا سپک صفا بعد رو بہ کار تو	یک شجر گدہری پالم غنیمت است
آواز شیوہ بردہ ز سر گدہر بوش تو	آواز بول بیگم و خانم غنیمت است
تربوز و خر پزہ بود گر میسر	یک سبز مھانک کچھرہ بالغ غنیمت است

## ہجو مرزا خدا یار بیگ

زہے قدرت پاک پروردگار	کہ مرزا خدا یار مارا پچھاڑ
کروں اپا خبر شہر بازار کو	لگی آہ مہری خدا یار کو
خدا یار پر صبر میرا پڑا	کہ تالاب پر یہ کھینچا پڑا
بدست حریقان گرفتار شد	پہ پشت و سرششت دینار شد
چہ مرزا چہ رفقا و گفتار او	چہ آواز پیرا و دستار او
سزا سزا سر لگی لاگنے	شک چال مرزا لگے بھاگنے
پکڑ باندھ کر جب مرزا کیا	کشد اس کا تال گشت کیا
دریغا چہ صورت چہ دستار او	چہ پا جامہ چہڑیاں دار او
چو این صاحب جان باباشنید	وداد و داد و پیالے رسید
دستہ جان بابا شرف آب	کہ کو آچھٹا یا لگڑے شتاب
جہاں میں کروں آج میں بوڑھی	کہ گیدر کے منہ سے جھٹی بوڑھی
خدا یار مسکین و ہمدہم کشا	بلیا کے نیچے سے چوہا چھٹا

## ہجو مادھو داس چوکی ٹولیں

سگ لہیڈی ازوسے نکو تر بود کہ از عفت نفقہ مردرا ڈر بود

## مہج شاہزادہ محمد کاظم بخش

سزا سے خداوند گیتی پناہ	توئی وارث و مالک تخت و جاہ
بدرگاہ تو ہر کہ کھٹ پٹ کند	خدایش یک لڑچٹ پٹ کند



جو تجھ کو ہراس میں چیتا کرے / غیاغپ شایب کے ہالے پڑے گے  
 من از صفت چوں چوئی و بھوسیم / نہ چوری سہرا نیل شکو سیم  
 مرا طاقت مگر اد کجا است / تن، توش آئکس چو کالی گھٹا است  
 ایک مرتبہ قمر النساء بیگم نے میر صاحب کو اپنے دیوان کی معرفت تیس روپیہ انعام دلوائے  
 اس نے صرف پانچ روپے باقی خود خورد برد کر دئے انھوں نے ہجو کی جس کا یہ اثر ہوا کہ  
 قمر النساء بیگم نے اپنے دیوان فح علیخاں کو بہت ڈانٹا اور میر صاحب کو پورا روپیہ دلا دیا، جو  
 کا ایک شعر یہ ہے۔  
 دلائے تیس لیکن پانچ بکھلے / فح حناں کی اتھی..... بکھلے

### ملح حسن معشوق

جعفر چہ پیسی باشد کویر باغی بیا / بر حسن ز جبریل گرفتار جو ہے سو  
 باتیر انا کافی در بر چہ تنافل / امر و زنجے مارے اسے یار جو ہے سو

### جوانی کے جانے کا غم

ذرینا کہ جو بن چلا رو س کر / اَللّٰہ تَلّٰہ کا گھر موس کر  
 ارے ہاے جو بن چلا جاے س / چہ چارہ کہم کہتے رے ہاے رے  
 مرا عشق و انکھیل پن از تو بود / شب و روز ایل پن از تو بود  
 طفیل تو بود ایں کلیل و چھلنگ / بیل تو بود ایں الول و ترنگ  
 جوانی زمین چوں شنید ایں بیاں / نگو گفت در گوش ہو شمع عیاں  
 کہ اسے گل پڑ پینچ ہو گنہ پاں / توئی میزبان و منم میہان  
 ندانی کہ سماں نگیر دستار / بجز ایک شب یا دن دو سچار

برو صبر کن با بڑا پا پساز  
ازیں پس مکن پاپ غفلت دراز  
بڑا پا بود مغفرت خواہ تو  
بود تائب گور ہمسراہ تو  
جوانی د جوین پڑو بھاڑ میں  
کہ آخر ٹھکانا اسی غار میں

## تصوف

در تمام وقعود از کشن نفس غور غوط  
در خدمت حق بازی کنی کہ نہ باشد  
دارد خبر از لذت چپ چاپ عبادت  
آنکس کہ شکم سیر بہت کموہ نہ باشد  
بر تہیہ تہیہ تہیہ تہیہ منہ دل  
سارے تو فروا چو سیہ تو نہ باشد  
بے سود بود تو بہ پیشی دہ پیری  
منظور چنین تو بہ پچھلوہ نہ باشد

## مدح عالم گیر

زہے حکمت شاہ اورنگ زیب  
کٹاوسے رطاوے بہ فن دفریب  
نقارے دما موں سے دھول ہول کیا  
بہر نوا کرنلے بھول بھول کیا  
عجب اوٹ این کوٹ بیجا پوراست  
کہ ہر راج اوٹل بہنہ سر است  
چہ گویم ازین قلعہ بے لگاؤ  
کہ انگشت را نیست در سے نکاؤ  
لگا کوٹ کو مورچہ حاسے کر  
بیمالا سکندر کو انگلا سے کر  
زہے بادشاہ ادب و دیو بھوت  
بلی و ولی نعمت چار پوت  
ازیں میں بیٹے نہیٹ نا خلف  
پسر خود خلف بہ دگر نہ تلف  
وگرنہ چہ یار احسن شاہ را  
کہ گر داند امرے شہنشاہ را  
گس را چہ طاقت کہ با شاہ باز  
بہ ہیجا در آید پود کینہ ساز  
چہ پشتہ کہ با شیر پہلو زند  
چہ پسو کہ با اثر دہا پہو زند

چہ شخص کہ باز ہر دہشتری	بہ نخوت زند دعویٰ ہمسری
چہ گیدڑ چہ لٹری پیش پانگ	چہ جھنگر چہ بھی پیش ہنگ
چہ جھل کہ دعویٰ راہی کند	چہ کھٹل کہ پڑ چار پائی کند
چہ فطرہ کہ سربار دریا شود	چہ ذرہ کہ اغیار بیضا شود
چہ جھنگر کہ برکہ چکر زند	چہ مینڈک کہ بر فیل ٹکر زند
چہ جھید شوزہ چہ عبد ارون	کہ دیکھے مٹا تھوک سے چوں حرف
چہ مد ناجی پنڈت چہ مرزا خلیل	بیک دھار پیشاب گرد دلیل
در آفاق بسیار چکر زوم	بہ ہفتاد و دو فرقہ ٹکر زوم
بایں حسن و سیرت چو تو دلواز	ندیدم دریں سیر گاہ مجاز

### سپیش نامہ

مضور جہاں شاہ گیتی پناہ	ز بسیداد جواں زطل داد خواہ
جوین پڑ گئیں در قبا و ازار	نمی آئی مشکل بہ دلی دیار
آدمی رات تن بیچ اٹھی کلبلی	چو دیدم کہ فوجاں جواں کی چلی
لڑائی پڑی جواں سے وقت این	جواں کا چلا منہ چلا میرا بات
جواں مارے مارے شب گذشتہ	دے یک جواں از میاں کم گشت
کڑوروں جویں اور اکیلا منم	دولہا ہاتھ سے تاکجا میز نم
کہ در رقبہ این قبا و ازار	پھروں کھیل تائیں جو دوسے شکار
بڑا پہلوان است افراسیاب	کہ از زور جواں خورد بیج دتاب
جورا کا سس جواں کمر ترکہ ساز	شود سرنگوں طرہ طرہ باز
جواب انشعل خان صدر الصدور	جواں مارنے میں نہ کھیں شور

محمد امین خاں بڑے سارو حول      جو ال سے گئے چو کڑی مار بھول  
جوشہ واد خاں جی ٹٹے شرع دار      یہ پیش جواں کھول ڈاریں ازار

جوانی بگزد و در عسرت حال      بہ پیری پیش آید دولت و مال  
بنزد جعفر مسکین سخندان      بدان ماند کہ بوسہ بعد انزال

جعفر ز رکوب اضفہان کے رہنے والے تھے۔ بے انتہا ہزال اور سفر سے تھکے مگر  
یہ دو شعر مل سکے۔

از خرام آن صغیر تنہا نیاید از من آب      میکشد ز انداز یک غریبلا ز دین آب  
چوں برد حاصل کن از وصالش کہ چوں کیا      سے جہاند از من ادو جالت کہ دین کیا

**جگت**۔ جگت موہن نام ہے الہ آباد کے رہنے والے قوم کھتری۔ سے میر تقی میر  
قریباً ۳۲-۳۳ سال کی عمر ہو گئی پہلے ریلوے کے دفتر میں ملازم تھے اب بینک میں ملازم  
ہیں۔ شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے اور اب بہت اچھی ظرافت کہتے ہیں اگرچہ ظرافت میں  
پختہ شقی۔ اور مراعات النظر ضلع جگت نہیں بھر بھی اشعار نہایت شگفتہ ہوتے ہیں۔ بعض  
بعض ظریفانہ گلدستوں میں آپ کا کلام چھپ چکا ہے۔ بعض رسالے بھی آپ نے ترتیب  
دیئے جو طبیعت کے نگاہوں سے موافق تمام ظریفانہ رنگ پر مبنی تھے انہیں سے آپ کے کلام کا  
انتخاب کیا جاتا ہے۔ کلام میں سبب عدم پختہ شقی بعض بعض جگہ خامیاں پائی جاتی ہیں۔  
مگر عیب کو فروگزاشت کرنے کے بعد نہایت عمدہ انتخاب باقی رہ جاتا ہے۔ دہو ہذا۔

بڑے بھنسا رہو لی کے جو بھتیا ہرے سن پائیں      بلو اچھ کے ڈاکے ہا تھن ہکا بلو اترن  
بڑی کھتر سے ہمارا تھو کپڑا لگے بھتر      بچھنا پھر رسوئیاں والے کمرے ان بھکھوٹا

دسا درپان ال بھو جی سہ کتھ کوب گلو این  
 پڑ کیا اور سپر یا گھر میں اپنے کوب پکوان  
 ہمیں تو پیٹ بھر کے اچھا اچھا کھانا کھلو ان  
 ہماری گود ماں بھلا کے کا نامی سنوان  
 ملن ہمرے بھی گلو ماں اور اپن منہ میں ملوان  
 بڑے ہی سوک سے بھر چکے کلہر پہکا پلوان

گلو ری وان چاندی کا کہیں بھگواسے لے آؤ  
 پجوری پوری رڑی وال موٹھا درہنی تیکر نے  
 گرج ہم کہ سکتا نہیں رڑی کھاتر بھی ہماری  
 بدل لنگا دو پٹہ بھو جی گائن باری بلوان  
 عیبر اور بتکاسب رکھار با بھر بھر کے حقربا میں  
 مگائس دارد موہا کی بہت اچھی ہی اک بڑل

خدا غارت کرے اس کتھ زن کو	نہ کلاٹاٹ کا ٹکڑا اکفن کو
ہم تن پاس کر دیا تو نے	سیتا ناس کر دیا تو نے
دو لڑاں رخسار عنایت کریں کہ کتھ	اب مرے واسطے سہ کار سے چند چوہے
دہر کے ہوسلوں گا رخ رشک کا	کہ چندہ وصل ہوتا ہے صاحب باؤ سے
جہاں بارش کمی کرتی ہو کہیو اپنے دھال سے	کہ اپنے کھیت پر لیجائے میری چشم گریاں کو
چشم نے میری اشکیاری کی	کاشتکاروں نے کاشتکاری کی
ایک دن رو یا ہرے امتحاں میں ناتواں	سو مندر ساٹھ نالے لاکھ دریا بہ گئے
میٹھی نظروں سے جو دیکھا بھگو	کیا میں حلوہ ہوں مجھے کھائے گا
تینوں سے نظر مجھے رڑی ہے	رڑی ہے یا میری قسمت رڑی ہے
خبر دیتی ہے بھکی ان بتوں کی	بہی فیشن کی یہ جیسی گھڑی ہے
پھینے جاتے ہیں سب اسکی گھڑی	تمھاری زلف ہے یا تنگ رڑی ہے
زرخ انور پہ ان کے مہیاں خال	یہ بیڈیہ دودھ میں مکھی چڑی ہے

اگر غفلت سے باز آیا بھائی  
 بہت بے پیر پر لعنت خدا کی

شکرت ناک پر انگلی کو رکھ کر      کہا ایجا دے میری ادا کی  
 غم بھراں ہے یا بھاگن کی آتش      دل ویراں میں ہوئی سی جلا کی  
 ہو اس سیم تن سے جب سے سونا      اسیدن سے مری چاندی کٹا کی  
 چیت جھٹ مار دیتا ہے اچک کر      بڑی علوت ہے یہ اس بے وفا کی

نہ ہو کیوں کم سنوں کے شہریت دیدار میں لذت      مزا دیتا ہے جب پانی تلک بھی کو بہہ رہی کا  
 مثل لقا کے اڑنے لگا وہ ماہ لفت      اب جگت کا بھی اڑا ہوش کبوتر بنکر

کیا خلق میں آموہ بیدار ہیں بچھر      مزہ دے کچھ کم نہیں شہلا ہیں بچھر  
 پیاسے ہیں یہ ظالم بنی آدم کے لہو کے      سفاک ہیں خوشوار ہیں جلا ہیں بچھر  
 چاہیں جسے کاٹیں جسے چاہیں سے کھائیں      خالق کی خدائی میں لٹاؤ ہیں بچھر  
 مارے کوئی لاکھ ان کو مگر فائدہ کیا ہے      مشکل ہے ہی صاحب دلاؤ ہیں بچھر  
 ہے گانے بجانے کا فن ایجاد انھیں کا      شاگرد جو دھاڑی ہیں تو اساتذہ ہیں بچھر

ہے شب و صبح بولو آہستہ      چار پائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہی پہننے شہر مہال      دو چار سو برس تو آئی سحر نہ ہو

روٹھا ہے جھسے میل صتم ہاے باپ سے      کرنے لگا ہے جرج ختم ہاے باپ سے  
 بالائے طاق وصل کی امید ہو گئی      چھاتی سے لگا کے بلا صتم ہاے باپ سے  
 جس طرح مٹ گئے ہیں یہ شاہان ہر سب      اوڑھیں گے کیا کفنیں بڑی ہاے باپ سے

جمیل تخلص جمیل الدین نام — فتح عظیم الدین جو تھا نیرسری ضلع کرنال کے رئیس  
تھے ان کے فرزند ارجمند تھے۔ ابتدائی عمر سے شعر و شاعری کا شوق تھا اور ابتدائے سن ہی  
کے زمانے میں نہایت ذہین اور طباع تھے۔ چنانچہ صاحب تذکرہ گلستان سخن اپنے تذکرہ میں  
لکھتے ہیں کہ ہر چند عمر اس کی ہنوز زیادہ تیرہ برس سے متجاوز نہیں ہوئی لیکن ذہن کی تیزی  
برق سے ادبیت کی شوخی شعلہ ہوا سے زیادہ ہے از بسکہ حادثات سن کا اقتضا غالب ہے  
اشعار میں مضامین غنڈہ انگیز تمغہ آمیز پیشتر باندھتا ہے یہ چند شعراں کے کلام سے  
انتخاب ہو کر نظر فاسے خوش مزاج ہوتے ہیں۔

رواں جو سوسے فلک کا دہواں ہوتا      ذراک جہاز دقانی یہ آسماں ہوتا  
چڑھایا لیتا اڑنگے پہ اُس ستمگر کو      جو آج کہ میں دیر دست پہلواں ہوتا

ترے کو چہ میں آنے نہیں دیتا ہوں غریز کو      بنامیں ہیکڑی سے اپنی جو کیدار چڑھتا ہوں  
ترے غم نے مجھے بخشا ہوا باں عشرت کا      کہ شکل اپنی بدلے مثل موسیٰ کا چڑھتا ہوں  
کہا میں نے کہ اکدن تو راجہ کو کھائے مجھے      اسی کیدار سے اتنا ذلیل و خوار چڑھتا ہوں  
تو نہیں نہیں کہ لگا کہنے کہ یوسف تو نہیں بچے      کہ ہر اک کو دکھا تا جلہ دیوار چڑھتا ہوں

اُسے عاشق ہوں پر نہیں یہ خبر      شکل گوری ہے پاکہ کالی ہے  
سیم کی طرح دل گزار میں ہے      میرا سینہ ہے یا کھٹالی ہے  
کھودتی ہے ہر ایک کا سینہ      تیری مزگاں ہے یا کدالی ہے  
آنکھ پوچھے تو دے جواب وہ لب      اک جو الی ہے اک سوا لی ہے  
زلزلہ سلجھی رہی تو ہے وہ گھاٹ      اور ابھی رہے تو جالی ہے  
ہم غریبوں کا بستر اکیا      اک پرانی بھٹی نہالی ہے

متیرا مایو جمیل اسکا اُس کی گائی نہیں سہالی ہے

**جوش**۔ ان کا اصلی نام رحیم الدین تھا۔ مگر لوگ رجمو رجمو پکارتے تھے۔ اور اسی نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ تذکرہ خمخانہ میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ پڑھے لکھے تھے مگر مصنف گلشن ہے خار کہتے ہیں کہ یہ ایک بازاری اور عام آدمی تھے۔ بولیوں میں کوچہ و بازار میں غزلیں گاتے پھرتے تھے۔ اور ملیاروں کے ساتھ خوب ہڑپاتے تھے سلسلہء عام میں زندہ و بخریت تھے مصحفی نے ان کو اپنا فائدہ لکھا ہے۔ ان کے شعر ظریفانہ تو کیا ہوتے مگر شوخی طبع کا پتہ ضرور دیتے ہیں ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے۔ جو اگرچہ وثوق کے ساتھ ان کا نہیں کہا جاسکتا مگر اہل تذکرہ نے متفق طریق پر انھیں سے منسوب کیا ہے ممکن ہے کہ اور بھی کلام اسی انداز کا ہو مگر مجھے مل نہیں سکا۔

پینے جو کہا پھر بن کیا کیا نہ الم گزرا  
بولاکہ ابے تیرا دھتے ہی جنم گزرا۔

**جوگر**۔ جن جعفر نام ہے لکھنؤ کے رہنے والے ہیں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں نہایت رنگین مزاج شوخ زبان یار باش ملنسار خلیق زندہ دل آدمی ہیں اب چند روز سے شوخ تخلص کرتے ہیں۔ گو ظریفانہ شاعری کی عمر زیادہ نہیں ہے مگر اپنے احباب کی شاعرانہ گرمی صحبت سے آپ کی سخنگوئی بھی درجہ کمال پر پہنچی ہوئی ہے مجھے اچھی خاصی ملاقات ہے۔ مشاعروں کی صحبتوں میں آپ برابر شریک ہوتے ہیں اور قریب ہر شاعر کے ساتھ۔ کہ نام سے واقف ہے۔ آجکل معراج الادب میں جو لکھنؤ کے ایک بہت بڑا جلسہ ہوا اس میں آپ بھی شریک ہیں اور ہر شاعرہ میں اپنی فراغت سے۔ اس وقت ۱۹۲۲ء میں آپ کی عمر چالیس سالیں برس کی ہوئی۔ یہ بے وقت میں آپ کا کلام حاصل کرنے کے لئے



آپ سے ملاتھا اور آپ نے نہایت اخلاق سے خود یہ کلام غنایت کیا تھا۔ آج مجبوراً مذکور  
سے کلام کا انتخاب کر کے اس تذکرہ میں درج کرتا ہوں جی چاہا تھا کہ اس تذکرہ کے لئے  
جدید کلام حاصل کروں۔ مگر فرصت کی قلت ہے اور لکھنے کی عجلت اس لئے اُسی پہلے  
کلام کو تند مکرر سمجھ کر لکھتا ہوں۔

سویکے ہیں بال کندے سو گوارے      تھوڑا سا تیل بے لے چراغ مزار سے

جب میں انکی کوٹھی سے بلند پناہ گاہاں      کہ ان کی چھوٹے کے اوپر ہزار اشیاں ہوتا  
اگر مشت کی لبتا قیس اور جو فغاں ہوتا      تو بی لیلی کے اوپر اونٹنا سپر سا پاں ہوتا  
کسی کے کان بھر جاتے تو کئی گونگا ہوتا      اگر بندہ نصیب شہنشاہ مخوفناں ہوتا  
قصص میں آپ برونہ مضحکہ تھا یہ چلتی      کرایہ پر ملا دیتا جو میرا اشیاں ہوتا  
میں دلا وہ موٹے چھکلی شکے یہ کیا ہوتا      جو اُٹکاتے وہ اپنی توند تو چور کہاں ہوتا  
حسین حقینہ سیدی تھے بناتے جھڈیاں انکی      جو سسٹم میں میرا گریاں دھجیاں ہوتا  
گزرتی اوتار کے کوہ پیر و بیل کی راہیں      اگر خود ناتقہ لیلے کا بخوں سا رہاں ہوتا  
کیسے دس گھوڑے کھینے پر کام آجاتا      مرا دل نہ تو تاکا شامی کا چرایاں ہوتا  
بیسرے کے لئے پھر کیوں کی چھوٹیں گھنٹا      مرے صیاد۔ جو کر کا اگر آج اشیاں ہوتا

عاجز ہوئے ہیں گرمی روز شمار سے      مرنے نکل کے ہوا گاہ ہیں مزار سے  
حاجت ہوئی جو چلنا نہایت کی بار کو      کچے گئے گھوڑے لیکھا میرے مزار سے  
نگہریاں دیکھ کر دیکھنی افسانہ کی طور      الفت میں پیچ پڑ گیا اب مانگہ ایت  
دعائے میں تیرے چھوٹے کا بوجھ اس قدر      جو دل سے گر پڑے نظر اعتبار سے

اولاد ہے آدم کی مائا کہ ہے سودائی  
کھاتے ہیں قلابازی میں جتنے تماشائی  
جب پردہ محل سے لیل بھی تماشائی  
عشق گراں جانے ہاری شب تماشائی  
کیوں ہر شے ناکس کے مردے کو جلاتے ہو  
وہم اُن کا دم رخصت کا دم آیا ہر شب سے  
کبخت کو کنگھی سے فرصت ہی نہیں آتی  
یوں لیلیٰ و مجنوں کو ہم عمر چڑھاتے ہیں  
جب پائے آتے ہیں تم دیکھ کے ہنسنے ہو

اس رشتہ سے تو مجنوں لیلیٰ کا بھائی  
کس قسم کی ہوس و زورِ ظالم تری انگڑائی  
مجنوں نے حماقت کی گرچہ نہ کھلائی  
یہ کہتی ہوئی بھائی مرد نہیں ہیں آئی  
ٹھیکے میں نہ ملجائے اکروڑ میحائی  
وہ بیٹھ گئے اٹھ کے جب پھینکے آئی  
اللہ کرے اسپر عاشق ہو کوئی تائی گر  
تسلیم پڑی بھائی آداب بڑے بھائی  
آخر تمہیں جو کر کی کیا چیز بندائی

منہ شیخ نہ لگ شیفتہ زلف دو تار کے  
صیاد کا بند ہے بھونچے کا دشمن  
جراہ مرے صبر میں خارج ہوئی اُسکو  
دیکھو تو لڑتا ہے فلک برق کمانک  
کوئی چھے اس بھول بھالیات کا ٹکالے  
جب فجر کو کھل جاتی ہے مجنوں کی کبھی آنکھ  
جو کرے اندازِ طرافت کے تصدیق

دراہمی کو تری نوح نہ لے ہاتھ بٹائے  
اللہ کرے گر پڑے پھنگی یہ جاکے  
بالاے ہوا پھینک دیا ناگ گھٹکے  
رکھا ہوں یں کبھی میں جھونچے لگا کے  
رہتا ہوں دریا بہ ہیں گھوم کھا کے  
دیا ہوا دان و نٹ کے کو مان پہ جا کے  
زنگ اپنا جایا بھی نفل کو ہنساکے

دل توڑ دیا میرا اس بت نے نہ جاننا  
مقتل میں یہ کہتا ہوں نہ سے کہ نگہ رانا  
مجنوں کی طرح ہوتا فرزند بھی دیوانا

بچا لگا یہاں تکیہ ٹوٹا جو منہ خاننا  
جب قتل کا وقت آئے چپکے سے کھانا  
اللہ جو لیلیٰ کو دکھلاتا نہ چہ خاننا

ساقی سے مرے کسکی ہمت ہے جو ہے نیلے ✓  
 اک ہاتھ میں جو ہے اک ہاتھ میں پیمانہ  
 آہ دل سوزاں ہے یا آہِ چرخِ حیلوں کی  
 عشاق کی بھل ہی کوئی چرس خانا  
 دھڑکن سے مراد دل بھی کچھ کہ نہیں نیند کی ہے  
 ادنیٰ سا کرشمہ ہے دو ہاتھ اچھل جانا

ہے وہی روئی کپڑے کا یہ منظر خسرواں ہے  
 کہ سارا چوک ہے اور ایک کج کر کا گریباں ہے  
 ادھر رو یا سے خون جاری اور ہناؤں کے  
 یہ کوئی مرگشا ہے یا زمین کہ سے جاناں ہے  
 انھیں حلاوت سے سرگوشیاں کرتے جو نہی لکھا  
 تو میں یہ کہے کے جاکا اسپاں کچھ اوساں ہے  
 عجب کیا ہے جو جوشی حرکتوں کی اپنی بازائے  
 اگر سب ملے جلائیں گریباں ہے گریباں ہے  
 دھڑے میں جو پوچھی نئے فیروزانہ دل کی  
 تو فرمایا کہ وہ ٹیو تو زب طاق لیاں ہے  
 کیسے گردش ایام نے یلی کو بھی پاگل  
 لئے جو پتھر کے تھی ہے محبوں کا گریباں ہے  
 زمین کے اسطفاں ہیں اب اہل امرکیہ  
 تو کیا یہ ملک بھی منجملہ گور غریباں ہے  
 ہزاروں ہی سٹری سودا کی اسنے کوئے پیدا  
 میاں جو کہ دنیا کیا ہے دیوانوں کی لاناں ہے

وہ دن نزدیک ہے اس گریباں کشادگی کی ہوگی ✓  
 ہوا اچھ کر ہوگا تھاری چھو کر ہی ہوگی  
 جو حال آیا تو یہ حالت تھاری ہے ہی ہوگی  
 بند پیکے پاؤں میں جھڑکے میں ڈھولکی ہوگی  
 شریک بزم جاناں بند کر لیا پتی انگھوں کو  
 وہ آتے یہ نقاب آتے ہوئے بے پردگی ہوگی  
 نگاہوں سے تھاری ڈرنے والے اور ہی ہوگی  
 دکھائی آنکھ اگر جھکو ڈھنگلی چوکی ہوگی  
 اسے تو آپ ہی شاید کہیں لے اپنا دیوانہ  
 کہ جسکے جسم بھر میں اک لنگوٹی گہری ہوگی  
 میں منتا ہوں کہ معشوق کی معدوم ہوتی ہے  
 وہ کیا شے ہے جو اسنے تل پر سے کسی ہوگی  
 گذر جسے گا کوئی انتظار شوق چلتی ہے  
 خدا کی مار پیر اب یہ لنگھی ختم بھی ہوگی  
 بڑا دی حضرت کا نہ ہی نے پیدا وار ترکوں کی  
 خدا چاہے تو ہر شے میں دی مصطفیٰ ہوگی

طوان کعبہ کر کے بھی مقدس جو میں ٹہرا  
خز عیسیٰ نہوگا میر جی کی گدھی ٹکی

وہ یہاں کے لئے ہے پسے ہاں کیلئے  
کبھی یہاں کیلئے اور کبھی ہاں کیلئے  
لگائے یار نہ جوتہ تول درست نہ ہو  
میں پنکے لایا ہوں بہرام گھاٹ کے لٹھے  
ہزار عاشقوں کا غول سمجھے لیکن  
یہ کوئی کھیل نہیں ہے ذرا نیال رہے

جو بندہ یا بندہ یہ نہ کوئی نام ہے نہ تخلص - مگر ادھر پہنچ میں کسی منقود الاسم مجھ کو لکھا  
شاعر نے اسی نام سے اپنی غزل دی تھی لہذا کچھ کو بھی مجبوراً اسی صورت سے لکھنا پڑا - حال دیگر  
معلوم نہیں غزل ملاحظہ فرمائیے -

دل سوے دلربا دانہ ہے  
جور و کستی ہے وہ میاں کو طلاق  
جسکو کہتے ہیں غنچہ سوسن  
آج کل کے حکیم ہیں عطار  
مسی اسدرجہ گہری کتبوی ہے  
غیر کی آنکھ میں سور کا ہے بال  
جمع اک جاہیں عاشق و معشوق  
صبح و صلت کا یہ دو گانہ ہے

تل نہیں اُن کے گورے گالوں پر

آیا حد تے کو کا لا دانہ ہے

## حرف جمیم فارسی

چچا یا تخلص ہے اور نام سید اسحاق ہے۔ دلی کے ایک سپر زادے ہیں۔ مگر تخلص ایسا اختیار کیا ہے کہ تمام دنیا کے چچا بن گئے ہیں طبیعت میں انتہائی ظرافت ہے۔ آپ کا شاعر ہونا دودھ میں چاسے کا ہوتا ہے۔ سر دست حیدر آباد میں قیم ہیں۔ دو مضمون آپ کے مخصوصات میں سے ہیں اور شاید کہ دونوں خود آپ کے تلخ تجزیہ پر مبنی ہیں یعنی ایک اطبائے حیدر آباد کی نو مشقی کے خطرناک نتائج۔ اور ایک چاندنی رات کی چو ریاں۔ اور نگہ چاندنی رات چوروں کے آرام کا زمانہ ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت چچا کو اس کے خلاف سابقہ ہوا آپ کی ایک غزل رسالہ اردو سے نقل کی جاتی ہے۔ وہ ہوا۔

بھلا کیسے تو کیوں سننے لگا تھا یاں میری	بھٹے بولے خود ہی آپسٹ لینا ستار میری
اندھیرا ہی بھلا کیوں سی کی قدر کرتا ہوں	شب متاں میں اکثر ہوتی ہر چار یاں میری
جناں شیخ مجھ جوی ہے تو اب ال خانہ ہے	کہ سب کام آگئیں بوجہ بہت مرغیاں میری
شہی کا کسی کب تک کیا خاک خطمی و میری	دوائیں بتو بدلوئے حکیم نجیاں میری

چکر کیمن شیخ باقر علی نام تھا۔ قصبہ ردولی کے رہنے والے تھے مگر مصنف تذکرہ گلستان سخن ان کو کھٹو کا رہنے والا کہتے ہیں اور علی الزم سب تذکرہ نویسوں کے یہ بھی لکھتے ہیں کہ چکر کیمن نے اول اول رمضان میں غلیظ محض ہزل اور تفریح طبع سمجھ کر لکھنا شروع کئے تھے "لیکن رفتہ رفتہ اس قاتل کو حال بنالیا اور اس گندہ و سخی نے اسکو اگتوری بنا دیا گویا میری اس کے بدن میں رچ گئی تھی۔ ملام لباس چرک پہنتا اور ایسی میلی کھلی وضع رکھتا کہ اجنبی اسکو سچے سچے حلال خیال

سمجھتا۔ صحبت کا اثر مشہور ہے یہاں صرف تصور اور خیال نے یہ تاثیر کی کہ صحبت کو پرے بٹھا دیا  
حق یہ ہے کہ جو ابتدا میں کتنا تھا انتہا میں کر دکھایا۔ آخر الامر لال بیگ کی صحبت اور گوگا پیر  
کی چٹھنی کے شوقین شہر کے مقامات پاکیزہ ست بھاگ کر صمد آرزو کا ڈاکرا سر پر کے ہوئے  
بطریق پاتراپ کے بھگی کے کسی کو رُس پر ڈول منزل کی "غرض یہ کہ ہمارے نزدیک چرکین نے  
اگرچہ رنگ نہایت ہی مہل اور برا اختیار کیا تھا۔ مگر وہ اپنے طرز کے استاد بے بدل تھے۔ گواچھانے  
کو اپنے دیوان کی ایک مکمل اور لا جواب صنعت بنا دیا۔ ہے۔ اور اس غلیظ کی چٹنیوں سے لکا  
دامن شاعری مکمل کا ایک رنگین گلزار پر بہار معلوم ہوتا ہے۔

کھن سال بزرگوں سے سناتے کہ ان کے مختلف شاگرد تھے۔ جن میں سے دو نہایت  
مشہور اور اپنے استاد کے رنگ کے مشاق تھے۔ ایک کا تخلص گوڈڑہ اور دوسرے کا جھیر  
تھا۔ جکا نام اگرچہ معلوم نہیں ہو سکا مگر دو دو چار چار شعر مل گئے ہیں۔ جو ان کے تذکرہ میں  
درج کروں گا میرا یاد ہے کہ اب دیوان چرکین کا ایک ایسا مکمل انتخاب پیش کروں کہ اس کے  
بعد ان کے دیوان کے دیکھنے کی کسی اعتبار ج باقی نہ رہے۔ گو کہ اب دیوان چرکین ایک انتخابی  
صورت میں چھپ گیا ہے اور وہ عام طریقہ سے ملتا ہے۔ مگر میں قدیم اور مکمل دیوان سے  
انتخاب کرتا ہوں جس میں بہت سے وہ شعر ہیں جو مروجہ دیوان میں نہیں ہیں۔ انتخاب میں  
بعض وہ شعر بھی دوں گا جن میں چرکین نے اپنی وضع کے التزام کے ساتھ ساتھ محاورات بھی  
صرف کیے ہیں۔ اور اپنے کمال کا آئنا ڈراسکے چھٹا دیا ہے جسکا ازالہ دشوار تر اور ناممکن ہے  
گو باجھی جھی ہوگی اگدن گو گھیرا آبست  
گھیرے ہی رہتے ہیں اغیار جس اس ترک کو  
موتنے میں غمی جھسکی جو کوئی چھوڑ دو  
جب سے بڑا ہے شیخ کا ہنر سپرے ریل  
پانانے اس کے فیض سے رفکس چمن بنا

مدنی کو گویا ہنلاب گا جانان کا تپاک  
لیٹیلوں سے بند گیا ہے شیر تپان کا تپاک  
برق باران سے دھچھوٹے ابر باران کا تپاک  
بدلا ہے گو باجھی جھی سے اُن کی قبا کا رنگ  
گندہ بہار میں بھی نہ بدلا ہوا کا رنگ

موت کی دوا سے بدتر میں سمجھتا ہوں ہے  
 سنگیں ہو گئی ایسی ہری صورت منزع  
 دست پر دست چلے آتے ہیں بے جلد غیر  
 دست بردار ہواں باتوں سے آجانے لے  
 بتنگ آتے ہیں نیکی کو باجھی جھپٹے  
 فلک ہر طشت سٹکے ہوں پٹیلیاں لگی  
 ہوا کی کھڈی میں صرف اپنے کالبد کا  
 بناسے چرخ ہر طشت لکشاں کھٹی  
 ہمارے پاس بنانا ہو گھر جو اسے منم  
 ہمیشہ رہتے ہو بیت الخلا میں ہم کریں  
 دماغ کو یہ خوش آتی ہے اسکے موت کی کو  
 سٹے کی طرح سے گونجتے پھر کر تیکر  
 کپڑے چرکین جب بدستے ہیں  
 نہیں کہتے ہیں غیسر ہیکو برا  
 کس شجر کے ثمر ہیں سیب ذوق  
 بزم جانان میں پاؤ تا ہے غیر  
 تیرے بیمار کے تلے غمخوار  
 طبع چرکیں بھی طرفہ سا بچا ہے  
 سگ دنیا جو ہیں کنبہ و دغا کہتے ہیں  
 گو باجھی جھی کے سوا کچھ نہیں حاصل اس سے  
 گور کی لہ سے معطر ہے چرکیں کا دماغ

کسکو دھمکا تا ہے چرکے کے دو دھارا قاتل  
 ہرگز دھڑکتے جو دیکھے مرالاش قاتل  
 ترے بیمار کا اب حال ہے پتلا قاتل  
 قتل چرکیں کو نکر گود اچھلو اقاتل  
 ہر نفس روح بخش جھوٹیں اس مذا ہے ہم  
 جو گو کے چھوٹ کو نسبت میں آتا ہے ہم  
 یہ چاہتے ہیں زمانہ کے انقلاب سے ہم  
 ہلکے کھاکو نسا شوکت نشان نہیں معلوم  
 ہمارے گلے کی کیا داستان نہیں معلوم  
 جہاں میں کسکو ہوتا مار کال نہیں معلوم  
 کبھی نہ سو گھیں اگر نہ کوئی گلاب ہیں  
 جلال اپنا دکھا اوپری شتاب ہیں  
 عطر کے بدلے موت سلطے ہیں  
 اپنے منہ سے وہ گو اگتے ہیں  
 نہ تو گتے ہیں یہ نہ سڑتے ہیں  
 ہر طرف سے اشارے چلتے ہیں  
 پرتڑے دمبدم بدستے ہیں  
 گو کے مضمون جس میں ڈبٹے ہیں  
 گو کبھی ملی کی طرح سے دھچکا کہتے ہیں  
 گودہ کھاتے ہیں جواسید و قار کہتے ہیں  
 تجھے امید یہ اسے باوہبا کہتے ہیں

سمجھتا ہے اُسے گوز شتر بید و محل میں  
 قیدیوں سے تو قاروہ ملا ہوا سقد ران کھل  
 اٹھائے گوز اکیونکر نہ بخون شمع خشک  
 طلب کرنے لگے انکے کر دیا مجبور پور کھلو ✓  
 دنیا کی بخت سے بری گوشہ نشین ہے  
 سسدوں کو کبابوں سے اگر دیکھے تشبیہ  
 چرکین مرے کچے میں کہیں ہنسنے پانے  
 پھر گفتگو کے پوچ لگی آنے بیچ میں  
 گو میں نہایتیں خوب سے جھٹلے گئے کمال  
 تو نے آنا جو وہاں غنچہ دین چھوڑ دیا  
 غطر کی دوسے معطر ہوا بس لک کا دماغ  
 ہے متوڑا طفل اشک غم و امن میں نے  
 پاواپنی سہے چرکین تار سے بولا وہ شخ  
 موت کے کتا ہو جسے اپنے کچے میں گل  
 چرکین غرض نہیں گل گلزار سے ہیں  
 کرتا ہوں عرض حال تو کتا ہر گز نہ کھا  
 کاش کھورے سے ہو قسمت کا ترے زہیر  
 گردن شخ چہ رندوں نے رکھا بارگشاہ  
 گو نہ کھا پوچ نہ زندوں کو سمجھ جھوٹ نہ بلی  
 کچہ یار میں پھولا ہے جو کور کر مرے  
 اُسکے رتھ خانے کی دیوار پہ کنگار

بچے جازہ گز مثل جرس فریاد کرتے ہیں  
 مصاحب ملک بدیت الخلائیں یاد کرتے ہیں  
 سعادتمند اُسکے خدمت استاوتے ہیں  
 چلا جاتا ہوں بگتا پادشاہ یاد کرتے ہیں  
 رغبت نکسے گو کہ کبھی زانغ کلاں کا  
 پاخانہ میں عالم ہو کیا بی کی کلاں کا  
 مہتر کو یہی حکم ہے اس وقت جاں کا  
 پھر گوز بند یار کی گفتا رنے کیا  
 دوسرے طلب جو یار سے اغیار نے کیا  
 گل پہ پیشاب کیا ہنسنے چمن چھوڑ دیا  
 گوزاک لڑنے جو اسے غنچہ دہن چھوڑ دیا  
 موت بھر جائیگا پاکیزہ تری پڑا لگیں  
 دب گیا ہو گا وہ گھر کیے خفاش کیں  
 اس روش کی آج کوئی گلستاں نہیں  
 مطلب ہے پاخانہ دلدار سے ہم  
 ہو لے در دوسری گفتا  
 تو بھی چرک ہے  
 کھا



وہ صفت کیسوئے معجز سر پہنچے کینے  
 چہرے میں چھینکا اس گل پہنچے تھیلے کو  
 نظر ٹپے جسے وہ لہو اس کو دست چھٹے  
 اگر بیت الٹا کیا چہرے کا دکاں ہوگا  
 سمندر گزرنے کا تو جانختہ سے نیکی  
 اگر تعریف بھی کیجے تو جانتے ہیں کیا ہے  
 فلک مار ڈالا کیسے کیسے ہلنے والوں کو  
 ہلکے ہلکے پاد پاد سے ملے بوجھ کے  
 جو لوگ شیشہ ہیں تھے سرفرد کے یار  
 موت کی تھالی ہے یہ تو ساقیا ساقیاں  
 کھا پینا مہ تہا ہنگامہ کیونکر بند ہو  
 گویں بڑے کا ڈھیلہ کھانے پینے میں  
 مگر چہرے کا ہوا گل اور بت پر فن چراغ  
 سیارہ ہے گویا سیر کا چھڑوں کی سیر  
 جو شش جنوں میں ہکو یہ پاس دبا  
 آئے جانے فراق  
 عاشق ناشاد  
 کمر مجھ خوں کا

گو کہ مضمون کیسے عزیز ہے بھی بہتر سدا  
 گلیدین کے توڑا رنگ نہ کہنے بلبل کا  
 کبھی جو باغ سے مل کر وہ گل جنا نکلا  
 وہیں تکین ملی ہوگی ہر آرم جاں ہوگا  
 یہ گھوڑا توں روح رواں ہے جہاں ہوگا  
 چرک پدنا نہ تبا بھی کوئی لے مہراں ہوگا  
 مقرر اس برس کچھ کھاد کا سودا کر لے گا  
 میرا جو طریق قیس کے زیب گلہ کریں  
 پیشاب بھی نہ جا کے اب آج کریں  
 خون سوراخ ہے اسیں بادہ اتر نہیں  
 زلیست کا جس سے مر تھا پاس وہ نہیں  
 شخص صاحب عشاء رندوں کے بھر نہیں  
 کھڈیوں میں متروکی گئی کہیں فن چراغ  
 چلے نواز گئے کے بازار کی طرقت  
 موتا نہ اوپر ہی ترسے دیوار کی طرف  
 ہینگ بگتے ہیں ہتلا سے فراق  
 اب کوئی اور رنگ لاسے فراق  
 تھوڑے بندھے دینے اسے دیکھ لو کہ  
 تھوڑے ساں لسانہ بتو کی لاف تھوڑا  
 کھڑی میں گزرا لٹ کے جتا رہا  
 گروں سے چرکیں جو زمیندار رہتا

سیت الخائسے یار میں کیا غیر جا سیکے  
پھولے پھیلے ہر اک شجر شکر ثنباں  
کیا کہیں تجھ سے کہ کیا کیا ہوئی چرکس کی کھا  
مجھ سے جو چرکس وہ خفت ہو گیا

طائر ذکر و مدح غنیمت بھی نہ  
کھل ہوں بلبلِ جنت کا دہرِ رابع و ثانی  
وصل کا وعدہ کیا بیت الخلاء میں پائے

خواہشِ دانش گیسو چرکس یار کیب  
شیخ جی کو کچھ طبیعوں نے بتایا نہ پھول  
سامنے اس کے دیکھتے گھٹوہ ایک کو کھٹا  
نئے گزرتی دستان تو کھڑے مارے نہ

قبض سے اب یہ حال ہے نا آپ  
شیخ صاحب سر مبارک لاغر  
زندگتے ہیں پستیب نہ شراب  
اب کے چرکس جو زر کا

موتنے پر کبھی چہ ہماری تمام رات  
تیرے گھر سے نہ کی کماری تمام رات  
خضر ہو گا طبع نخل محبت ہوا چناں

نوجوان لفظ

رد و شہسب شیخ چرکس گزرتی تیرے کچن  
تو کیوں منہ کھولتے ہیں خرم و انداز کیا باشت  
سامنے

ایک دن پھلے گی جو ہر گھب کو خلل آج  
اشکرے خیر کہ کھایا ہے کھل آج

و سامنا  
مجد میں اس فرق ہے شاگرد استاد کا  
گلہ پیر  
میں بھی اب ہنر بڑوں جا کر الہ آباد کا  
کبھی جو بار

وہیں تک میں لکری نظر سے گزرا جبکہ تعلق تحقیق کرنے بعض  
یہ گھوڑا تو سن جو دیوان ہے موصون لکھو کے ایک بانکال  
چرک پد نامہ مستطیع آزمائی فرمانے تھے۔ مائٹا بیعت کے  
مقرر اس برس کچھ قسم کے کلام کے ساتھ اپنے نام نامی کو  
میر جو طوق قیس کے نامی۔ اوزی۔ عبید زاکانی وغیرہ حضرات  
پیشاب بھی مدعا کے وہ بھی اس رنگ میں بہت کچھ کہ گئے  
خون سوراہے انہیں کے ساتھ شامل کر گئے ہیں اس حالت  
زلیت کا جس سے مراد ہو کہ نقصان رسالہ میں ہو سکتا  
شیخ صاحب بحثا رند و بہت ممکن ہے کہ میری یہ تحقیق  
کھڈیوں میں متروک کی گئی ہے کہ کسی خوشی کا یہ کلام  
چلے نواز گئے کے بازار تہاں ہر محل ہر ایک دیکھنے والے  
موتا د او پر ہی ترسے دیوار کو پیل سے آپ خود  
ہینگ گئے ہیں بتلائے

اب کوئی اور رنگ لائے فرم کی من کا  
تصویر چہ بندھے و فیروز اسے روئے گلہ پیر کا  
سے کر سنا پد سنا نہ ہوئی زلف شکیلی گدی کا  
کھڈی میں گرا لٹ کے جب کہ میں غن کا  
گر مول سے چرکیں جو زمیندار تہاں فرق کا

وہ صحت کیسوئے مہر سرخند چرکیں  
چہرہ میں چہنیکا اس گلہ پیر سے گئے گھڈی کو  
نظر سے جسے وہ لٹا اس کو دست چھٹے  
اگر بیتا لٹا گیا چرکیں کا مکاں ہو گا  
سمندر گوز نکلے گا تو جان خستہ جاگی  
اگر تفریق بھی کیجئے تو چاہئے کہ بیانے  
نکلتا مارو الا کیسے کیسے ہلنے والوں کو  
گہا ہلے پاد پاد سے ملے جو جہ کے  
جو لڑکھیندہ ہیں تھے سرفہ کے یار  
موت کی تھالی ہے یہ تو ساقیا ساغریں  
کھا پینا نہ تنہا ہکنا نہ کیو نہ کر بند ہو  
گوں چڑالے گا ڈھیلہ کھا چھپیندہ ہو  
نہر چرکیں کا ہوا گل اوٹ پر فن چراغ  
میلہ ہے گھگھاکا پیر کا چھڑیوں کی سیر  
جو شش جنوں میں ہکو یہ پاس دینا  
اے جانے فراق

عاشق ناشاد  
کہر چھ خوں کا

بڑھی ہر چند مدد فرمے اب یہ کمزوری  
وہ آج قبر کو کھدوا کے لیگیا تختے  
چبار ہا ہوں وہاں بھٹایے تو سن کا  
نشاں مٹا گیا ہے رحم میسے مدفن کا  
چرخ اُنکے جو پھونکے ہمارے مدفن کا

پیشانی پہ ثقات بھی سخن سے سرگراں ہی  
کٹھن ہوں باغِ جنت کا دہڑا باغِ ضلالت

دیکھنا پھر توبہ کی دھیلے دھیلے غریب  
آتی و نصل خزاں کینے کو ہیں برگد کے پھول  
اور اندھ جھونچ میں وہ در پہلے غریب  
آج پھول ہیں لئے بوٹھی ہو دھیلے غریب  
دیکھنا ہو جائیگے کو دوں کے پہلے غریب

نہ تو اچھے ہیں نہ بیمار ہیں آپ  
پہلے تھے آپ نہایت لاغر  
نہ ہیں اسپارہ اس پار ہیں آپ  
اب تو مجھے کہیں تیار ہیں آپ  
دیکھئے ہاتھ سے اپنے نہ شراب  
نہ کہے کوئی کہ گلوار ہیں آپ

شاید کھلی نہ آنکھ ہماری تمام رات  
گائی جو آکے اُن کی کہاری تمام رات  
دور پر رہی کسی سوار کی تمام رات  
ٹہو لک بجائے ہم نے گزاری تمام رات  
پھر بھی نہ قطع نخل غبت ہو چٹاں  
اُسے چلائی زور سے آری تمام رات

نہیں تھیں سچ میں اگر تری تلواریں کچاں  
تو کیوں منہ کھولتے ہیں خرم و انداز کیا ہوا

روٹی نہ لگی جو ہو ٹھسک کو خلل آج  
اٹھ کرے خیر کہ کھایا ہے کٹھن آج

کل بایکے گھر جاؤں گا کوئی دہلا ہر وعدہ  
کھلنے کیلئے بھوکے لیتا ہوں علی آج

صبر اسے عشق میں نہیں بھروسا شکستہ پا  
پنکھ کی طرح عشق میں چہرہ سفید ہے  
دیوار یار میں بھونے گرائی ہے دوستو  
باتیں کریں گے آکے بندی پر آپ سے  
دیکھا نہ ماکیان چٹاں کو کبھی کرک  
اضنی ہوں سر کا درد دہیا ہو جگر کا درد  
میرا خیال ایکہ فقط آپ کو نہیں  
چوئے سے پگئے ہیں لیں ان کے گھر میں چھلے  
پاؤں کے نام سے وہ پوچھا ہے ہیں چونہ  
یار کے لئے غلط کے قریں کچھ حال میں  
جو بناتے تھے مکان یا رخصت  
دوسرے خیاط کی کیا جان ہے  
گوئی کو کچھ بھی خون نہیں ہے گناہ کا  
کھدھارے کھر صدمہ کا چٹاں گر تو ڈوبے  
ممکن ہو بھلا یار کی فرقت میں کہاں ضبط  
گر جنس مجھ سے خریدار نہ ہوں گے  
جس طرح سے چھینے گئے ہتیا رکھوں کے  
ہے ملکیت دل بہ تو اس شوخ کا قبضہ  
آتی ہے فصل محرم جاوے گھر ملنگے

نزل تمام کرتا ہوں تیمور کی طسوج  
چلنے لگا ہوں چال اینفور کی طرح  
انٹیں اٹھارہ ہوں میں اندور کی طرح  
کندہوں کے ڈھیر کہتے ہیں پور کی طرح  
اٹٹے لئے گئی وہ اینفور کی طرح  
سب سے جھکوں مجھے جو خدا سے کمر کا درد  
حیدر میں بھی ہوتا ہے وہ کوئی کا درد  
پھولا ہوا ہی پورا کھڑا رنجر کے اندر  
تیار ہو رہی ہے دیوار منہ کے اندر  
آج آبادی نظر آئی مجھے نکل کے پاس  
مر گئے افسوس وہ معمار خاص  
سی نہیں سکتا تری شلوار خاص  
لا حول سے غرض ہے نہ شیطان غرض  
دشمن ہیں یہ اخیر تو ہے میدان سے غرض  
کچھ آئیں سب تیں ہیں کروں کچھ چٹان  
ہو جائیگی ساری دل ضبط کی کاں ضبط  
ہو جائے اکہی دل ضبط کی کاں ضبط  
ڈرتا ہوں ہر جاؤں کبھی میں بھی ضبط  
پر بلاو میری تربت پر جہانے پاؤ شمع

کس جرم چلتی ہوئی لکڑی مجھے ماری  
 دل بیٹھنا کیساری جاں لیٹ گیا ہے  
 مبروص وہ شاید مجھے مشہور کریں گے  
 فرست میں بھی جیتے ہیں تھے جیل میں بھی ہم  
 عید کے دن یوں لگے لپٹا دو مجھے دوڑ کر  
 بے ستوں پر ایک بار ابھر کے پٹھان کو کہیں  
 گھیرے ہوئے ہیں گھر کو تھے بے خطر عاشق  
 جتنے ہیں غرض سب کو جو دھڑکن کی فکارت  
 عاشق کا چناں میں غزل ہر میں ندارد  
 یاندیدہ جانتے ہیں بھکودہ یا بد نظر  
 رات بھر رہتی ہر کھڑ بڑ لڑتی ہیں ریاں  
 تیری آمد میں کچھ ایسی ہوئی بلبل قاتل  
 سنتے ہیں بال کو کم کاٹتی پرتینگیں  
 تھک گئے ہیں لیٹتے ہیں یا رہم  
 قتل کا جو خون تھا جاتا رہا  
 رکھ کے کہتے ہیں تہ تبسلی پر مڑ  
 بات کاٹنی چکوسے چکوی کی طرح  
 قصہ دل کی کچھ مرمت کا ہے قصہ  
 پھر انھیں نزلہ ہوا اس سال میں  
 ہے اگر فر باد کو شیریں کا عشق  
 پریاں پکیں 'دوڑے' جام نہ اب

دکھلاؤ لگا ہو تری کچھ ہی ہر کہاں داغ  
 اس درجہ ہوا ہے تری فرقہ کا گراں داغ  
 مل جیتے ہیں چو نہ میں کھاتا ہوں کہاں داغ  
 اختصاری یا چنیں داغ چناں داغ  
 جسطرح سے باز آتا ہے کو تری طرف  
 ہر جود شیریں تو خود آئنگی شکر کی طرف  
 بیٹھے ہوئے ہیں شام سے دیوار پر عاشق  
 کچھو ایسے دیکھو نہ عرق نیلوں پر عاشق  
 مشوق کو دیتے ہیں ایسی طرح سر عاشق  
 شغل سے نوشی میں کہتے ہیں سامنے الگ  
 لے چناں وہ کہ بندہ ڈالتے نہیں الگ  
 گر لگی بھاگنے میں جیسے غلی قاتل  
 اس سے ہم پھرتے ہیں لڑتے ہیں قاتل  
 کب سے بیٹھے ہیں پس دیوار ہم  
 کل چراگاہ زری تلو ارہم  
 بھیجتے ہیں یہ در شہوار ہم  
 وہ رہے اس پار اور اس پار ہم  
 مول لینے جاتے ہیں تلو ارہم  
 ناک پھر رہنے لگی رد مال میں  
 ڈال لے شکر جی کی دال میں  
 چپکے چپکے لڑاؤ اس لیے کچناں میں

وانت جب ٹوٹے تو پھر پاؤں کھماں  
 چھپ کے آتا ہے رقیب رو سیاہ  
 آج یوں وعدہ ہوا ہے وصل کا  
 ہے یہ اسے فریاد شیریں کا پتہ  
 اب چنی بیگم جواں ہیں لے چناں  
 اس قدر بالوں سے رگڑا تن بدن  
 شکل خواہی اسی نظر آنے لگی  
 یہ مجھوں پوچھتا تھا سارہاں سے  
 یہ بلبل کہہ رہی ہے باغباں سے  
 ثنا کنگھی کی تیری گر کروں میں  
 نذر عہد مہر پرکھتا تھا یہ تیس  
 تہ و بالا ہوئے جب تو کھلا حاصل  
 ہے اس کے در پہ سب بانگوں کا مجمع  
 شبِ فرقت سے کہیں روز وصال چھا ہے  
 جس کے چہنچہ سولہ بند ہوا ہے صبا د  
 جانِ عشاق کی لیتی ہے تب صفا و می  
 اسے چناں وہ ابھی سناں تو نکالیں لکھیں  
 وہ سا تھر خیر کے مل مل کے گئے جاتے ہیں

کھائے روٹی بھگو کر دال میں  
 کچھ نہ کچھ ہے آج کا لال دال میں  
 رات کو آنا مری سسرال میں  
 چوٹی نٹیاں لیٹی ہوئی ہیں کھال میں  
 اپنی شادی کیسے اس سال میں  
 سر پہ پانک ہو گئے ہم آئینہ  
 کیوں لگا یا قند آدم آئینہ  
 میاں یہ اونٹ تم لائے کھانے  
 کہ اب گرتے ہیں اندے آشیاں سے  
 جوں جھڑنے لگیں لاکھوں باں سے  
 مری لیسٹے نے جھانکا آسمان سے  
 زمین چت ہو گئی ہے آسمان سے  
 چلے گی آج لاٹھی پاسباں سے

سچ ہے یہ ماش کی روٹی سے سہاں اچھا ہے  
 تیرے نشتر سے مری ہو پنجر کا بال اچھا ہے  
 نزع کے وقت تو آلو کا زلال اچھا ہے  
 گر کموں آپ کی بکری سے غزال اچھا ہے  
 میاں چناں ہیں کہ ٹھوک بکھلے جاتے ہیں

**چونچ** کوئی ظریف شوخ مزاج ہادیوں کے پہننے والے ہیں جنکی ایک غزل سنا  
 اقتباس میں ملی جس سے چند شعر انتخاب کر کے لکھتا ہوں۔ زیادہ حالات باوجود کاوش

مل نہ سکے مجبوری ہے۔

ہوتا ہے دھول دھپہ پنڈت میں مولوی میں  
کیا کیا کیا نہ میں نے اسے یار تیری خاطر  
تم قتل عاشقان سے پہلے یہ سوچ لینا  
خوش قسمتوں کو شاید کوئی جگہ ملی ہو  
سرکار عشق میں بھی ہونے کو ہے رڈکشن  
صد انقلاب درپڑاتی ہے مغربیت  
وہ دن بھی آگیا ہے نزدیک اب کہ جسدن  
اللہ کا کرم ہے اسے چونچ بچھہ دے

اور بی جمال خانم اترا ہی ہیں جی میں  
چاول پکاسے جا کر مر گھٹ پہ کھوپری میں  
الونہ بول جاے دنیا سے عاشقی میں  
میری تو عمر گزری بس نو دکنیسی میں  
اب ہر ہوس کا بندہ آجائے گامی میں  
تہذیب نرکے حامی خوش محبت ہیں جی میں  
دلہن فٹن پہ ہوں گی نوشاہ پالکی میں  
یہ لاجواب باتیں اتنی سی کھوپری میں

چرخ خوش سید اقبال حسین نام ہے نیوتنی ضلع اٹا وکے رہتے دے ہیں تقریب  
تیس برس کی عمر ہوگی۔ مگر آپ کی شاعری کی عمر بہت کم ہے۔ میرے ملاقاتی ہیں دو چار  
مرتبہ کے اصرار پر آپ نے تھوڑا سا کلام عنایت کیا۔ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اگر شق سنگوئی  
جاری رہے تو آپ بہت جلد اچھا کہنے لگیں۔ مگر افسوس کہ بہت کم فرماتے ہیں اکثر اب بھی  
جو کچھ فرماتے ہیں وہ مطبوع طبع ہوتا ہے۔

دہ مراکب رات بھر بستر پہ چلانے میں ہے  
چاند نکلا عید کا اک دہوم زندوں میں مچی  
کی وصیت ایک آتش باز نے اولاد سے  
نہیں اڑاتا ہے دل نالائ تو کر دوسرے پاک  
اسکی رسی کا۔ درازی جسکی ہے ضرب المثل  
مرد مادہ روپنے عورت بنی ہے نہ نما

شام ہی سے جو درد لہر پہ بوجانے میں ہے  
کوئی میخانے کی جھپٹ پر کوئی میخانے میں ہے  
زندگی کا کچھ مزا جل جل سکے مرجانے میں ہے  
یہ اڑا دیتا ہوا مرغ اسی خانے میں ہے  
اک سرادوخ کے اندر اک سرانگنے میں ہے  
فرق اب باقی زمانے میں نہ مودا لے میں ہے



مادر قیس نے لیلے سے کہا میں ٹی  
 نایب جو حکم لپکا رکھ ہو یہ خدمت یعنی  
 لیکے خوش خوش تو چلے ہوا سینڈل  
 ہو مبارک تجھے عشق کے پھر پھل  
 کی ہیں اُس شوخ نے جلیے بغیر کیا  
 ساتھ اپنے مرے بھلا کو نہ حیراں کرنا  
 ہر مسلمان کے بچہ کو مسلمان کرنا  
 کام بند رکھنا اے حضرت لپکناں کرنا  
 قیس کو عشق کے پرے پہ نمایاں کرنا  
 اس چہ خوش کو بھی ذرا داخل زنداں کرنا

ایر دلین عشق کا بے اڑا بٹھے  
 ہے صاحبان عشق کو لازم مسرتی  
 مجنوں کبھی ہوں اور کبھی کو کھن ہوں  
 کہتی ہے شمع جل مے پر وانی بپ ہی  
 ظالم نے میرے روئے پہ ہو ہو کے بددعا  
 یہ قسم ہے ہر کیوں مے شہار پر خوش  
 اک تل دیا حسن دکھائی دیا تجھے  
 منی سی ایک مس سے ہوئی عشقیہ تجھے  
 اس عشق نے بنا دیا ہر وپا تجھے  
 اینر خدا کی مار لگی تھپا تجھے  
 کچھ ایسا منہ بنایا کہ ہنسنا پڑا تجھے  
 سمجھے ہیں آپ لوگ کوئی سفر اچھے

یہ سچ کے دشت میں اچکنے لگا مجھوں  
 جو فیض جسے حکمت قدر سے پہنچے جلے  
 بولی یہ مس ہندی غلو طبع دناز  
 در آئینے اک روز مری آہ کے گولے  
 ٹھڈی سے چلی جاتی ہو کھٹکے سے ہات  
 ایجان تجھے ذبح نہ گھرے کر نال  
 ہر عشق بھی فیشن بھی جوانی بھی مرے پاس  
 لیلے کا مکان نجد سے کچھ دور نہیں ہے  
 منصور کا پروا وا بھی منصور نہیں ہے  
 ہم جو کا بچہ ہے مگر جو نہیں ہے  
 کچھ قلعہ دل تیرا بھرتا نہیں ہے  
 دم لڑکے کھوڑے کی ہے گونہیں ہے  
 تھانہ مرے دروازہ سے کچھ دور نہیں ہے  
 پھر کیوں مرا جمل آپ کو منظور نہیں ہے

## حرف جاری

**حالی** - خواجہ الطاف حسین نام۔ حالی تخلص۔ آپ کے والد خواجہ ایزد بخش صاحب کا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ انصاریؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ پانی پت کے رہنے والے تھے جب مولانا حالی کی عمر نو سال کی تھی اسی وقت ان کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کے بعد ان کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہوا۔ جس کے کامل ہونے پر مولانا حالی ملک کے ان مشہور اہل علم میں شمار ہوئے جن کو زمانہ کبھی بھلا نہیں سکتا۔ آپ کے مفصل حالات جا بجا ملتے ہیں اس لئے ہم یہاں نہ آپ کی سوانح حیات سے بحث کریں گے اور نہ آپ کی حکیمانہ شاعری سے بحث کرنا مقصود ہے۔ بلکہ ہم اس تعجب کو دفع کرنا چاہتے ہیں جو ظرفا کے تذکرہ میں مولانا حالی کا نام دیکھ کر اہل نظر کو ہوگا اصل میں تعجب نگاہیں اس راز سے آگاہ نہیں ہیں کہ مولانا حالی وہ ادیب یا وہ شاعر تھے جن کا مرتبہ تمام اصناف سخن میں یکساں ہے۔ جس طرح وہ مبین شاعری کے استاد کامل ہیں جس طرح انھوں نے ملک کو ایک شاہراہ ادب پر لگا دیا۔ جس طرح ان کی خدا داد قابلیت نے ایک اختراع کر کے شعر گوئی میں جدید طرز پیدا کیا۔ اسی طرح انھوں نے ظرافت میں کمال دکھایا۔ مگر ظرافت کو ہنسٹوپن یا ہزل گوئی۔ یا فوہشات کی حد تک نہیں جانے دیا۔ بلکہ بدرہم گوئی اور بذلہ بھی تاکہ عذو رکھا۔ جیسا نہ ظرافت کی تصویر کھینچ کر دکھا دی اور اس متانت کی وہ صورت بنادی جس پر سے ہزاروں شوخیوں قرباں کیجا سکتی ہیں۔ جہاں تک غور کیا جائے مزاح اور خوشدلی کے پسیر مجسم کی بے تعداد تصویریں نظر کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ اور ظرافت سے حقیقی مقصود ظرافت حاصل ہوتا ہے۔ بعض جگہ عبرت کو اس انداز سے ظرافت کا عہد و شش

کیا ہے کہ دیکھنے والا اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اس کے آنسو بھی ساتھ ہی نکل آتے ہیں بقولیکہ  
شادی جو ہوئی غم کے پہلو نکل کے جب کوئی ہنسنا ساتھ ہی آنسو نکل کے  
وہ لوگ کثرت سے لپٹنے جن کے یہاں صرف الفاظ کے رنگ و روغن سے ظرافت کے  
مجسمہ کو چمکایا جاتا ہے اور اس کے حاصل سے سخت غفلت کی جاتی ہے۔ مولانا حالی کے  
یہاں وہ قالب بچان اور محبہ بے روح نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت کو گدگدیاں کہنے یا  
چٹکیاں۔ دل و دماغ اس سے مسرور ہو جاتا ہے۔ اور روح کی نشاط سے غمور۔ مگر  
ظاہری متانت کبھی جانے نہیں پاتی۔ میں نمونہ کے لئے چند شعر لکھتا ہوں۔

ہوئی ریحان جوانی کی بہارِ خریف	طبع رنگیں تھی مے عشق کی جستِ الی
اپنی روداد تھی بے خوش کا کرتے تھیں	جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی ہر اسرِ حالی
اب کہ الفت ہے نہ چاہتِ جوانی نہ انگ	سر پہ سودا ہے ہی عشق سے تل ہو خالی
گر غزل لکھتے تو کیا لکھتے غزل میں آخر	نہ ہی چیز وہ مضمون سمجھانے والی
ہاں مگر کبھی کچھ عشق کا نذر کے یا	لائے بارغ سے اور دس کے لگا کر ڈالی
کھینچے وصلِ صنم کی کھنچنی تصویر	کیجئے دردِ جدائی کی کبھی نفیِ عالی
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی ہی ہو نہ نکل	تھہ چوں پیر شویشہ کند لالی

کہتے ہیں ایک امیر زادے کو	تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں
خصلتیں جو امیر زادوں میں	لازمی ہیں وہ اسپس بھی سب ہیں
واہ واسنتے سنتے یاروں کی	ہو گیا تھا ہنس کا اپنے نقس
الغرض ایک روز صبرا میں	جبکہ تھے ساتھ سبیلِ قریں
مشق تیر افگنی میں تھا مصروف	کر رہے تھے خوشامدِ نحس
اُس کے دیکھا جو اک ظریف نے حال	وجہ تھیں ہوئی نہ ذہن نشین

جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا  
کچھ جو شوخی ظریف کو سوچھی  
خاک تو دہ پہ ہو کے جا بیٹھا  
ناوک انداز بولا حیل کر  
عرض کی چارہ کیا ہے اس کے سوا  
دوستے ان بے پناہ تیروں کی  
ٹھکڑے ہر پھر کے شمشادیت میں جنوں  
تیرا ماجگہ کے کوئی تیریں  
رکھ کے بالائے طاق سب تلکیں  
لوگ کرتے رہن چٹان چٹیں  
کوئی ٹھکڑے جنوں سے ایسے نہیں  
جیکہ جاے کریر ہو نہیں  
کیں جاں دار کو اماں نہیں  
امن کہ اک منگہ ملی ہے یہیں

سید احمد خاں کے اک نکرتے یہ پوچھا کہ آپ  
آپ بھی نام خدا میں تارک ہو مصلوۃ  
چشم بہ دور آپ کا بھی جیکہ شمشادیت  
سینکے فرمایا اگر پوچھتے ان سے  
سچ پوچھا نہیں بھلا وہ ایسا ہو گیا  
کرسٹے سید سے مراد حضرت خلیفۃ المسیح  
اور سلوک اسلام سے خود آپ کا چٹا  
چہرہ سید پر تیرا آپ کو زیست  
بات یہ ہے کہ ان لوگوں سے آپ کے پڑا  
بلکہ ساری کوفت اسلی ذکر یہ نہ بولیں

عادت تھی اک فیکر کی کہنا تھا جب ال  
مرتب نہ لاسکی جب بین دیکھ گئی سوش  
بالا کہ عادت اس سے کہ پناہ یا احتیاج  
پہلے جو بھگا گوانوں سے ملتی تھی روز بھیک  
پر تیشا ہے سوال اس قوم پر دہا  
انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا  
پوچھا کسی نے اس سے کہ اسکا سبب کیا  
چھوٹا سبب کہ قیامت پر کیا سوال کیا  
آتا تھا مانگے میں بہت کیا کے مرا  
زنت سے جے غز سے کہہ دیا تیرا نہیں تھا

ایک مسرت نے یہ مسک سے کہا  
تو جویوں رکھتا ہے دولت جو بھڑ  
ہینکے مسک نے کہا لے سادہ لوح  
آج ہی گویا نصیب دشمنان  
کب تک اسے تاواں پر چٹبال دے  
ہے سدا دنیا ہی میں رہتے لگے  
زلزلانا راہیگاں اور اس قدر  
آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

فقیر شہر نے ایمان کی جو کہ تحریف  
کہا فقیلہ اقرار باللساں و قزو  
کہا کسی نے کہ کھلا ہوا نڈو لاک تیل  
تو دی چراغ سے اُسکو بہ آبِ تابحال  
جہاں ہوا آتشِ تصدیق و غنِ اعمال  
نہیں ضرور فقیلہ کا جس اتھال

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہر نہیں ملاپ  
نہ انھیں حاجتِ اعوان تلاشِ انصاف  
پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور کبھی  
نہ ملاؤ ان کے لئے قلم نہ خندقی ذیل  
ایک ملائے صاحب یہ سخن فرمایا  
اتفاق اور اتفاق اصل میں کچھ نہیں  
واں نہ ملت کی ضرورت ہے کہ قوم کا  
کہا آزاد نے سچ ہو کہ وہ دے ساتھ اگر  
پر تجھے خوب ہے اللہ کی عادتِ ملیم  
دولت و بخت ہر حال میں اُنکے ہزار  
نہ انھیں خوفِ بلا نڈش نہ بیمِ بارخاہ  
اُسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزتِ جاہ  
نہ مفید ان کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ  
تکبیر اور اسقدر اسباب پر کڑی گناہ  
دستِ قدرت کے ہر سب ہاتھ سفید و سیاہ  
پر لگی فضل کی بولا کے جہاں ایک نگاہ  
کر دیں افواہ پر آگندہ جماعت کو تباہ  
اسکو جٹ کھیا ہر دیکھا ہر جھٹول کے ہمارا

باروں نے کہا مصر لگا ہاتھ بآسکے  
وہ خطہ ملعون تھا جس کی بدولت  
فرعون کا تھا مصری نے مفر چلایا  
تھا دل میں خدا کی کا خیال اُسکے ملایا

میں بھی اُسے اک باغی طاعنی کے علی الرغم  
 کہتے ہیں خفیت ایک غلام حبشی تھا  
 اک بندہ بقدر کو بخشوں گا خدایا  
 جس پر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا  
 نا اہل کے پیچ میں اہالی کو پھنسا یا  
 یہ حادثہ آؤ سکو کسانوں نے ستایا  
 باڑی گئی یہ ایک برس نیل کی رتوں  
 فرمایا کہ روئی کی جگہ پوتے اگر اُٹھن

اشائے و غظ میں ہے نکیہ کلام و غلط  
 گویا کہ نہ اس کی اس سے بھی نہیں ہے  
 قدر قلیل ہے سب مال و منال دنیا  
 جو بقدر فراہم پاس اُسکے ال دنیا

خوشا مد کرتے ہیں آؤ کے جو لوگ  
 خوشا مد پر نہ اُن کی پھولسنا تم  
 تمھاری ہر دم اے ارباب دولت  
 وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملامت  
 کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک  
 نہیں انہیں سے تم میں ایک خصلت

پوچھا کسی دانائے سب کیا ہو کہ اکثر  
 لیکن بخلان اسکے جو عورت کا جہاں راج  
 مردوں کی حکومت میں ہو ملکوں کی پرگت  
 وہاں ملک ہو سرنبر اور آباد رعیت  
 فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد و جاندار  
 اور سر بہ ہے عورت کے جہاں افسر شاہی  
 قبضہ میں ہو وہاں عورتوں کے دولت و کنت  
 سمجھو کہ ہے اُس ملک میں دوس کی حکومت

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے ہنر کو طال  
 کہ ایک جڑکی ہیں سب بنیاں صغار و کبار

بہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے  
تو او بھی اُسے دیتا ہے انفعال و شمار  
یہی سبب ہے کہ مہرتے نہیں طبیب ملوں  
جو چل بسے کوئی ان کے علاج میں ہمار  
وہ جانتے ہیں کہ تھپ جائیگی خطا پیر  
کیا مال کا اپنے گراس جگہ اظہار

## رباعی

زاہد کہتا تھا جاں ہے دین پر قریاں  
پرا یا جب امتحان کی دہ پر لیاں  
کی عرض کسی نے کیئے اب کیا بچ صلاح  
فرمایا کہ بھائی جان جی تو جہاں

## ایضاً

ہر عشق طبیب دل کے بیماروں کا  
یا گھر سے وہ خود ہزار آزاروں کا  
ہم کچھ نہیں جانتے پراتنی ہے ضرر  
اک شعلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

پوچھا چکل انجام ترقی بشر  
یادوں سے کہا پیر مغاں نے مہنکر  
باقی نہ رہے گا کوئی انسان میں عیب  
ہو جائیں گے چھل چھال کے عیب بہتر

اک نعم مسرت نے یہ عابد سے کہا  
کرمیرے لئے حق سے فراغت کی دعا  
عابد نے کہا یہ لہذا اٹھا کر سوئے حریف  
محتاج کرا سکو جلد اسے با خدا

جب تک کہ نہ ہو دشمن انہواں پکا  
ہوتا نہیں مومن کا ابایاں پکا  
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے  
سنئے ہیں کسی کو جب سلاں پکا

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم  
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت  
بجھو کہ وہاں ہر کوئی برکت کا قدم  
بیسے کوئی مولوی وزیر غلط قسم

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب گناہ  
چھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جو وقت  
کا فرما دے اعطائے انھیں اور گمراہ  
لا تارے خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ

کہنا تھا کامرمنوں کو بے دیں  
مومن سے ضرور ہو گا مرقدیں سال  
سننے سنتے یہ ہو گیا ہکو لغیں  
تکفیر بھی کی تھی فقہانے کہ انیس

واعظ نے کہا کہ وقت رہتا ہے ٹل  
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھ کر کہ فقہ  
اک وقت سے اپنے نہیں ملتی تو اہل  
ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اہل

حجۃ المکرمہ ایک نامی مناسبت اللہ نامی کا تخلص تھا جس کا اصلی وطن ہمارے پور قضا۔  
مگر آب و ہوائ کی کشش اور اپنے پیشہ کے چمکانے کی ضرورت سے دہلی میں قیام رہتا تھا۔ اور  
یہاں کی خاک پاک سے وہ انس تھا کہ عمر بھر یہیں رہے۔ طبیعت میں شعر سے قدرتی لگاؤ تھا  
مرزا رفیع سودا سے اصلاح لیتے تھے اور اس وقت کے تمام شاعروں میں شریک ہوتے تھے  
وہ زمانہ کچھ آجکل کا سا نہ تھا کہ لوگ اس کے پہلو پہلو بیٹھنے سے مار کرتے۔ بلکہ وہ لوگ  
فن کے قدر دان تھے۔ چونکہ یہ نایک خوشگو خوش باق شخص تھا۔ اسی لئے بڑے بڑے شہزادوں  
اپنے شاعروں میں بلاتے تھے۔ بعض شعروں میں غزلیت کے طریق پر اپنے پیشہ کا ذکر کرتا لوگ  
آفرین کرتے اور جی کھول کر دلو دیتے۔ مولانا خیر الدین رحمہ اللہ کی داڑھی میں جمہور اور مشکل  
کو خطاب لگایا کرتا تھا۔ اور مولانا ہی سے بیعت رکھتا تھا۔ مولانا نے شہر کا ایک پشتاں



اور دستار دیدی تھی یہ فخریہ اسکو پہنتا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے دامن حال اور وضع قطع کو روشن درویشانہ سے مزین رکھتا تھا۔ اسی بنا پر اہل محلہ اسکر شاہ جی کہا کرتے تھے۔ تمام تذکرہ نویس اس کی خوشگونی کے مقرر ہیں۔ چنانچہ مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ اچھا شعر کہتا تو اس کے خیال بال سے زیادہ باریک ہوتے تھے۔ مسٹر ایفٹ نیلن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ۱۹۳۷ء میں اسکی عمر ۳۵ برس کی تھی۔ اسحاضر یفانہ کا انتخاب یہ ہے۔

روز خسار کے لیتا ہوں منے خواب کے	بہتر اس شغل سے حجام نہ کیا ہوگا
کیوں بھٹکوتا کی جو تلو کو خوش گردوں	میں نانی کا بیٹا ہوں کہیں سونہ گر دوں
آجکل کے خوبرو دیکھتے تو ہیں سیکھنے	ان تلک حجام ہی پہنچنے نہ حجام تک
خط آئیے بھی اپنی رسائی نہیں ہاں	حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنریں
قیوں پر میاں پڑتا ہوتا سونے پانی	بلا حجام کو جس روز تم حجام کہتے ہو
اس شوخ کے کوچے میں بچا کر حجام	چھن جاتینگے اک روز یہ اور بھلائے
کل میاں حجام سب کا بوٹتے پھرتے تھے	آج اس کوچے میں ان کی بھی حجامت ہوگی
لگ چلئے جو اس شوخ سے رہتے ہیں تلو	بھٹھلا کے پرکھتا ہو کہ چل دور نہ لے

حجام کسی دلی کے رہنے والے حجام کا تخلص تھا جو غازی الدین خاں کے مدرسہ کے متصل رہتا تھا۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اسکا ذکر کیا ہے لیکن نام نہیں لکھا۔ اور خیال ظاہر کیا ہے کہ غالباً کسی سے اصلاح نہیں لیتا ایک شعر نمونہ لکھا ہے۔

کام کیا نور پر حجام نے      شیش کی داڑھی کو قصر کر گیا

حرق۔ میر حسن مرزا نام میرا شرونا علی مرحوم رئیس ڈھاکہ کے ڈاٹے اور علی آشتا

اور غلام حیدر عجیب کے شاگرد تھے شاعر میں نساخ کے تذکرہ سخن شریٰ ترتیب کے وقت  
زندہ و بخیریت تھے شعروں میں طریقہ رنگ بھی شامل رہتا تھا۔ نمونہ کلام  
پھٹی محرم دکھا کر اپنی ذمہ محرم سے یہ لے لے کسی عیار نامحرم کی یہ چالاک سی ہے کہ  
تمہیں صورت کاغذ ہو تو ماں لگی محبت تمہارا حسن ہنسکا چو کہ کسی جان سستی ہے  
ایک بندہ کی بھی جان بخشی نہ کی اسے ہوتے خدائی ہر چسکی

حریف لالہ شمیم لال سائیکل میکر ساکن لکھنؤ کا تخلص۔ جو درجہ وجودہ کے  
ایک ظریف شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

تیرے عاشق جتنے تھے اُن کا جدا انداز تھا کوئی دھوئی باز دھتا تھا کوئی ستھنے باز تھا  
دیتا جہے دیتا جالیلی کے گتے کا کفن چھپڑے تھے لونڈے مجنوں قلم کا نواز تھا  
سیکڑوں دیتا تھا تا تو سے قیس پر بند کو ناؤ لیلے بھی اک کھوسٹ کبوتر باز تھا

بارہے دھل کی شب پکارتن توں شجھے بیٹے سٹے کہیں اب کیجے سکدوش مجھے  
آیا نخاس تو بولا مرا کسمن دلبر اچھا اچھا کوئی نہ کیجے خرگوش مجھے  
گالیاں سکے جو میں ٹال دیا کرتا ہوں اپنے دل میں دے بھتے میں گراں گوش مجھے  
ڈر گیا دیکھ کے میں اُسکی بھیا نک صرت جسے بیہوش ہوں آما ہی نہیں ہوش مجھے  
اُن کے ہیشار بھی کر نکا نہ لالہ طہر کاٹ کھاتے ہیں وہ پاتے ہیں جو بیہوش مجھے  
روکے کہتے ہیں کہ عید آگئی اب ہر حریف آپ لا دیجئے زلفیت کی پاپوش مجھے

خریں۔ ایک بچی کو کا تخلص ہے جن کے انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لکھنؤ  
تیس چالیس برس اودھ کے شاعر ہیں۔ ریختی میں وہ لطف نہیں ہیں۔ جو ان کے موانہ لکھنؤ

زنگین یا جان صاحب کے یہاں ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہنسنا گلے میں تہنے جو پھول کا ہار ہے      سمدھن تھکائے حسن پہ کیا ہی بہا ہے  
ہوتی جی سیر سی گر کر دس سیدی جسے با      لکھوئے پر آج باد کے سمدھن وار ہے  
سمدھی بتا دو تنگو یہ کیسی ہے بے کلی      آرام تنگو اور نہ اک دم قرار ہے  
سو کھا ہی اس نے پار اتار قریب کو      سمدھن ہماری خوب سلیقہ شمار ہے  
سمدھن حزیں سے تم نہ لگا دو ٹکڑا      لائن تھکائے منہ کے کڑا کر ہار ہے

حکیم مولوی محمد میت ارادت اللہ تعالیٰ نام ہے آپ انصاری ہیں اور لکھنؤ کے مشہور  
غاندان علماء آخر گنگی محل سے ہیں۔ قابلیت عربی و فارسی نہایت اچھی ہے۔ نیک طینت انسان  
خوش خلق ہیں۔ او ذل رنگوں میں شمر کیتے ہیں۔ مگر رنگ و طبعانہ طبیعت پر زیادہ غالب ہے  
اور اس میں اپنی جودت بلع ہمیشہ دکھاتے رہتے ہیں۔ اگرچہ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں  
مگر یہ معلوم نہیں کہ اتنا کس سے اصلاح سخن میں استفادہ کرتے ہیں۔ ایک دوسرے میں نے  
خود دیکھا کہ حدیث نہایت کو غزل رواروی میں سر شاعرہ دکھائی۔ آپ کے کلام میں شوخی  
بھی ہے اور شوخی کے ساتھ ایک خاص قسم کی متانت بھی پائی جاتی ہے۔ اس وقت آپ کی عمر  
تخمیناً ستائیس اٹھائیس برس کی ہوگی اگرچہ فی حق تین چار ہی رہی ہو مستقبل نہایت  
کامیاب ہو گا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

اٹکھا آپکے انداز سے اللہ بسپاں نکلا      نشان بھی بے نشان نکلا رکاں بھی لا رکاں نکلا

لید

چتریس میں چالان ہوا خوب پتہ      پتہ نام تم دو چلے تھیں میرے پیچھے سے  
کیس چلاؤں گا میں پھر سانی      سنے پلائی مجھے توئے پھر پیچھے سے  
حتمے دست جھار کئے ورنہ اک دن      ٹسروں ٹوں چھپے گا عشق اک دن سے

قبل از سوال میں نے نیکرین سے کہا  
مفسول فاعلات مفاعیل من علن  
بے پوچھے آپ کیوں چلے آئے مزار میں  
کچھ اور ہو گئیں تری آنکھیں خار میں

مار ڈنڈوں پھوڑ دیتا عشق کے اظہار  
ماشا اللہ سیکڑوں گھٹل بھی تھے پھر بھی تھے  
شکر کر محضوں کی لیلیٰ کا کوئی بھائی نہ تھا  
کیوں کیوں کوئی شکر شام تنہائی نہ تھا

قید میں صبا دیکھیں نے ستانے کیلئے  
باغ میں ٹوٹ لگا یا آستانے کیلئے  
TOILET

دوسرے کیوں نہ پیدا دل شدید اتنی ہیں  
دیکھ لیتا ہر چہ ہاتھوں میں لئے دل جھکو  
ختم ہے تیل چراغ شبتہائی ہیں  
پھاڑ کھاتا ہے سنگ کو پتھر قابل جھکو  
قیس کتا تھا نئی روز لنگوٹی باندھوں  
ہاتھ آجائے اگر پردہ ہم مسل جھکو  
اگر پڑھی جو سہ پہر بھتی شباب کی  
وہ چھوستا ہے زلف پریشاں کئے ہیں  
یہ عذر کیا آئے اور جانے کی پتھر لائی  
دانشقاہ سقد بھی اب حق نہیں ہیں ہم  
پہلے سر زہر پر پاک زور سے چپکائی  
تو ہم بھی اک عینہ میں کئی بوسیاں کرتے  
جو لمباتی ہیں کچھ روز کو واجد علی شاہی  
ہوتی ہے دشت نجد میں ہر روز دھرمک  
چراغ میرے لمحہ کے بجھائے جاتے ہیں  
پاؤں کی ٹوٹی ہوئی انگلی دکھاتی عجیب  
دندنا کر گھس گیا میں محض دل لایں  
ٹھیکہ گاد کاہنا کسی کا بچنے میں لے حکم  
عدو کی بزم میں ہنڈے چلا جاتے ہیں \*  
اور بچھا گو صورت بیاہ بچراں دیکھ کر  
منہ جو نہی پھر لہجے دربان بچریاں دیکھ کر  
یاد آتا ہے مجھے خار مغیلاں دیکھ کر

## حرفِ خا

خضر سبزواری ایک تومند قوی ہیکل اور پیلان تھا۔ جوش و خروش میں اپنی زندگی گزارتا تھا شعر بھی کہتا تھا مگر وہی او با شانہ رنگ مد نظر رہتا تھا۔ شراب نوشی کی وجہ سے بروقتی طور پر مسرور و مدہوش رہتا تھا غرض کہ ان کے تخلص کو دیکھتے ہوئے پیش پرے طریق سے اس پر صادق آتی ہے صراحتاً میں مندا نام رنگی کا نور  
عورتوں کی صحبت اور صورت سے نہایت متفر اور امار کی طرف راغب تھا۔ یہ  
دو شعر نو نکال پیش ہیں۔

زہار بزن اگر نہ رہا ہوتا	زہر جز بچان رہ نہ سہیست مہ
موس سوزن امو از کف مگذار	سیر مشقہ دولت است از دست مہ

خلیفہ۔ رحیمی حجام کا تخلص تھا جو دلی کا رہنے والا تھا۔ رنگ و خیر کا بڑا شوقین  
رنگیں خزانہ بزمِ سخن خوش طبع ظریف تھا۔ پکا بڑا اور نسلِ جگت میں طاق تھا۔ تذکرہ گلستانِ  
کی ترتیب سے پہلے مرچکا تھا۔ ایک مرتبہ کسی پیلان کی جو بڑی بڑی شعر کہے تھے انہیں میں کا  
ایک یہ شعر ہے۔

اور باد پڑے پٹ پٹ سدا ہر جوان کے  
تا لوگ یہ کہیں کہ کبھی چہ نہیں ہوا

خلیق۔ دلی کے رہنے والے ہیں۔ استعدادِ علمی معمولی ہے۔ مگر شعر و شاعری کا  
شوق معمول سے کچھ زیادہ ہے منشی چند رہبان کھنی۔ اور سائیں دہلوی کے شاگرد ہیں

کبھی کبھی مضامین ظریفانہ بھی نظم کرتے ہیں۔ راقم نے ایک مرتبہ دلی کے ایک مشاعرہ میں  
دیکھا تھا۔ اب تین چالیس برس کی عمر ہو گئی۔ ایک نظم (ہمارا فیشن) سے کچھ بند نقل کئے جاتے ہیں۔

زمانے کے عجب بدلی ہے رنگت کہ کالے بن گئے گوروں کی صورت

بڑھی نکلتی اور کار کی زمینت زود پہلی ہی خصلت ہے نہ عادت

اُٹتے پھرتے ہیں آنکھ سڑی ہوا میں

کسے، وکسے کسے فیشن سے تھکے ہیں

مگر ہر شخص اپنی جون میں ہے ہوا میں بھر رہا ہے دواں میں ہے

نئی تانسی کی گرمی خون میں ہے اکڑوں کوٹ میں چلون میں ہے

پُراؤں کی وہی چالیں پُرانی

سروں پر ٹوپیوں ہیں کاہانی

یو فیشن کی انیسی چڑھ جی ہے شک ہاتھوں میں پاکٹ میں بی ہے

خج کالال قسمت کا دھنی ہے وہی کرتا ہے جو دل میں مٹنی ہے

کوئی کتنا ہی پیٹے غل بچائے

شعل ہے ایک چپ سو کو ہر اسے

زمیں پر پاؤں بھی دھرتے نہیں ہیں کسی کے باپ سے ڈرتے نہیں ہیں

بزرگوں کا ادب کرتے نہیں ہیں پُرانی چال پڑھتے نہیں ہیں

تکلف میں ہیں تکلفیں سراسر

ڈٹے ہیں باپ دادا کے برابر

کسی لیڈی سے گروا ہے ہوس میں پری کے یہاں آسے ہوس میں

اُسے پھرتے ہیں اُسے ہوس میں - محبت کی قسم کوائے ہوئے ہیں

نہیں منظور دم بھر کی جدائی

پکڑی لال بی بی کی کلائی

بدل کرو پیس روزی بنایا      بڑے دن کو کلب گھر میں بچایا  
بغل میں ہاتھ دے دے کڑاٹھایا      سمندر ناز پر کوڑا لگایا

چہر غنڈہ ہوئے ہیں سادگی پر

نہ بالے ہیں نہ پتے ہیں نہ جھومر

نہ غمزہ ہے نہ شوخی ہے پھل بل      نہ سی ہے نہ سر مہ ہے نہ کا چل  
دو پٹہ کا جھیملا ہے نہ آنکھیں      نہ چوڑی پاؤں میں اپنی چھال

نہ پتے کان کے اندر نہ پالی

نہ پاؤں کی لب زنگیں پہ لالی

بھبھو کا حسن گد رایا ہوا ہو      جو نینی تال سے آیا ہوا ہو  
بدن چربی سے چکنا ہوا ہو      برا نڈی کا نشا چھایا ہوا ہو

کمر میں ناز سے پیٹی کسی ہو

نئی پوشاک پھولوں میں بسی ہو

کسی کی نوجوانی کا ہو جو بن      کمر پتلی صراحی وار گردن  
کرے انکیلیوں سے سیگیشن      گلے میں ہاتھ ہو ہاتھوں میں امن

دکھائے کھیل ٹینس کے نرالے

کھلے میدان میں گیندیں اچھالے

برابر بیٹھ کر جاے فن میں      کسی لیڈی سے ملنے کو شہن میں

تکلف سے نہ شرائے ٹفن میں      کہ ہپ ہپ کر کے رکھ جائے دہن میں

جگر میں چٹکیاں لے گد گدا کر

رجھائے دل پیاؤ کو بجا کر

## حرف ال مملہ

داؤد مولوی محمد داؤد ابن مولوی علی محمد صاحب وکیل غناسی متوطن امر دہم  
۲۷۔ رمضان المبارک ۱۲۸۷ھ کو بمقام امر دہم پیدا ہوئے اور سترہ جون ۱۲۹۱ء  
کو بمقام فتح آباد انتقال کیا نہایت قابل ذکی اور ذہین تھے۔ ۲۴۔ برس کی عمر میں علی گڑھ  
سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کر کے کالج میں کسی عہدہ پر مقرر ہوئے اور بعد ازاں تحصیلدار  
مقرر ہو کر مختلف جگہوں میں نہایت قابلیت سے اپنے فرائض کو انجام دیا۔ شاعری کا شوق  
دورانِ تعلیم ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ جو ترقی کرتے کرتے مرتبہ اعلیٰ پر پہنچ گیا۔ قدیم اور جدید  
دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ طبیعت میں چونکہ شوخی کا مادہ زیادہ تھا اس لئے کہیں کہیں  
وہ ایک بالکی سی طرافت کا ناگ اختیار کر لیتا تھا۔ انتخاب کر کے تھوڑا سا کلام درج کیا  
جاتا ہے۔

ناصح کی گفتگو سے مرزا گ ہیں ہے دم	آئے ہیں دیکھئے شہر ہے مہار سے
پھیٹ اور ہے برابر بڑا ہنسنے دیکھئے	ہم بھی تو رات بھانک ہے جیسے داسے
نہیں کہ پیام برسے مہ انام یوں کہا	وہ ہی نہ دیکھئے شے میعت نزار سے
مفلوم ہے مجھے بڑے استاد میں جناب	یوں دیکھئے میں سیدھے سے پریر گار سے
خود مجھ کو تجربہ ہے بس اپنے رنگیا کہوں	خالق چلے ایسے شریوں کے وار سے

کیا بڑا ہنسنے ہے گھراں میں بھائی آدمی  
ایک شہنشاہی سے خستہ خانہ پر چوہا مور تھا

آپ کچھ کتاب ہے خستہ کچھ نکلتا ہے مگر  
پوچھا اکل مگر نہ دئے نوکر ہو تم کلام پر



بات تو کچھ بھی نہ تھی لیکن میں معلوم کیوں  
میں شہر خانہ کا منشی ہوں یہ کہتے تھے دلے  
ہو گئے اُس وقت وہ منکر پریشان اس قدر  
کہہ گئے گھبرا کے یوں یہوں منشی خانہ کا منتر

ایک دن کچھ آدمی بیٹھے ہوئے  
اُن میں تھا اک شخص ایسا بھی کہ جو  
ہر سنے ہیں جا لاک ایسے لوگ سب  
جھوٹ کہتا تھا مگر سچ کی طرح  
ہو رہا تھا تذکرہ ہر قسم کا  
باتوں باتوں میں کہا سیاح نے  
سن کے یہ بات اور تو سب چپ ہے  
ایک سے دل میں یہ شک پیدا ہوا  
اس سے کچھ حالات حال کے پوچھے  
اُس نے دھچکا آپ کا ہوتا تھا داں  
سن کے اُسکے منہ سے یہ سیاح نے  
بوسے جی ہاں اُنکی خدمت میں تو میں  
آج دنیا میں نہیں اُن کا جواب  
اب تو بڑھے ہوتے جاتے ہیں بہت  
سن کے یہ سب نے لگا یا تقصیر  
اک کوئی کا نام ہے زمر وہاں  
جب نہ بن آئی کوئی معقول بات  
اُس زمانے میں تو تھے وہ آدمی

کر رہے تھے گفتگو با ہمدگر  
کر چکا تھا غیسر ملکوں کا سفر  
وہ مگر اور دل سے تھا چالاک تر  
اُس کی باتیں تھیں نہایت پر اثر  
کر رہے تھے بحث ہر مضمون پر  
میں عرب میں بھی رہا ہوں سال بھر  
سب نے اس کا قول سچ سمجھا مگر  
کیا قہر جھوٹ کہتا ہو اگر  
سوچکر یہ اُس نے قصہ مختصر  
خدمت زمر میں بھی گاہے گزر  
سمجھا زمر نام ہے کوئی بشر  
روز حاضر ہوتا تھا وقت سحر  
ہے تقدس ختم اُن کی ذات پر  
کیوں نہ ہوں میں بھی تو شہرے اوھر  
اور کہا تم کو نہیں یہ بلخی خسر  
آپ یہ سمجھے کہ ہے کوئی بشر  
تب کہا سیاح نے بوچھینپ کر  
پر گئے ہوں گے کو اں اب کیا خبر

رنگ۔ حافظ سراج احمد نام تھا۔ مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ مگر نہایت بیباک  
پھکڑتھے۔ تمام شاعری ادب ایشانہ اور بیباکانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی ایک شعرتاہل  
اندراج مل سکا۔

شیخ جی کا بھی انتقال ہوا کوئی دنیا میں مسخرا نہ رہا

دکانا تخلص تھا ریختی میں۔ مگر متین اور عاشقانہ کلام میں مجر تخلص کرتے تھے  
منشی اسد اللہ نام تھا۔ علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مقام چیمڑہ ضلع ہنگی کے باشندہ  
تھے۔ ران کے آباد اجداد کا وطن قدیم دلی تھا۔ مگر دلندہ زرد کے عہد میں کچھ اسباب ایسے  
ہوئے کہ ترکے طن کر کے یہاں کی سکونت اختیار کرنی پڑی۔ اور یہی قدیمی وطن ہو گیا۔ چنانچہ  
دکانا میں پیدا ہوئے مگر چونکہ والدین کو تعلیم و تربیت کا ہر وقت خیال تھا اس لئے  
چیمڑہ میں اسکا انتظام کافی نہ دیکھ کر ان کو کلکتہ تعلیم کے لئے بھیج دیا۔ اور یہیں تعلیم پائی۔ دکانا  
کو ابتدا سے عمر میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا اور انا سے تعلیم و تربیت ہی میں شعر و شاعری  
کی طرف جھک گئے۔ کلکتہ میں اسوقت مولوی عبدالغفور نساخ ایک کامل الفن استاد تھے  
جو ہر عہدہ ڈپٹی کلکٹری یہاں پر امور تھے۔ چنانچہ انھیں کو انھوں نے کلام دکھانا شروع کیا  
اور منحور تخلص اختیار کیا۔ مگر رنگین طبیعت نے صرف ایک رنگ پر قناعت نہ کی اس لئے  
دوسرا رنگ ریختی بھی کننا شروع کیا۔ اس میں بھی نساخ کو اپنا سنا اور استاد بنایا نہایت  
پختہ مشق اور صاحب دیوان تھے مگر کلام ابنا پیدا ہو گیا۔ جس شعر مل سکے وہ درج  
کرنا ہوں۔

رات کو اک نگوٹے نٹ کھٹانے	صحن میں پاکے بے حجاب مجھے
چھین رنگین گلے سے لپٹا کے	پیر لیا زانو نہیں داب مجھے
منتیں کیا ہزاروں قہیں دیں	کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

دلچسپ جناب چودھری عبدالرحمن صاحب صدیقی سندیلوی کا تخلص ہے کبھی کبھی  
رنگِ ظرافت میں شعر کہتے ہیں۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

ہوا ہر شوقِ داغِ دل کی کنکنا اڑانے کا	بٹا کرتا ہوں ڈور اُن کے لئے چاکرِ مائیک
مراں ہزار کے صدقے کینچن ناز اُس بے	ہمارے قتل کئے کو کبھی کھولی کبھی ڈھانکی
سوالِ وصل پر جہیم اکا رہتی ہے	مری جاں لگی دن و رات گون ہوسٹیاں کی
بے تے کیوں ہو سید ہا کہنے پر لڑا دیکھو تو	تمہاری ہر نگہ تر چھی ہنسا ہی ہر لڑا بانکی
میاں محبوں نے ڈھیل کینچن مارا خوش	اٹھا کر پردہ محل اگر لیلی کبھی جھانکی
نہیں راضی کبھی رت سج جھولا جھولنے پر	مگر ڈوری ہو شاخِ سر قد میں لف جھانکی

دلسوز نام خیراتی خاں تخلص دلسوز تھا۔ علیگڑھ کے رہنے والے قوم کے افغان تھے  
شاہ نصیر مرحوم کے شاگرد تھے اور ذاب ظفر باب خاں خلت بیگم شعرو کی رفاقت میں زندگی گزارتے  
تھے۔ شراب بہت پیتے تھے۔ جو بات تھی وہ درجہ اعتدال سے بڑھی ہوئی تھی۔ ظرافت اور شوخی  
کلام میں بہت تھی۔ مگر اب کلام نایاب ہو گیا۔ اور کسی طرح باوجود تلاش بھی نہیں ملتا۔ دو تین  
شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ دلسوز نے ۱۹۸۸ء میں بمقام جے پور انتقال کیا اور  
وہیں مدفون ہوئے۔

وہ تو کہتے ہیں رازِ دل اپنا	مت کسی اپنے یار سے کہنا
اور یہاں دلکی بقراری سے	روز دو تین چار سے کہنا

سب ہی گے ہم اگر لاکھ بُرائی ہوگی      پر کیسے آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

دلیر۔ منور خاں نام تھا۔ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ ابتدا سے شعر و شاعری

کے دلدادہ تھے۔ مگر ہمیشہ نئی اپج کی لیتے تھے۔ اور اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات  
 کہوں جو کسی نے نہ کہی ہو۔ چنانچہ اسی افتاد و مزاج کی بدولت یہ رنگ اختیار کیا کہ شرفا اور طبقہ  
 خواص کی زبان کو چھوڑ کر اس طرز کی چھوٹی قوموں مثلاً گڑی۔ گوجر۔ جاٹوں کے روزمرہ میں  
 شاعری شمع مدح کر دی۔ اور اگرچہ یہ رنگ نہایت ہی مشکل اور دشوار تھا۔ مگر دلیر نے  
 اس قدر مشق ہم پہنچائی کہ سترہ سالہ عمر میں ظفر بہادر شاہ آخری تاجدار دہلی کے دربار میں کچھ  
 مدحیہ اشعار اسی زبان میں پیش کئے۔ اور بادشاہ نے ان کو بہت پسند کیا۔ دلیر کو انعام اور  
 خلعت دیا گیا۔ بادشاہ نے تالکپ اور رزوق وغیرہ سے بھی اسی زبان میں کچھ کہنے کا حکم دیا  
 مگر چونکہ یہ ایک مشکل بات تھی اس لئے ان لوگوں نے انکار کر دیا اور یہ سہرا دلیر کے سر رہا  
 ۱۷۵۷ء تک اسی رنگ میں شاعری کرتے رہے۔ مگر انقلاب سلطنت کے بعد سے اس  
 رنگ کو ترک کر دیا۔ پھر بھی چونکہ وہ اس رنگ میں نظمیں۔ غزلیں۔ قطعے شنوی۔ سبھی کچھ  
 کہہ چکے تھے اسی وجہ سے ایک اچھا خاصہ دیوان مہربان ہو گیا۔ اور اپنی زندگی ہی  
 میں طبع کر لیا۔ آخر کار ۶۶ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ انتخاب کلام کے ساتھ ترجمہ بھی  
 دیدیا گیا ہے کہ ناظرین کے لطف میں اضافہ ہو اگرچہ اس کلام سے اصل میں زیادہ تر  
 وہی لوگ لطف اٹھا سکتے ہیں جو مراد آباد سما۔ پنور کے درسیان آباد ہیں۔ کیونکہ دلیر نے  
 صرف ان ہی قوموں کی زبان ہی نہیں لکھی۔ بلکہ ان کے طرز تکلم۔ ان کے طریق معاشرت  
 ان کی وضع قطع۔ ان کی صورت آبادی اور بود و باش۔ ان کے جذبات۔ ان کے اطوار  
 ان کے خیالات وغیرہ کو بھی زبان کے ساتھ ہی ساتھ رکھا ہے۔ یہ ایک انتہائے کمال ہے  
 اور اس وجہ سے صرف زبان جاننے والا اس سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا تا وقتیکہ ان کی  
 معاشرت اور تمدن سے اچھی طرح باخبر نہ ہو۔ اور یہ نہ جانتا ہو کہ وہ لوگ جن کی زبان  
 ہے کس نوعیت پر کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں۔ مگر پھر بھی غور کرنے پر ہر شخص بقدر ذوق لذت  
 کموز ہونے لگا۔ اول میں حمد اور نعت و تعریف دیکھئے کہ کس قدر ندرت کے ساتھ

اوغھیں جذبات عوام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی گئی ہیں۔

تو باپو ہم تیرے بالک	ہے مر کھا لک ہے بے مالک
تو باپ ہے اور ہم تیرے بچے ہیں	اسے میرے خالق اسے میرے مالک
تیرا نت کوؤ نا پاوے	راتوں مارے دنوں چراوے
تیرا بھید کوئی نہیں پاسکتا	تو ازل کو ہم مار ڈالتا ہے اور دن کو زندہ کرتا ہے
جا کی جگت کرے سک پوجا	جسٹا ٹھاڈا کون ہے دوجا
جس کی تمام دنیا پرستش کرتی ہے	جسٹا ہر دست دوسرا کون ہے
تو ہی بوادے بوٹھا مہارا	تو ہی لاڑے میگا ملارا
تو ہی ہماری کھیتی اور بڑے بوتھا کاشت کرتا ہے	تو ہی گھٹا سے پانی برساتا ہے
پھاڑے کھوٹے کا گد مہارے	ہے مرے صاحب کسں ہمارے
ہمارے اعمانا سے پدی کے چاکر دینے والے	اسے میرے بچنے والے اللہ
تو ہی دیگا ثنائی باسی	دلیرا ہے تیرا داسی
تو ہی اسکو تازی باسی روٹی دیتا ہے	دلیر تیرا غلام ہے

## نعت

جگ پر جا کے راج دلائے	نبی محمدؐ رب کے پیارے
تمام دنیا کے سردار	خدا کے پیارے رسول محمد
ہماری کھاطر دیوا لائے	رب کے بھیجے جگت میں آئے
اور ہماری خاطر شمع لائے	خدا کے بھیجے ہوئے دنیا میں آئے
کرا اُجالا جگت گھنیرا	جن دیوے نے کچھ لو اندھیرا
تمام دنیا میں اوجلا کافی ہو گیا	اس شمع سے دنیا کی تاریکی جاتی رہی

گر ان سر پہ نہ کدکی یا فی  
قرآن شریعت خدا کی باتیں  
ہمیں سنائی پڑھ کے جانی  
اپنی زبان سے پڑھ کر ہو کر پکوسنائیں  
پاپ کٹے اور پن سزارے  
ہو گئے ہمارے کل نثارے  
جہ سے ہمارے گناہ جلتے تھے نکلیاں چڑھ گئی  
اور ہمارے حمام فائدے ہو گئے

### منقبت

بی بی فاطمہ ہماری ماما  
بی بی فاطمہ ہماری ماں  
نیم دھرم میں ہیں کیلی داتا  
دین و دنیا میں ہمیشہ بخش کر نیوالی  
ہمارے نبی کی پیاری چائی  
ہمارے نبی کی پیاری بیٹی  
مالک کی امت جن بکسائی  
ہندوں نے باپ کی امت کی بخش کرائی  
خدا سے زیادہ کر کے

### مدح حسین

حسین بی بی کے جائے  
حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین بی بی فاطمہ کے بیٹے  
امت کھاطر سر کٹوائے  
جنہوں نے امت کیلئے سر کٹوا دیا

### مدح چار یار

نبی صاحب کے چار سپاہی  
رسول اللہ کے چار یار ہیں چار حامی ہیں  
جنہوں نے تمام دنیا میں اسلام کی دھڑ بٹائی  
کر دئے لکھوں نیم کے بندے  
ناپاکوں کو پاک کر دیا  
ناپاکوں کو بندے بنادیتے

## انتخابِ لیت

آج رات ہمارے گھر بس جا  
آج رات کو ہمارے گھر رہ جا  
چار پہر کا کاٹن کے ہے  
چار پہر رات کا گزارنا کیا  
میں کرلوں تو نے سچا چائی  
میں ذرا ترانہ چم دیں گا  
تو نے بھولا چھپی جانے  
تو مجھے بھولا جاؤں جانتا ہے

جاڈا لگے سوڑاں دہس جا  
بڑی سردی معلوم ہوتی ہے آٹھانی چلا  
بڑی پھیر کے ترک کے نس جا  
صبح صادق ہوتے ہی آٹھ جانا  
تو سانٹھڑ سول سانٹھڑ گس جا  
توران سے ران ملائے پڑا رہنا  
تو ہی کہیں نہ جال میں پھنس جا  
کہیں ایسا نہ ہوا تو ہی جال میں پھنس جائے

کے مہاڑی ناڑ میں پھانسی دیگا  
کیا ہاری گردن میں پھانسی لگائے گا  
اک سیٹھی دے پڑاں لکڑے  
ایک بوسہ دیکر جان نکال لی  
کے مجنوں مہاڑی ہو کر بیگا  
کیا مجنوں ہماری برابری کرے گا  
سوہریاں دلیر عسک ماں  
سوہار دلیر عشق میں

کاسے کا ٹرن ناڑا کا ڈھیا  
کیوں یہ اذد بند نکال رہا ہے  
موسوں ڈوڈھیا بھاڑا کا ڈھیا  
مجھے ڈیڑھا کرایہ وصول کر لیا  
جنگلاں جنگلاں ناڑا کا ڈھیا  
جنگلوں جنگلوں کا نکالا ہوا  
ٹانگ تیلے اوہ ساڑا کا ڈھیا  
مجنوں کو ہم نے ٹانگے تلے نکال دیا ہے

مار کے اپنی ناؤ گنت ڈاس	تجھ بنا پیارے پران تجوں گا
اپنی گردن پہ گنت ڈاس ماروں گا	تیری جدائی میں پیارے جاں دیدوں گا
میں لوٹوں تو دیکھ تھما	کاٹ کے اپنی ناؤ لہو میں
میں لہو میں اوڑوں گا اور تو تماشائیکھے گا	اپنی گردن کاٹ سکے
یہ ہمارا ساڑا اوت بلاسا	مہاڑی اوڑیاں سینٹر چلاوے
یہ چار سلا اوت۔ بلاسا	ہماری طرف اشارہ کرتا ہے

دودھ دہی من مانا کھا جا	آجا ہمارے پاؤ نہا آجا
جتنا جی چاہے دودھ دہی کھانا	آجا ہمارے یہاں مہمان آجا
پیت پنچھو ڈس کوٹھی نا جا	پیت نہ کرے میت کسی کی
محبت کوٹھی میں غلہ بھی نہیں چھوڑتی ہے	ایدست کسی کی محبت نہ کرنا
ہمارے ہی اوپر دھونسا با جا	ہے من اوت گیو کے تیرد
ہمارے ہی اوپر مصیبت پڑ گئی	اے دل اوت تیرا کیا گیا
پر گیز چسکا جو بن رس کا	ناہیں رہو من بیری بس کا
اس کو جو بصورتوں کی محبت کا نر پڑ گیا	یہ دشمن میرے بس کا نہیں رہا
میں تو گوڑوں گاڑا تھا دل کا	جد جیری پائل یج بے جی
ہیں خوب اچھلوں کو دوں گا	جب تیری پائل یج پرکڑا دے گی
تو نے یلی ڈھگ بٹھلاؤں گا	جو جنوں موسے ہوڑ بٹسے گا
تو جھٹے یلیا کے پاس بیٹھاؤں گا	جنوں اگر مجھ سے بحث کرے گا
میں تو سبیلوں مر جاؤں گا	جو تیرے نینوں کا جڑ ہو گا
تو میں اشارے کے مارے مر جاؤں گا	جو تیری آنکھوں میں کابل ہو گا



کا کا کا تا تاؤ کا      میں لاگو نہیں کاؤ کا  
 نہ میں چچا کا ہوں نہ تائے کاڑ بھائی      میں کسی کو اچھا نہیں جانتا  
 مانگن آئیو پھلکا مانڈا      یو تیرا پھوڑا ناؤ کا  
 پھلکا طوا لینے آیا ہے      یہ تیرا پھوڑا ناؤ کا لڑکا

منہ جھرم دنگی دوارے نیلوکا      پلہ کھوسے سے ہے ہماری چادر کا  
 میں یہ معشوق کے منہ کو مجلس دوں گی      چلتے چلتے میری چادر کا پلہ کھینچتا ہے  
 ہے رے موسوں نے کے ستم پاڑے      گھاگرا کاٹ گیرا سندر کا  
 ارے رے چوہوں نے کیا ستم ڈاے ہیں      سندر کا گھگرا کاٹ ڈالا

ہوڑ کرے پیٹ عموں بہت تری وادی کی لپنچ      ہاتھ ہینکڑی ساٹھ من کی ناز میں کاٹڑا  
 جوں آہاری برابر ہی کر بہت تری لوی ک دم      ہاتھ ہاتھ کی ہینکڑی ساٹھ من کی ہواڑا سوکا

لارے کلاڑکے پھول سراب      سیا دے جیسوں گڑاب  
 اے کمال کے لڑکے شراب پھول پلاڑے      شیشہ گلاب کی طرح سرخ سر پہنچا ہوا  
 پاؤں باگ کا کھ میں جوتی      ایسی دارو پیو زنا ب  
 پادپہر گڑھی اور سر پر جوتی      جناب ایسی شراب پینی چاہئے  
 کاڈا کا پھر شک کجات      دیہی روکہ نہ چھوڑے بات  
 کالا کافر عشق بد ذات ہے      بدن کے درخت پر پتے نہیں چھوڑتا  
 دلیرا سر سہرا باندھو      چلو رے بھائیو چڑی برات  
 دلیر کے سر پر سہرا باندھو      بھائیو چلو بارات چڑھی ہے

پوڑھا نو سو یانی نوی  
بڑھا زشہ جی دوشی  
کھالے رے پڑھے ہاتھوں ہاتھ  
اٹھالے رے پڑھے ہاتھوں ہاتھ

سرلے ری چمر کی راج  
او چاری کی لڑکی خوب راج کرلے  
موج مارلے بھے اڈالے  
عیش کرلے مزا اڑالے  
یو دلیر جنم کا بھوکا  
یہ دلیر ہمیشہ مفلس ہی رہا  
چھوڑا رہو نہ چھوڑی ایک  
کوئی رٹا ہوا نہ لڑکی ہوئی  
کدے رے پاٹکے سانچے سانچ  
اور ہمیں چچ بچا  
اب کے سیر دیکھ میرے کول  
نابھرا چھوڑا کھانا  
ایسی دنیاں کھا کھا کر اچھلے  
نابھرا چھوڑا پاٹا اچھوٹ  
اگرچہ نابھرا چھوڑا کھانا  
نابھرا چھوڑا کھانا  
نابھرا چھوڑا کھانا

ادبی چھلنی ادبی چھانج  
چند دن میں دہی چھلنی جو دہی چھانج ہے  
جد لگ رہوے کوٹھی ناچ  
جب تک کوٹھی میں ناچ رہے  
کہہ ہیں نہ دیکھا شکے ناچ  
کبھی اس کے شکے میں غلہ نہ دیکھا  
رہے مکدم اوت کے اوت  
مقدم یعنی چودھری صاحب اوت کے اوت  
مہارے کرم کی رکھاں باغ  
ہمارے کرم میں کیا لکھا ہے  
بھرو ناچ سول کوٹھے پاچ  
پاچ کوٹھی ناچ سے بھرو  
جابد ہرنا بھری کلا ناچ  
جیسے ہرن قلا ناچ بھرتے ہیں  
سر پر مارو جوتی پاچ  
سر پر پاچ جوستے مارو  
لاگے پڑی سہاڑی پوچ  
پڑی سہاڑی معلوم ہوتی ہے

کاک اڈاے بیٹھے ٹانڈ	پھیر، گو پھیا کہیدے ساند
جان پر بیٹھ کر کوے اڈاے	گو پھیا پھیری اور ساندن کو بھگایا
سب سوں پھلے یہ موسل چند	کریں نہ کھیتی بھریں نہ ڈانڈ
سب سے اچھے موسل چند	نہ کھیتی کریں نہ ڈانڈ بھریں
نیناں تیرے بڈے لوک	ایک سین ماں من دو ٹوک
تیری آنکھیں بڑی غلام ہیں	ایک اشارے میں دیکھ دو کٹے کر دیتی ہیں
گورے گال رکائے پھلکا	جھٹھاں دیکھے بھانگے بھوک
گورے گورے رخسارے کبھی کی سٹی حلیم تھی	ایسے کہ ان کو دیکھ کر بھوک، بھانگی ہے
پانوں جتنی سرسرا پاگ	ایسے ڈوبے ماسرے بھاگ
پالوں میں جتہ نہیں سر پہ پگڑی نہیں	چارے نیچے ایسے ڈوبے ہوئے ہیں
کے لاگو پھاگن میں سواد	مٹاکی روٹی چنے کا ساگ
پھاگن کے مہینہ میں کیا نہ کالہ مٹاؤ	چنے کا ساگ اور بڑی جوار کی روٹی

دو سیارہ - یہ وہی مشہورہ معدوث ہندوستان کا ظریف ہے۔ جس کے پھڑکنے  
 ہوتے لیٹے، آج تک زبان زد علم ہیں جو دربار کبریٰ کی زمینت اور بادشاہ وقت کی ہر طرح کی  
 دلی چہی اور تفریح و نشاط کا ٹھیکہ دار تھا اصل نام ملا علی المومنین تھا۔ خاک پاک دلی کے رہنے  
 والے تھے باپ کا دلی محمد نام تھا۔ ہر طرح کے علم و فضل سے بھرہ ور تھے۔ ترکی، فارسی، عربی زبانوں  
 نہایت اچھی جانتے تھے۔ مگر تفسیر اور نہایت المقدس زبان پر غالب تھے کہ اس لئے تمام علوم اور  
 تمام فضائل اس کو زد میں آگئے تھے۔ کوئی بات ہوتی۔ کسی نبی تین اور خیدہ گفتگو ہوتی مگر اپنے  
 رنگ خاص میں ڈھال کر اس کو دھسپ بنا دیتے۔ ایک بات کہتے تو گول، سو سو مہر نہ ہاتھ  
 اکبر کے جلس خاص تھے۔ ندیم خاص راجہ سیر بل سے ہمیشہ چٹمک رہتی تھی وہ بہ بڑا اور

چبھتی ہوتی پھتیاں، کہتے کہ راجہ صاحب اور تمام شے والے ہونٹ چاٹتے رہ جاتے تھے عرصہ دراز تک منظر میں مقیم رہے۔ اور اصلی وطن آباد اجداد کا بھی تھا۔ وہاں کے پوجاریوں اور پنڈتوں سے ہمیشہ مباحثے اور گفتگو جاری رہتی۔ اسی وجہ سے زبان ہندی میں بھی شاعری کرتے تھے۔ مگر بیشتر فکر سخن کا قدسی میں اتفاق ہوتا تھا۔ ابراہن فضل سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ آخر عمر میں ہنڈیا جو نوح قصبہ چھپانیر ضلع بھوپال میں ہے وارد ہوئے۔ کسی سے پوچھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے جواب ملا کہ ہنڈیا، کہنے لگے کہ اس اب دو پیازہ ہنڈیا سے نکلا کہ کہاں جاے گا۔ اور آخر کار یہیں پیوند خاک ہوئے ملا صاحب قنبین تھے اور کئی کتابیں لائے یا دگا رہیں۔ چنانچہ اترک عالمگیری لغت ترکی فارسی کے لطائف - النامہ - ملا نامہ - یہ سب ملا ہی کی تصانیف ہیں۔ اگرچہ اردو زبان پر ان کا کلام ہونا ایک امر بعید از قیاس ہے مگر معتبر تذکروں میں یہ شعر ملا کے نام سے ملتے ہیں اس صورت میں سوائے لکھنے کے اور ہمارے پاس کیا چارہ ہے۔ اس لحاظ سے کہ عہد اکبری میں شاہن وکن کے یہاں اچھی خاصی اردو رائج تھی نقل کرنے میں باک بھی نہیں ہے

وہ گور گور لڑکا باسن کا شوخ گھوٹا  
ایسا لگے ہے جھکو جوں کھا ٹڈکا کھلونا  
شوخی نپٹ کر تہہ تک چھلکائی ہاتھ مل کر  
تیں تاک بیچ کہنی ایسی طسج ملونا  
سالمی لڑکا ہے کیا کیا کل شیخ جی کے چھپے  
م درپ لعل میں ہما کالہ اور ٹھہرا کھونا  
دو پیازہ از دل و جان قرباں چراں باقم  
جو بن لے مدھ کا اما وہ سا زلا سا رونا  
ہمالہ پیم رس کا چاکھ بیٹھے  
ملت میں تن بدن پر رکھ بیٹھے  
دو پیازہ کی دلدارنی کہتے ہیں  
گایہ گونا با ذخاری کر رہے ہیں  
وہ پیازہ سب کس بیڑیا پر تھے کے  
نکھلی کے ہاتھ پھنس گئے پیازے پائے کے

۱۔ لالہ بہ چند نام ہے۔ لاہور کے رہنے والے ہیں۔ انگریزی میں ایم

تک تعلیم پائی ہے۔ سر دست کسی اخبار میں ایڈیٹر ہیں مجھے مرزا واجد حسین یاس و بگانیہ سے آپ کا نام و پتہ وغیرہ معلوم ہوا۔ چنانچہ نہایت اشتیاق کے ساتھ طلب کلام مرتبہ کے لئے ایک نیا مندانہ عربیہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ مگر نہ معلوم کیوں جناب نے نہ کوئی جواب دیا نہ کلام روانہ کیا۔ اتفاقاً چند روز کے بعد اوٹیر صاحب نیرنگشالی سے ملاقات ہوئی۔ موصوف کے تعلقات چونکہ دوزخی صاحب سے نہایت وسیع ہیں اور وہ شاہ ہے کہ قریب قریب روزانہ ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ لہذا اوٹیر صاحب سے بھی ان کے کلام کے بچھنے کی استدعا کی۔ انھوں نے بھی برسائے اخلاق و عمدہ فرمالیا مگر اس کے بعد ہاں نہیں کا کوئی جواب نہ دیا۔ مجبور ہو گیا۔ لہذا سر دست و دشعرب میرے پاس ہیں انھیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

ایک وقت تھا کہ ہندوستان میں نہیں بلکہ دنیا میں علامہ کوئی بڑی ہی مشکل سے ہوتا تھا۔ مگر اس وقت صرف ہندوستان ہی میں سیکڑوں علامہ موجود ہیں اور اس لفظ کی وہ در زائی ہے کہ اب جب علامہ کی آواز سنائی دیتی ہے تو ساعۃ ہی التسلیٰ مسنون کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اسی بارہ میں دوزخی کہتے ہیں۔

کہتے گئے بس آج سے علامہ ہوا ہیں اس بات کا لطف آیا مجھے خوب ہنسا میں  
دوسرا شعر کسی مہاجر پر چڑھا ہے۔  
حضرت ہمدرد بھی شاعر بن گئے جاؤں کے سر پر تاج اچھا لگتا ہے

مرزا واجد حسین اور دوزخ سابق کے ایک نظریہ نامہ مکار تھے جن کی ایک تاریخ تاریخ کی وفات پر مبنی دوسرے نگہری۔ اگرچہ مرزا دوزخ کی جناب میں گستاخی ہوتی ہے۔ مگر مامور معذرت نقل کرتا ہوں۔ ظرافت اور شوخی اس سے کبھی چرتی ہے۔  
نامہ دوزخ بیٹھنے میں ایک ہی دفعہ تھے اٹھنے میں دیکھتے نہ مگر چہ چاہتے

باغ سخن میں امانت سے لکھتا ہے  
 قدسیاہ گرچہ معصوم ہے مگر  
 تھا جامہ زمیںوں پر لکھتا ہے  
 تھا ذکرہ تو پورٹ کا وہ جسکی کاہنہ میں  
 پسلی تھی لیڈیوں کی مگر یہ کچھ خوب حال  
 کرتے تھے حسن کی تو لائیں کو رشتہ  
 ڈوبے ہوئے تھے رنگ قدیم و جدید میں  
 روغن میں رنگ میں تو شیعہ غریب تھے  
 شیریں بیاہنوں میں مگر پھر بھی راب تھے  
 یہ سچ ہے دھوپ چھاوس کے آفتاب تھے  
 گوشت حسن صورت کویت شرب تھے  
 نگھی فٹن بروں چٹے لاجواب تھے  
 بے پردگی کے باب میں لیکن عجیب تھے  
 خبروں میں ہر طرستہ لڑکھا لکھ تھے

دیوانہ طالب علم نام تھا۔ بناس میں قیام تھا۔ اور یہ نمونہ کلام تھا۔ مسئلہ ۷  
 ایک زندہ تھے۔

بندہ بے دامنوں بکاس ہے آپ کی مگر میں  
 جھکو حیرت ہے لڑائی کیلئے چھوڑا دیا  
 ہو گیا نازاؤں کو اپنے حسن پر یہ سوا  
 شوق سے بچو کھڑا کر کے مجھے بازار میں  
 گالیاں دیتے ہیں وہ دن کہ مجھ پر آیا  
 جو نہ کہنا تھا کہا سب نے اسے بیا میں

اپنے مرنے کا کیا دعویٰ ہے جسے کہتے  
 بولتے ہر دم کہ تم دنیا میں زندہ ہے یہ تو

# حرف الہندی

ڈاکٹر نام و نشان معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ کوئی صاحب راہپور کے  
رہتے واسے ہیں اور دور موجودہ کے شاعر ہیں۔ ایک صاحب نے یہ دو شعر حفظانہ سنائے  
اور بھانسی لگے میں کا کلچ چلنے لگی ہے اور ٹٹی لگائے آہ میں کرتی کی جالی ہے  
میا کا ہے یہ کہنا کہ خواب نا اسے آٹھئے نہیں تو اب یہاں بسو کی چوری ہوئی لالی ہے

ڈھینڈس۔ کوئی صاحب بھوپال کے نہایت مشہور و معروف ظرافت گو ہیں۔ میرا نے انکی خدمت  
میں اتوار تین چار خط بھیجے گرا تو خط نہیں پہنچے یا انھوں نے احتیاس سے شاعرانہ سے کام لیا اور تذکرہ کو  
اپنے کلام سے محروم رکھنا پسند کیا۔ پھر مٹی۔ شوق و سرہول کہ باشندہ ہرش در کا ریت کسی نہ کسی طرح  
کچھ شعر ان کے حاصل ہو ہی گئے۔

پڑی عشق کی ٹاپارے ٹاپارے ایسے باپارے باپارے باپارے  
نہا ہے کہ بسم اللہ کوئی ان کی محبوبہ مطلوبہ تھیں ایک روز ڈھینڈس صاحب نے ان کی دعوت کی  
مگر اس طرف سے وعدہ وفا نہ ہو سکا ان کو نہایت اسوس ہوا اور یہ شعر کہا۔

یاد میں سات سو چھیالیسی کی تہے تازہ شراب باسی کی  
ایک کپڑے کے یہاں تھنڈا پلاؤ بھجوا۔ مگر وہ صاحب کچھ ان سے حفاقتیہ غصہ سے پلاؤ کا پٹ زین پھینکا ہے یا  
اور بعد کو چیا لے لے کہ رزق کی بے حرمتی ہوئی تو فوراً اس کو دن کر دیا۔ ڈھینڈس صاحب کے معمول یہ ہے کہ کچھ ہوا اور کچھ  
آج زورہ بکاس کے بائیں گئے فاقہ ہے پلاؤ مدوں کا

# حرفِ نالِ مجرمہ

ڈاکٹر۔ شیخ زکریا نام تھا۔ غازی آباد یا نواح غازی آباد ضلع میرٹھ کے باشندے۔ نہایت نیک نفس و حبیہ خوش وضع ظریف البطن تھے۔ راقم الحروف کے بڑے دوست تھے۔ دہلی میں قریب قریب روزانہ ملاقات ہوا کرتی تھی۔ گھنٹوں شعر خوانی کی صحبت رہتی۔ ڈاکٹر کا وہ دنوں رنگوں میں شغف تھے۔ لطافت بھی شانہ سے دور نہ ہوتی تھی۔ اہل شانہ بیگم اور پھیکے پن سے ہمیشہ پاک رہتی تھی۔ اس میں بھی ایک خاص قسم کی لطافت اور شیرینی کی جھلک پائی جاتی تھی۔ مجموعہ کلام ایک دیوان میں جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں بھر ۲۵ سال ستمبر ۱۹۱۷ء میں انتقال کیا۔ اب وہ غیر مطبوعہ کلام مفقود اور اور نایاب ہو گیا۔ صرف چند روز کی باہمی صحبت میں حافظ نے چند شعر محفوظ کر لیے تھے۔ وہی لکھتا ہوں۔

مرا دین و مذہب اٹھا لگیا      دم بت کل مصلہ اڑائے گیا  
نقطہ خالی پاکٹ کے الکی پیس      بقیہ وہ اک اک ٹکڑے گیا

بیوہ کے عاشق کے واسطے ڈاکر      کال سے سفیرِ مال اچھا بہادر  
نہیں تھیں زلفت کی کوئی      آپ کا بال بال اچھا بہادر

قل؟ پرتا ہے اور پھر وہ جلاتا ہے      خوب ترست سے ملا تھا کہ ابازِ جناح ہوں



جب مے خاص اشاروں کو سمجھتا ہے نہیں      پھر وہ کس کلام کا جوختا تاڑی مشوق  
بادہ تندرست ہے جھکوز یادہ ذکر      کہے ٹپکنے میں دیتا ہے جو تاڑی مشوق

کام آتا ہے نکیرین کا ہرہ ذکر      نہیں رہتا کسی مردہ کفن چوکوف  
قابل شکستہ آزادی مارگیسو      نہ سپیروں کا کوئی ڈنہ کسی مور کا خوف

سکال کو چہ جاناب کھٹکنے ہو گئے ذکر      جو دربانوں سے بچ جاتے ہیں یہ نہاگتیتیں

فوج - حکیم منشی محمد اسماعیل خاں نام ہے - دہلی وطن ہے - ایک زمانہ میں محلہ  
ہاٹ گنج دہلی میں مطب کیا کرتے تھے - اس کے بعد نواب سید الدین احمد خاں طالب مرحوم  
کے یہاں ملازم ہو گئے تھے اب خدا معلوم کہاں ہیں - پہلے افضل الاخبار میں ان کے مضامین  
بہ طریق منیرہ کے نکلا کرتے تھے - اس میں بھی طرافت کا چٹخارہ رہتا تھا - غزل میں بھی طرافت  
شامل کر لیتے ہیں - اور دونوں رنگ ملا کر سامعین کو محفوظ کرتے ہیں سلسلہ ۱۹ء میں دلی کے  
بعض مشاعروں میں میں نے ان کو دیکھا تھا اس وقت پچاس پچپن برس کی عمر تھی - انتخاب  
کلام طرافت یہ ہے -

نگہ میں کھار بر وقت سب چپ چپ کے آتا ہے      آجکا ہے اڑا ایسا لگا کھنکھیر میخانہ  
شراب پاکند و کدواں دہریں پلانگی      کہیں جنت نمود اعطی حری ہشیر میخانہ

خدا جانے جو خواہش اور کچھ ہوتی تو کیا ہوتا      ذرا سے ایک برس پر تیرا دم نہ مٹتا ہو کہ  
ش جنوں میں بھی نہ پھرے ہم بہنہ پا      یہ آجے ہی پاؤں کے پاؤں ہوں گے  
میں نے لکھائے گھر سے جو اس سفر کی کچا ڈ      جھپٹی سے پاؤں ہوں گے اکہلہ میں کچا پاؤں

چکی کا پاٹ بن کے پھر اس پر راست بن  
مرنے سے مفلسی کا مری پردہ کھل گیا  
سمنے کی جستجو میں جو چھانی بہت ہی خاک  
صد شکر پایا مرتبہ غوث قتل سے  
ہیں سپٹ میں چھپے ہوئے چیخ کن کا پاؤ  
اندھ کفن کے سر پہ تو باہر کفن کے پاؤ  
آخر کو ہاتھ آگئے اس سمنے کے پاؤ  
سر پہ کیس کیس ہیں تھے خستہ تن کے پاؤ  
مفلس نہیں کہ میں کھول باہر وطن کے پاؤ  
مفلس نہیں کہ میں کھول باہر وطن کے پاؤ

ذکی۔ کھنڈ کے پہننے والے ہیں۔ غالباً مولانا انوار مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ظرافت میں لکھ  
ہزل کا رنگ شامل ہو جاتا ہے۔ مگر پھر بھی نہایت ہنر کے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں خصوصیت  
سے پڑھنے کا انداز نہایت خوب ہو ہر لفظ کی ایک زندہ تصویر کھینچ کر دکھا دیتے ہیں۔ شوخی مضامین۔  
صفائی زبان وغیرہ آپ کے کلام کا جو سرا علی ہیں۔ راقم الحروف کے دوست ہیں۔ عرصہ سے  
ہر سبب پریشان روزگاری دلی میں مقیم ہیں انتخاب کلام یہ ہے۔

دھڑلنگ ہو گئی نہیں اتنے بھگدڑ کیے  
لفظ پر توجہ کی الفت میں یہ تھیر جاؤں  
دی ہے سو مرتبہ جب یار کو پی میں نے  
جب کہا تمہیں نے بچپن میں لپٹا جا پاری  
وصل ہو جاے چہر اس لئے کرتا ہوں فقط  
لے ذکی اگر گئیں تزلزل سے جو ان کی ملکیں  
گالیاں دیتا ہے روز کا دیوانہ جھک  
دیکھتے کہ جو بھول بھلساں جھک  
تب کھلائی ہیں کہیں دھیلے کی کھٹیاں جھک  
کہا لیلیٰ نے کہ بھی ہاڑی اناں جھک  
ورنہ ٹھینکا بھی نہیں الفیضان جھک  
نظر آنے لگا۔ بے خار گلستاں جھک

تھا حکم نبی میں لیلیٰ کا سارباں کے لئے  
دے اچکے کس لئے صبا و بانس چھوٹا ہے  
بھنادے نہ پتہ بھی ہیں یہ کہنا تھا قیس  
کہ بھیا جھک نکل چل شکر ہانکے لئے  
یہ کو ششیں میں فقط میرا نشان کے لئے  
دو وقتہ تو رہے جاتے ہیں پاں کیلئے

کھلاکے قہیں کو لپیٹنے اور الٹی دی      کہ ہوگی فاقہ سے لیجا یہ اپنی ماں کیلئے  
 یہ حال ہے ترے کشتہ کا اب تو اے جان      کہ کتے لاش پر پڑتے ہیں استخوان کے لئے  
 تو اس پری کی محبت میں گھوم جاؤ غیر      کہ تیرا باپ بھی لٹو تھا تیری ماں کے لئے  
 کسے لگاؤ گئے تم تیر مر گیا عاشق      وہ فاقہ نہ رہی اب خلیل خاں کے لئے  
 اے جان جان بتائے گیسو کہ ہر گئے      وہ کون سے گدھے ہیں جو بھیت چر گئے  
 ظالم پس فنا بھی ہے بوسوں کی آرزو      منہ کھل کے رہ گئے ترے عاشق جو گئے  
 سوتے میں لے گیا کوئی زلیخا زار      وہ جیسے بدگماں ہوئے تجھیں کتر گئے  
 طفلی میں کھو نہ دینا کہیں عاشق کمال      پھر رو گئے کہ میرے کھلونے گدھ گئے

**فیل** - زہار نام تھا - میرزا سلیمان شکوہ بہادر کی کینز بختی - نہایت شہر تیر طبع  
 شہر کوئی کا شوق تھا - مگر تخلص کی - عایت کو ہمیشہ مد نظر رکھتی تھی - یعنی بختی کے فتن شہر کہتی  
 تھی - دو شعر جو صاف تیر نقل کرتا ہوں -

میں فرشتے کی بھی سستی نہیں ناصح کیا ہوں  
 اپنے کرتوت پہ جہدم کہ اتر آتی ہوں

جسے اللہ رکھے اپنی اماں میں مرزا      ہمسی پریوں کو بھی دیوانہ بنالیتے ہو

**ذوقا** - شاہ ذوقا قاکر کے مشہور تھے سنا ہے کہ بنارس کے رہنے والے تھے بھلاؤ  
 الحال تھے غدر سے پہلے شرف الدین احمد کے پاس میرٹھ میں آکر رہتے تھے - ایک شعر مل سکا  
 ہے - اسے بھلاؤ سب کی بڑے تھے یا ظرافت جانتے -

نے بام کے ہیں زیب بخت کسی در کے  
 ہم باٹھ سکے روڑ سے زینا ادھر گئے نہ ادھر کے

ذوقی۔ میر عبدالباقی نام تھا ذوقی تخلص سید محمد اشرف درگاہی کے صاحبزادہ۔ تھے  
 بگرام وطن تھا۔ نہایت شیریں کلام۔ اور لطیف الطبع تھے۔ ان کے والد سید محمد اشرف موضع راہون  
 کے جو راجہ لاہور میں تھا حاکم تھے۔ اتفاق سے وہاں کے کچھ سرکش لوگوں سے جنگ ہوئی ذوقی بھی  
 وہیں تھے اسی باعث سے اس سرکشی میں شریک ہوئے۔ اور اسی موقع میں بتاریخ ۲ محرم الحرام  
 ۱۰۳۵ھ روز جمعہ بعد نماز عصر لڑتے ہوئے مارے گئے۔ مولف خجانیہ جاوید نے غلطی سے  
 انھیں کوہ لاہور کا حاکم لکھا ہے۔ مگر دراصل یہ حاکم نہ تھے جیسا کہ تذکرہ سروآزاد کی عبارت  
 سے ظاہر ہے ذوقی مرحوم اردو فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور متین الشعراء میں اپنا تخلص قیام  
 رکھتے تھے چونکہ شیرینی کلام سے ان کو نہایت ذوق تھا اس واسطے اس کی تعریف میں پورا ایک بیان  
 کہہ ڈالا جو شکرستان خیال کے نام سے آج بھی ملتا ہے۔ اس میں غزل۔ رباعی قطع۔ شہری  
 نمس۔ ترجیع بند وغیرہ سب کچھ موجود ہیں۔ اور ایک شعر سے ابوالاسحاق الملہ کے کلام کا ذکر آتا  
 ہے۔ جس کا انتخاب ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

آنا نکہ پردہ از رخ لوزینہ واکند	آیا بود تو اضع صحنہ بمانکند
نان از تنور بہر مر باجدا شدہ است	لازم بود کہ حق غریبی اداکند
در کار خیر حاجت بیج اختیار نیست	اہمال در تزا دل فرنی چراکند

انہر را در شاخ درخت ارجد کنید	پہناں ز چشم ہدیہ لبش آشنا کنید
کیبار پوست را ز تنش بر کشیدہ آید	بار دگر یہ کیسلہ ندانم چہا کنید
ہنگام آن شدہ کہ اسیران انہ را	بر کام دل ز محنت نہ دناں سل کنید
آوردہ ام برے شما شر بہ انار	نوشش کنید و قلعہ خود را دعا کنید

شیریں نشوے ذائقہ فکرت شدہ گر چشم نشوے سیر مزعورت شدہ گر

چندان بہ ادب و ستی دامنش این  
 حلوا نفروے بدماخ این ہمہ قوت  
 باشیر و شکر حب ہمہ نشدے گر  
 ذوقی ہمہ اجزائش برابر شدے گر

نقل بگیر برباں یکدوسہ چارنج و ش  
 در قریح بلور کن شربت قند با کلاب  
 بیزہ قند و سواں یکدوسہ چارنج و ش  
 چچہ بزن راں میاں یکدوسہ چارنج و ش  
 یک نڈا نڈیاں یکدوسہ چارنج و ش  
 بوسہ ہم ہٹے اک یکدوسہ چارنج و ش  
 شاد ہاں ہم بکھ گزندا ز کمال شوق  
 خوب نمایم بیخاں یکدوسہ چارنج و ش  
 صحن پر از من عرف و کاسہ پر از برنج و شیر  
 خربزہ ٹے خوش ہاں یکدوسہ چارنج و ش

دستمال نذوق بر ہم بیتابی گردو  
 کہ از یاد زلابی عوہ چ و تاب می گردو

ہر میں بہ سوئے چہائی بہ دیدہ الفت  
 غرض ز موسم بہ سات اولد و بندگی است  
 کہ بے وصال شکر حالت نزاراں چیت  
 وگر نہ این ہمہ تہید برقی ہاراں چیت

چرانہ ملشکر از خرمی بخود یالد  
 کہ آل او ہمہ مقبول آمد و منظور

در تنہا ملاقات شکر لے ذوقی  
 کہ گردید دل شیر بہ الفت و گند

# حرفِ رائے محلہ

Rahat

RAHAT

راحت۔ دہلی کے کسی نامعلوم ریختی گو کا تخلص ہے۔ باوجود تلاش حال نہ مل سکا  
کلام مل گیا۔ جو حاضر ہے۔

جبے وہ بانکا سبیل دل کو ہے بھایا ہوا  
میں اپنی ایڑی چوٹی پہ ہتھ کر لے آئے  
انگ لگتا ہی نہیں گویاں مر لکھایا ہوا  
یہ مردہ انگڑا تو لٹو ہے گنوار کا  
تم جو چپکی ہو رہی ہو اے جو اچھ گیا  
رو دگئی تم تو وہ آجائیکا بٹیا پھر اچھی

دودھ لینے کا ارادہ تھا جو ڈرا تھا ہاتھ  
جو رو بیٹاں ماں بہن کا کچھ نہیں کرتے خیال  
نوجوانی انگیا مری دیکھوئے ہنسی بان  
گھر میں آکر صاف کمدیتے ہو تم باہر کی بات  
گونگی بہری کب تک لوگوں کی بیٹھی رہنا  
نندکی باتیں سنوں ہے کین کیوں کی بات

پوتی پوتوں والی ہو کر لال چڑا پہنوں میں  
جھکو تو بچی یہ بڑھا چلا آتا نہیں

کھلا تو ہوتا ہوئی پوری آرزو تیری  
لحاظ آیا کسی کا نہ جھکو عصمت جان  
دگنا لال سا بٹیا جنی ہو تیری  
غلام سے گئی پکڑی جنم میں تو تیری

رحیم۔ ایک قدیم ریختی گو تھے جو دہلی اور رحمان کے معاشرے تھے۔ خزینۃ المعلوم  
فی تعلقات المعلوم میں انھیں ریختی کے طرز کا خشرع اور موجد بتایا گیا ہے۔

اری نادان میں اپنے سخن کو کیوں بکھایا ہو      مٹھا کر پیو کہ چمک میں کسی نے ذوق پایا ہو  
بہت چھتا پیگی میری نصیحت ان کو کتنی ہوں      سکھ کر رات بھر ہی ہے یہاں سے کوچ بچایا ہے

رہسوا۔ خیرات علی نام تھا۔ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ مگر پھر دہلی میں قیام اور  
مقام رہا نہایت شوق زندہ دل ظریف الطبع تھے بات بات میں لطیفے اور چٹھے کہتے تھے  
خود بھی ہنستے اور ہنسنے والوں کو بھی پھروں ہنساتے۔ غزل گوئی کا شوق تھا۔ میر ممنون سے اصلاح  
لیتے تھے۔ مگر ظریفانہ رنگ میں اچھی خامی دستگاہ رکھتے تھے۔ مگر اکثر شعر مرزا کی ادب و شہ کے  
درجہ تک پہنچ جاتے تھے۔ چند شعر مع حالات کے ایک قدیم قلمی بیامنی میں نقل آئے ہیں  
سے مثنیٰ۔ اہ غیر مذہب دونوں رنگوں کو چھوڑ کر یہ شعر جو ظریفانہ کہنے جاسکتے ہیں انتخاب کر لیں۔

نالہ کرے سبز بچوں میں اختر شمار ہو      شام فراق در کا ترے چو کیدار ہو  
رہسوا یہ لین دین ہے تو کیا ضرورت      دل پانا انکو نقد دیں بوسہ ادھار ہو

مجنوں کی بھی دست درازی ہو تو اکش      سر ہوٹکے لیلی کو چڑھاسے گا شہر ہو  
میں خود تری زلفوں میں گرفتار ہوں      نونے تو نہ بیٹھتے تھے سپاہی کے گھر ہو  
کچھ اونٹ سے کم حضرت زاد بھی نہیں ہیں      اتنی سی کسرت نہیں کوہان کر ہو

رسم۔ لکھنؤ کے ایک قابل ظرافت لکھنؤ کا فرقی تخلص ہے۔ جن کی قابلیت اور استعداد  
علمی نہایت ممتاز ہے۔ ظرافت صرف ظرافت تک محدود نہیں بلکہ اس سے گزر کر یہ چہا  
کی حدود میں پہنچ جاتی ہے میرے یہ چند اصرار اور التجا پر چند شعر غایت فرمائے۔  
لیکن اس کے ساتھ ہی منع فرمادیا کہ نام یا صحیح پتہ ہرگز نہ لکھا جائے۔ کلام بھی بہت کم  
دستیاب ہو سکا۔ کیونکہ ایسے اشعار جو صاحب شہسہ ظرافت یا زیادہ سے زیادہ نزل

تک ہوں ان کے یہاں بہت کم ہیں بلکہ بجائے اس کے خواہش کی گرم بازاری اور زیادتی ہے۔ بہر صورت جو شعر ان اسقام سے پاک ہیں اور جھکومل سکے ہیں وہ درج کرتا ہوں۔

ہر اک زبان پہ غافل ہے کھڑا درخت کا پھنس ہیں مادر وطن شباب نورافشاں  
 نہ ان کی والدہ ہوتیں نہ وہ نہ عشق مرا خدا و را کہے عمر ان کی نانی کی

پھلائے پھرتے ہیں وہ پیٹ چھینے سے زرا سی گوشت کی بوٹی نے یہ گرانی کی  
 گزر رہی ہیں شب انتظار کی گھڑیاں اوندھڑ رہی ہے سلائی مری میانی کی

شدت ضعف کا کیا ذکر کہ اگر شب بزم چارہ ساز آگے سہارے سہارے کی ہیں  
 بنے سر ڈھانکا اٹھوں نے فیل بگڑ گیا اب ہمیر اور ہم اپنہ خون کا دعویٰ کیا

**رشک**۔ ان کا میر علی اوسط نام تھا لکھنؤ کے نہایت مشہور و معروف شاعر تھے۔  
 شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کے نہایت رشید شاگرد تھے زبان کے زیر دست محقق تھے۔ ایک  
 وقت زبان کی ترتیب دی تھی مگر افسوس نہ وہ شائع نہ ہو سکی۔ دو دیوان نظم گراہی  
 نظم مبارک غدر سے بیشتر طبع ہوئے تھے اب کہہ سکیں۔ غیر شکوہ آبادی ان کے  
 ارشد تلامذہ میں تھے۔ رشک نے سترہ اعوام میں بمقام سال انتقال کیا۔ اگرچہ نہایت  
 متین اور مہذب تھے۔ مگر ان کے بعض شعر ظرافت کے بھی پائے جاتے ہیں۔ اسکی وجہ  
 صرف ہی معلوم ہوتی ہے کہ اسوقت کے لوگ مزاح کے ساتھ ظرافت نگاری کو بھی  
 شامل رکھتے تھے۔ جو شعر لکھے جاتے ہیں ان سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ناواقفیت  
 ظرافت نہیں ہے بلکہ قصداً اس طرف قدم بڑھایا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز نہ لکھتے

چادری الماس کو شست بخت بگر ذرقت یار میں پلاؤ نہیں  
 میرے کھانے سے کیوں نکلے کبیر پاؤں روئی سہ نان پاؤں نہیں  
 اور کیا ہے ترا ادب میں یہ اگر قصداً چواؤ نہیں



اب کے جاڑے ہیں اور نالہ و آہ  
یہ زمین غزل دہے اس رشک  
اس طرح کا کوئی  
جس میں ذرہ کہیں بھراؤ نہیں

اسے مایہ حیات کبھی بھگوانے  
یار بے گورے ہیں کہ فرشتے خدا کی  
سندرجہ بالا غزل شکار کسی ظریف الطبع نے سر مشاعرہ یا سحرش رشک کو مخاطب کیا  
اور یہ شعر پڑھا۔

چھوڑے دور سے دکھاؤ نہیں رشک بیٹھا ہے بن بلاؤ نہیں  
سننے والوں نے وہ فقرہ اڑا یا کہ محفل عشرت گنج لگی۔

رفیع الدولہ۔ دکن کے ایک خود پسند بیوقوف رئیس زادہ کا تخلص تھا۔ اگر حسب  
اس کا تذکرہ کرنا اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ مگر چونکہ تذکرہ روز روشن اور تذکرہ آفتاب  
عالم تاب میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان کا ذکر لکھا ہے۔ اس لئے اتنا لکھا نہیں ہے  
نکھنے پر لکھنے کو ترجیح دی۔ جس زمانہ میں انگریزوں نے دکن میں ریاست پر قبضہ  
کر لیا۔ تو رفیع الدولہ کیلئے پہونچے۔ نواب گورنر جنرل اور دوسرے اعلیٰ عہدہ داروں نے  
اس گھمبیر دل دہی اور عظیم کی اور معقول مشاہیر اور اسکے اخراجات کے لئے مقرر  
کر دیا۔ چونکہ رفیع الدولہ کا دماغ جلا ہوا تھا۔ (دیکھئے آری۔) ہی بیودہ اور لائسنی با میں  
جاری تھیں مثلاً آپ جہاں کہیں کسی جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتے تو بغیر ہتھیار  
کی کرسی پر خود ہی روتی افزہ ہو جاتے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی سلام کرتا  
تو آپ آنکھ کے اشارے سے سلام لیتے تھے۔ چھڑنے اور کھانے کے لئے بڑے بڑے  
آدمی بھی آپ سے جی حضور سے بات کرتے اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا یا نہ دست بستہ کہتے تھے۔

دوسرا خط کہ تھا کہ سال بہت سا حلوہ اور روٹیاں سبک اصحاب کھت کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے تقسیم کرایا کرتے تھے۔ تیسرا خط یہ تھا کہ اپنے دیوان یعنی اپنے منفی کو جس سے اکثر اپنی باتیں لکھوایا کرتے تھے کا جب الہامی کہا کرتے تھے۔ یعنی اپنے کلام نشر و نظم کو وحی آسمانی جانتے تھے۔ چوتھا خط یہ تھا کہ آپ شعر فرماتے تھے اور کبھی بھول کر بھی موزوں نہ فرماتے تھے بلکہ آپ کے کلام کو رنگ و لہذا میں شامل کرنے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جو کچھ پھر پورج اُن سے صادر ہوا ہے وہ موزوں ناک نہیں۔ پڑھنے والوں کے لئے دھڑان زار کشیدہ افعول نے جب اپنا دیوان اپنے ہذیانات سے تزیین دے لیا تو اب گورنر جنرل ہسار کو ہریتا بھیجا۔ اُن کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ کیا اور مولوی سراج الدین صاحب کے پاس جو اس وقت قاضی القضاۃ تھے بھیجا کہ اس کا دیباچہ لکھو۔ چنانچہ تمیل حکم کے لئے انھوں نے نہایت لطیف اور طریفانہ رنگ میں دیباچہ لکھا۔ چنانچہ قاضی محمد صادق خاں دھڑنے اُس انگو کہ کو نقل بھی کیا ہے۔ اب چند شعر نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔

اکی دالشمندی مراد خدا	اکی تو امید دانی ترا
ابر و برق و تجلی و برق نور افشاں کہ	آبے باران کہ حکم خدا نیا بندید کمران کہ
خم غدیرا کہ پیغمبر دادہ دملک داد	خریدار ملک را صلح سرتاج داد
و منصور حلاج ہمار و مارانا الحق گوید	شریعت پنیامیر خدا کہ حق حق گوید
صاحبقران جنگ سمرقند لوزنہاں شد	ینیا دجنگ کردہ کہ ایلد دم خوشحال شد
سلاح جنگ کہ سپرد شمشیر آمد	گورہ توپ و تفنگ کہ بد بلا آمد
صورت لار کہ از منی در کلکتہ بسیار	خواب راحت کجا کہ پشہ بسیار
زنان کلکتہ را آب بسیار	گردن صراحی دار و شراب بسیار

مقرر کردہ عالم بحق گزارنے شناس      خدا را شناس و خدا را شناس

رنگ۔ حریف خاں نام عرف مرزا رنگیلے۔ تذکرہ خٹمانہ میں ان کا ذکر  
مختصراً لکھا ہے مگر یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ صاحب تذکرہ  
مذکور لکھتے ہیں وہ استعداد علمی رسمی ہے تفنن طبع کے طور پر شعر کہہ لیتے ہیں جس میں  
بیشتر تمسخر کا پہلو مد نظر رہتا ہے۔ انتخاب کلام یہ ہے۔

سکونِ انقلابِ دل ہوا میں نے اسے بھانکا	سفرِ عاشقی ہے نامِ خاک کے جاتاں کا
چالانِ تریکیوں ستمِ ایجاد نہ ہوگا	کیا خون کا دعویٰ ستمِ ایجاد نہ ہوگا
دارِ غلط میں ہو جائے گا آخر کو گرفتار	حاضرِ جودِ عدالت میں تو جلاوت نہ ہوگا
بند آکھیں ہیں تھماری رنگتے ہو راندن	یہ تو جلاوت کہ افیون اس قدر کھاتے ہو کیوں
گھر بیٹھے دیدِ رخ کی تے رب کے نصیب	قدیرِ رھ کے گھنٹے گھر کے برابر جو یار ہو
ہمارا یار ہو کو آج تلشکاری چٹائیگا	نہ ہے یہ کہ تلِ خسار کا لب کی شکر چٹائیگا
نہ پوچھو فلسفے کے عقد کا سامانِ قاضی جو	کنوین کاٹنے پانی ہو گا ادھر جی شکر چٹائیگا

رنگیلے۔ محمد اسماعیل خاں نام تھا۔ جو پنور کے رہنے والے تھے۔ مگر عرصہ سے اپنے  
چچا محمد جعفر خاں کے پاس جو میں پوری میں مختار تھے۔ آ رہے تھے۔ اور ان کی خبری میں کام  
کرتے تھے۔ رنگیلے مرحوم ابتداء میں متین اور عاشقانہ شاعری کرتے تھے۔ آخر تخلص تھا  
اور حضرت داغ دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ ۱۸۹۰ء سے ان کو ظرافت آگئی تھی  
شوق ہوا۔ اور رنگیلے تخلص اختیار کیا۔ اس طرح کے کلام میں بھی فکر نہایت صائب  
تھی۔ نہایت اچھے شعر بکالتے تھے۔ مگر ظرافت ہی میں رنگ قدیم بھی شامل رہتا  
تھا۔ ۱۹۰۷ء میں معقول عمر پا کر انتقال کیا۔ ان کے احباب نے ان کی یادگار میں  
ایک بہت بڑا مشاعرہ کیا۔ اور اس کے اختتام پر ایک قصیدہ جو رنگیلے مرحوم کے  
قصیدوں میں یادگار قصیدہ تھا۔ چوکھٹا وغیرہ لگا کر شعر کو تقسیم کیا گیا۔ رنگیلے کا کلام

مجھ پر طوفان نہ رکھ چاہ کا چل دور ددا  
 ایک تو شکل ڈرائی سی تری بیجا سی  
 جھوٹ سے مجھ کا تری جا بگاڑ نور ددا  
 اس لگانے سے ترے اور بچھانے سے ترے  
 قسبہ یوں گویا کے دینے مجھے مت گھوڑا  
 تیرے تالوں میں لگی پڑے ناسور ددا  
 بڑی بڑی ہے تو کیا صبح کو کل رہ تو سی  
 ہڑی ہڑی تری کرنی ہے مجھے چور ددا -  
 دوستوں کو کسے دشمن تو کیا ہے تیرے  
 اور کیا چاہتے کیا ہے تجھے منظور ددا

رات باتوں میں ہیں تیرے گزاری آتا  
 سوچ اس کا نہ ہو گرجھکو تو پھر کس کو ہو  
 صدرتے تیرے کسی دھبے سے لاری آتا  
 جانتی تو نہیں کیا باتوں میں بھاری آتا  
 آٹھ آٹھ آنسو رلائی ہے تجھے اس کی چاہ  
 روز و شب یہ ہے میں ایک آنسو نے جاری آتا  
 ہوئی جو ہو سے ہو بند ہی لگی شرطی  
 وصل کی اس سے زبان تو میں باری آتا  
 اٹھتے ہی صبح کو اڑ جاتی ہے نگین کے پاس  
 کہیو حساب مرا میں سے واری آتا

چلو چل کر قسط صاحب میں جو لاکھ لکھوں  
 کروں قربان میں شہزاد کو جانی تو کرتی پر  
 دگکا نارمنہ بر شاہ سینہ ہی پہلوں کا  
 دگکا نامجد سے اٹھ سکتا نہیں سوچ بوجھ اس کی  
 ہلا کر یہ کیا کر بات تو تجھے نہیں سنس کر  
 زناخی مارتا ہے مجھ کو دور ایسے کی دگکا  
 جوانی سے وہ بھل پڑے الٹی صف نظر میری  
 وہ کون انسان ہے خوش نہیں لگیں مجھ پر کا

کل جو منگانی نے سی کیے مڑی انگیا  
 لے گئی کھول کے تو شب کی دگکا ناساری  
 ہو گئی تنگ پچھا دن سے گڈی انگیا  
 ایک بھی میرے پسنے کو بچھوڑی انگیا  
 ٹھیک کچھ گات پہ یہ ہے نہیں منگانی  
 تنگ اس سے بھی فریب جو تھوڑی انگیا

نہیں آتی نہ کھنت دوانی آحب  
اپنی بیٹی کوئی کہہ اپنی کہانی آجا  
ہاتھ پر تیسے بوسے کے ہر چھلے کا داغ  
دی ہے یہ کہنے تجھے اپنی نشانی آجا  
بال ماتھے کے جو ٹوٹے سے لئے ہیں تونے  
شکل لگتی ہے بری آج ڈرائی آجا  
غم ہے رنگیں کو نہ پیرا توئی اُسکے پیچھے  
مفت برباد ہوئی میری جوانی آجا

دو گنا کو اور ٹھکرا دیکھا جو لیٹے  
تو پھر کیا گرج کر ہو بھوت خواجا  
غضب ہے کہ رنگیں کا دل بھلائے کو  
نیار دز کرتا ہے کر تو ت خواجا

دانی تھی چوٹی ٹھکرائے میں کل چور پڑا  
ہوئی باجی و دخل چور کے گھر پر پڑا  
دن دھڑے جو علی آئی تو میرے گھر میں  
کل دکان تاسے آنے سے بڑا شور پڑا  
کوڑھ بن سے جو دوا تو نے لگائی ہنری  
تو ہتھیلی میں مری دیکھ لے یہ چور پڑا  
تیری خاطر کروں کجک ہر گنا ناپاکی  
تھر اُس بات کا لیکھا تجھے در گور پڑا

ہونٹ کو اپنے دوا تو نے بنایا ہے جو تک  
کیا مری چڑھے دھڑکے کا یہ جمانا تیرا

شب کو اس صبح ہی پہ نے یہ غضب لاکیا  
چھپکے تجھے منہ دکانا کامری کا لاکیا  
حفظ نظر کہ کا جویری تھی جوان چوٹی کے بعد  
پرٹ اُسے جب گہ گیا تیرا دسرا لاکیا  
کوئی ایسا درد اسیر کہ اترا تی ہے تو  
کوئی پیدا کیا پھر چاہتے والا لاکیا  
اسے دوا کس سے کہوں رنگیں کی چلنی لاکیا  
سیر دوانے میں اس نے مات جنگا لاکیا

یہ ہے گھر میں دنا خنی آئی کب  
میں ٹکڑے سے بھلا دنا ہے

میرا سہیلی ہے وہ  
شب کو بولی تھی چار پائی کب -  
کل زانخی تھی میرے پاس کدھر  
اڑھے بیٹھی تھی میں مردائی کب  
وہ نہ جنتی تو گھر میں اپنے نہ تھی  
پاس اُس کے گئی تھی دانی کب  
دوڑی پلنے کو میں اُسے کس دم  
پاؤں میں میرے مچ آئی کب  
کھانا کھا یا تھا میں نے اُس نے کہاں  
اور مست گرائی تھی ملائی کب  
کی تھی شب میں نے کس جگہ کنگھی  
اُسی اُس نے تھی دکھائی کب  
ہرگز آتی نہیں ہے سانچ کو آج  
پیش جاوے گی یہ بُرائی کب  
گوندہ کر ہاتھ پاؤں بس رنگیں  
اُسے مہندی مرے لگائی کب

تھکے ملنے کا رونا بچھا۔ مان ہونج  
تو ہے بے دید تھے گھر کوئی نہ مان ہونج -  
ناک میں دم تھا چھڑایا ہے خدا نے انا  
عشق کے بند میں پھر بندری مان ہونج  
انگلیاں نے اُسے سخت کڑا ہے رنگین  
اے دوا جان کوئی ایسے کے قربان ہونج -

بھاتا نہیں ہے جھگو گنوار ازار بند  
جا کر دوا وہ چکے کا لاری ازار بند  
ہمسا ئی پر یہ وقت پڑا ہے کتھن  
بُن بن کے چھٹی ہے بجاری ازار بند  
ڈھیلی گرہ لگاؤں تو انا یہ کہتی ہے  
آیا نہ باندھنا تھے واری ازار بند  
باندھوں جو کھینچ کر تو یہ کہتی ہے وہ مجھے  
کیا کس کے باندھتی ہے تو یہی ازار بند

زہر کرتی ہے وہ کھانے کو رکھ دے وز  
آج سے میں ساتھ اُسکے کھانا کھاؤں ورا  
کیا گئی گوری ہوں یہی کہ جاؤں ڈر کر  
اور منا کر ساتھ اپنے اسکو لاؤں ورا  
ہو وہ دل ناچیں بن چکے دانی وہاں  
واسطے اپنے کچے اس سے منگاؤں ورا

اُس نے ہمسائے میں اگر گھر لیا تو کیا ہوا  
اب اُسے آواز میں اپنی سناؤں دو رہا رہا  
دل پہ میرے نقش ہیں نگیں کی ساری خوشیاں  
اُسکی سچو ائی ہوئی ہندو لگاؤں دو رہا رہا

کروں میں کہاں تک اراکت روز  
تمہیں چاہئے ہے وہی بات روز  
کہاں تک سبوں کاں تو اُس کے  
ترمی سنتے سنتے حکایات روز  
گئے ہیں اُسے گھر میں سب تھکوتا  
کیا کروں نگیں اشارات روز

کرتی جالی کی مجھے بھاتی ہے ہلکی ہلکی  
کیوں مے واسطے باجی نے سالانی پشواڑ  
تو دور ایک سچا شہر سے او حرفت باز  
قادر می مانگی تھی تو دور کے لائی پشواڑ  
رشتہ سے نہ پہنچنے کی گئی پھول بست  
میں نے نگیں یہ سننی جو رنگائی پشواڑ

اپنی بندی نہیں ہے چاہ سے خوش  
جتنی گویاں کی ہے بناہ سے خوش  
تیس دن میں کسی سے ملتی نہیں  
ہوں ملاقات گاہ گاہ سے خوش

وہ جو اُسے گھر میں تو بچھے جا بے لوث  
جاؤں گھر اُسکے تو مجھے کسے وہ پان دینے  
دل کی میں ہادی تھی کجھت کہ اُس سے انا  
نہ کیا سچ تو مال دل و ایمان دینے  
آج نگیں کی بلائی ہوں میں وہ گھر میں مے  
کچھ مہیا بھی نہیں پیش کا سامان دینے

بھنکواس بات کا نہیں ہو کا  
بندی رکھتی ہے گاہ گاہ کا شوق

اب ہم نے دکھا نا کو ملو ہریانہ کیا خاک  
انسان کی اتنا ہے پچاں ہی کیا خاک

کشتی میں کچی تیل کی انا اندیل ڈال      سرکھے ہیں یاں سر میں مے آگے تیل ڈال  
یار بشب جدائی تو ہرگز نہ ہو نصیب      ہندی کو یوں تو چاہے تو کو لو میں تیل ڈال

شوق مجھ کھوج مئی کو جو ہر اس بات سے کم      بولتی مجھ سے دگنا ہے بہت راسکے کم  
مان کرتی ہے عیش اپنے وہ جو ہیں پودا      گات میری بھی رنابخی کی ہیر گاسکے کم  
بھجنا روز ہے رنگیں مجھے پیغام سلام      اور میں آگاہ ہوں اس حرف دکھایا سکے کم

کوئی پس کر خوب سی لال مرچیں      تھے دونوں دیدیں ہیں بھر جانے آؤں

گر کے گئے مجھے کچھ بھڑکے باجی تو پھر      ٹھنڈی کرڈالوں گی ہاتھوں کی ٹھنڈی ہا  
اب ہوس باقی نہیں رنگیں کہ میں نے بار بار      پہنیاں رنگ کی ہیرا دی بھاری چڑیاں

شقلین یوں چڑھیں نظر میں ہتھاری گیاں      اور میں کوٹھے سے اس طرح اتاری جاؤں

یوں بولتی ہوں بل بل ا خاک چاٹ کر      گویاں کی طرح جھاڑو کی تیلی نہیں نہیں  
میں جنتیں بھری ہری رنگے گیوں کوٹ کر      رنگیں تری طرح سے رنگیلی نہیں ہوں میں

اب تہہ سے خدا سمجھے تو ہے نہ ہر کا گانٹھ      تجھ پر کہیں ٹپکی پٹے درگاہ کی گویاں  
ہے دل میں ہوس اپنے تو رنگیں کی ہوس ہے      خواہش ہے لدولت کی کچھ چاہے گی گویاں

طبیعت چاہتی ہے اس کو میسری      کھنٹی اس سے بھلا کب تک ہوں میں



چمکتا ہے وہ سو سو بار آکر ✓ بچی اس سے بھلا کب تک ہوں میں

چلو لے چلو میری ڈولی کنارو	جو ہونی تھی سو بات ہو لی کنارو
لگے ٹکڑا سی ہی گو لی کنارو	بچھڑ جاؤ نگری سے مر جاؤ سارے
گئی سب مسک میری چولی کنارو	چلو ہو لے ہو لے دھک سے نچتی
سناؤ نہ اپنی یہ بولی کنارو	مرے مغز کے بس اڑاؤ نہ کیڑے
یہ جیسی زباں تم نے کھولی کنارو	اکہی کسے نکلے تالو میں گکٹی
پٹاری مری سب ٹٹو لی کنارو	جو ہیں اتری ڈولی سے میں ہیں تھے
یہاں سے ہے کے پیسے ڈولی کنارو	ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کرو

سخت یہ رحم ہے ڈاؤ ہی میر جان گئی	کہ تو تو محرم نہیں مت اٹھ لگا چائی کو
بندی ہرگز نہیں اب تک میں مہان گئی	ہلے وہ آدے کب میں غائبائے کہا
مت سنا جھکو دو کا ناتہ قریان گئی	ٹیس پیڑو میں کٹی ادھی میر جان گئی
ہاتھ ملتی ہوں رُی بات کو کیوں نہ گئی	تجسے جب تک ملتی تھی مجھے کچھ کہتی تھا
یاں ترے آنے سے باجی تھے پہچان گئی	دہر لگتی ہے مجھے تیری یہ حقیقت بازی
کچھ تو گھرائی ہوئی پھرتی ہے امان گئی	بے رنگیں سے کہہ آگھڑی پر ہے

تو اچی روح نکل جاتی ہے	شکل باجی کی جو یاد آتی ہے
نیند کیوں ان کو نہیں آتی ہے	کھوڑا جا سے مری آنکھوں کا

آج دوانے پر فبت جو دھری جاتی ہے میری کو کالی اچی گو بھری جاتی ہے

میری چھو جھو کی اچھی کوئی بڑا دے پتہ دے  
 سامنے سے میری کو کا کے پرے ہٹ دانی  
 میری پردا نہیں نگلیں کو اسی آنا چاہتا  
 بوجھ سے اسکے بھینجی وہ میری جاتی ہے  
 جیری صورت سے وہ ڈر پوگئی میری جاتی ہے  
 اسکے پاس ایک نئی رو پر میری جاتی ہے

کل وہ لشکر کو سدھائے گا سنا ہو چکے  
 اور تو کیا کسی روٹھے سے تجھے دوں گی بیاہ  
 جاکے لادے تو مجھے اسکی نشانی باندی  
 لائے گراؤں کا تو پیغام زبان باندی

اتنا بڑا ہی سنا ہے اک اسکی ناک پر  
 شاید کہ ہو گیا ترا میٹھا برس شروع  
 جتنی بڑی دامری انگلی کی پور ہے  
 کو کا کچھ ان دنوں تری چاہے کا شوق ہے

میں تو وہ اوڑھنے کی نہیں کل کی اوڑھنی  
 بھیجا ہے گوٹ کا یہ ڈوٹیر مجھے چہ خوش  
 گرمی کے مارے ناک میں آیا ہے دم مرا  
 برسات اسکو کہتے ہیں جی جس بہا میں  
 پہونچی چاک کر کو اسے لوگو دوڑ بو  
 بھاری بہت دنگا دے کہ سر پر لگاؤ نہیں  
 باجی مجھے اوڑھادو جھاجھل کی اوڑھنی  
 اور آپ اوڑھ بیٹھیں سسل کی اوڑھنی  
 آنا اوڑھادے لاکے کوئی ہلکی اوڑھنی  
 سر پر ہوا کے ہوتی ہے بادل کی اوڑھنی  
 کولے تلک جو سر سے ہلکی اوڑھنی  
 سر پر مرے ہڑتی نہیں ہلکی اوڑھنی

پھنسا دیا مجھے رنگیں کے دام میں نائن  
 کٹے اکسی کرے ناک میری دانی کی

تھوکتا بھی تو نہیں ہے مردو اسکو کوئی  
 رینتی کہنی اچھی رنگیں کی یہ ایسا دے  
 اتنا اتنا ہی ہے جو بن پردا کس واسطے  
 منہ چڑاتا ہے برا نشانجا کس واسطے

نکلا عید کا چاند جو گھرتے شکر والا کھلا آج کیوں نہ پھردں میں اپنی گلی اور والا کھلا آج

مجھ کو رو تا دیکھ کر بولی دوا زاری نہ کر تیرے صدقے جو کے مرعادں میں جی بھاری نہ کر

ہر سانس میں کر ڈالتے تھے مجھے بھول کے دن اے ایک تو مجھے ٹل گئے سمول کے دن

ایکے یہ عہد ہے کہ جو بارہ وفات ہو تو میرے ادرتے دو گنا وہ بات ہو

دل ہو خون اور خا کو بھاگ لگے اس تری نصفی کو آگ لگے

روشنی سید محمد حسن نام ہے تکیہ ضلع راسہ بریلی کے رہتے دے ہیں بچپن ہی سے شاعری کا شوق ہے۔ چھ سات برس ہوئے جب بغرض امتحان کے لکھو آئے تھے تو مجھے ملے تھے پانچ غزلیں بغرض اصلاح دکھائی تھیں۔ اب عرصہ سے معلوم نہیں کہاں ہیں۔ عاشقانہ اور غریبانہ دونوں رنگ کے شعر کہتے ہیں۔ طبیعت میں شوخی ہے۔ اگر اسی طرح کہتے رہے تو کسی وقت بہت اچھا کہنے لگیں گے۔ چند شعر ظیفانہ رنگ کے نمونہ درج کرتا ہوں۔

سمندر بھگا ہے اگاڑی نے چھاڑی ہے  
زیریں سو نگھے کا گے چھلکے اک گنجان بھاڑی ہے  
حرم سے شمع نکلے ہیں غصوں کی صدایتے  
مگر نظریں سینو پہ ہیں اور ہاتھوں میں اڑی ہے  
بگڑے عاشقوں کا آج کاشنگے وہ شاید  
این آباد میں بیٹھے ہیں ہاتھوں میں بھاڑی ہے  
وہ ڈھپچوں ڈھپچوں کرتے ہیں کئے باز ہیں  
محلوے لے کتے ہیں کہ عاکوئی بھاڑی ہے

+ لودہ آتی ہیں با آلمان کی بھر کائی ہوئی  
ہائے ویا کیا کروں میری تو بڑی بھولی

لے بوائیں کیا کروں سڈی رچما کے لئے  
میری جوتی سے جودہ پھرتی ہو گدا لئی ہوئی  
لے ذرا پٹے تو بیٹھو کوئی دیکھے گا اگر  
رکھی رچائیگی دیاڑھی جو رسوائی ہوئی  
دولٹا بھائی آ رہا ہے لکھنؤ سے شام کو  
باجی آج آپاں کچھ حکمتی شرمائی ہوئی  
شیریں سے کہنے لگے فریاد بھیا ایک دن  
یہ تو تباہ دو کر کیوں پھرتی ہو اٹھلائی ہوئی

کہیں کھٹے کہیں بہنے کہیں مہا پیٹھیں  
جدھر دیکھو ادھر سی عاشق بلیا پیٹھیں

**ریاض** - منشی ریاض احمد نام ہے خیر آباد ضلع سیتا پور کے رہنے والے ہیں  
منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے شاگرد ہیں اس وقت ستر پچتر برس کی عمر ہے۔ راقم الحضور  
کے حال پر نہایت غایت فرماتے ہیں اور میں بھی اُن کو بمنزلہ بزرگ مانتا ہوں۔ ریاض ایک  
زندہ دل نیک طینت خوش وضع انسان ہیں۔ آپ کی شاعری رنگ قدیم میں نہایت بہتر ہے  
بلکہ میرے نزدیک داغ کے رنگ کو ریاض سے اچھا کہنے والے منشی امیر احمد کے شاگردوں  
میں بحر حضرت ریاض کے کوئی صاحب نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بات اُن کے لئے قابل افتخار  
نہ ہو مگر پھر بھی زمانہ اسکی قدر کرے گا۔ اور کرتا رہا ہے۔

زمانہ حال میں شاعری کی دنیا بدل گئی ہے۔ اور اب طبیعتوں کا رجحان الفاظ کی  
تراش و تراش، ترکیبوں اور سبکوں، سوز و گداز، غم و فطری کی طرف زیادہ ہے۔ مگر ریاض  
ہمکے یہاں قدامت کے ساتھ وہ انبساط وہ شوخی وہ گفتگوئی وہ دل کشی اور زندان مضامین و خوشی  
کی افراط ہے کہ زمانہ نے اُن کی شاعری کو خرابات ریاض مطائبات ریاض کے نام سے  
شائع کرنا شروع کیا ہے۔ اور آج میں اُن کے اشعار کی شوخی و ظرافت آمیز دیکھ کر اپنے تذکرہ  
میں ان کا خمر باقی زندان۔ معاملہ بندی کا رنگ لکھنے اور اس تذکرہ کے لئے انتخاب کر سنے پر مجبور  
ہوں۔ ہر چند بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایک جرأت غیر معمولی تھی جسے لگی مگر مطائبات ریاض

مردی یہ سہری تذکرہ کی ناکامی کا باعث ہوگی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ریاض کی شاعری پر یہ رائے قائم کی ہے اور یہ ضرور ہے کہ سچے عشق کی تصویریں اُن کے ہاں کم ملتی ہیں۔ بلکہ اُس کے برخلاف بعض بعض شعر غزل میں ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو یہ اخلاقی کا محرک کہنا نازیبا ہے اور یہ بات اصول شاعری کے خلاف ہے۔ یہ ایک معاشرہ تذکرہ نویس کی رائے ہے مگر مجھ فرض نہیں کہ میں اُس کا اتباع کروں۔ میں ریاض پر یہ کوئی الزام نہیں رکھتا البتہ البتہ جن شعروں میں ان کی فطرتی شوخی نے اعتدال سے باہر قدم رکھا ہے اُن کے مہذب اور شہیدہ طرافت کے دائرہ میں لاتا ہوں۔ وہ ہوندا۔

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا	مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا
مے چرانے میں ہیں ہی بد طوئی کیسا	ہم اڑا لائے سب آج اچھوتا کیسا
جائیے جائیے ہم حشر میں بننے کے نہیں	آئیے آئیے اب وعدہ فردا کیسا
قرض لایا ہے کوئی بھیس بد لکڑ شاید	میفر و شوں کا ہے واعظ سے تھا فدا کیسا
جب یہ بلجائیں کھجے سے لگائے ان کو	ان حسینوں سے کسی بات کا شکوہ کیسا
شوق سے میں نے رہ غنچہ میں نہیں بہاڑ	کوہ کن ہو تو ہوں تو کوئی مزدور نہ تھا
سندے صبح وصل کے شکوہ امر جاتا رہا	ان کا شکوہ ارہ گیا میر لکھا جاتا رہا
دستِ شفقت اس طرح اک ند نے پھیرا رہا	بیٹھ کر یاد خدا میں جھومنا جاتا رہا
یہاں وہ لے دے ہوئی آکر کہ الٹی توبہ	ہم سمجھتے تھے کہ حشر میں تماشا ہوگا
یہ دن ہے حشر کا ہو رہیگا وہ جو ہوا ہو	لے جھوٹے کچھ اب توں قسم سے ہو سکتا
جھپکے را ازل کو کہیں اپن آئے نہ گئے	بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا
مے چھین کر کسی سے چو پیٹے تو تھی خطا	جب ام دیکھے پی تو گم کہ کیا کسی کا تھا
یا اپنی وضع اور بد شام سے فروش	سکسے چو پی گئے یہ مزا منسکی کا تھا
چن چن کے آج شیخ نے انکو رکھائے	اب کیا رہا ہے تاک کا حال کل گیا

میرے گھر شل تیر کے یہ سامان نکلا

بچی داڑھی نے آبرو رکھ لی

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر

جناب شمع نے جب پی تو سہ بند کے کہا

خدا لگا کے پہنچتے ہیں گلزار میں یا ض

یہ اُلجھے ہیں رندوں نے کیوں شخص صاحب

اک ٹپڈاری زور سے زاہد کے لے رہا ہے

بوتل کا کاگ زور میں تو یہ کوئے اڑا

کریں گے کیا کریں گے جو سے ہم تو یہ

شیخ صاحب کیا چھپا کرے چلے روٹا ہوا

مے ریاض پ بھی پیتے ہیں باس ریش خند

ہم بند کئے آنکھ نقور میں پڑے ہیں

اٹھو امیر سے مہر ساغر ریاض جلد

دل لے یاد جو وعدے تو لے جھٹکا کر کر

ریاض آئے دو لوگوں نے سیکڑ میں کہا

ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی

اہل حرم میں جا کے بنا آج شیخ وقت

آئے میخانے میں جب سچا جامع سے ہاں

عمر کیا ہوا بھی کم سن ہیں تنہا لپٹیں

خیم مسجد میں نے تاب بھر دیا ڈونٹیں

واعظ انگور میں ہے دختر زوہ نقاب

آستیں قیس کی فریاد کا داماں نکلا

فرض پی آئے اک کان سے آج تر

شکون رہ جاوے گی یہ نہیں جس پر

مزا بھی تلخ ہے کہ پوچھتی ہو گوار نہیں

کچھ ان کی ریش ہارک کا اعتبار نہیں

بڑا پیسے میں کیوں اڑی زنگو اے ہے

اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رکھی نہیں

کہ اب دکان سے ملتی ادھر بھی تو نہیں

کچھ نہ کچھ حصہ رہا تو کبھی اس میں

ہاں یہ نور کی شکل اور یہ کارون میں

ایسے میں کوئی جھگ سے جو آجائے لکھا ہو

آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے

یہ اور حشر میں لینے کو آبرو آئے

کہاں یہ آج بزرگ فرشتہ خواہے

وہ سر پر لئے حوض کوثر نہ نکلے

کا فر ریاض پیر کلیبا کہیں جسے

ساتھ ہی آپ کے قبیلے سے گھٹا بھی آئی

سور ہیں پاس مے خواب میں نے والے

ٹھنڈے پانی سے دھو کر کے ٹھونڈے

آنکھیں بھوٹیں جو ادھر تاک گئے کوئی

ہمارا عیب کھلا ہے نہ کھلتی چھپی توں  
 عادت وہ میری شے ہے کھانے کو لا بھی  
 شیخ صاحب برائیاں مے کی  
 کاتب اعمال سکلے کام کے  
 پاس آداب بزرگی ہو یا روضہ جوں  
 آتر گئی سر بازار شیخ کی پگڑی  
 شیخ جی گر گئے تھے حوض میں بھانے کے  
 بانس پر سیکدہ میں تھک چڑیا لے شیخ  
 یہ کیا مذاق فرشتوں کو کج صواب ہو  
 چھپر کر مجمع زبا کو ڈرتا ہوں ریاض  
 شیخ نے انگلی ہے اپنی عمر کی  
 ہمارے کام کیا جائے احرام آنا ہے  
 بے مے کے مے خلق سے اتارے نہ ڈالے  
 اور جو کوئی چپت کی آجاسے  
 مل گئے دو دو شریک لازم کے  
 جب چلے نا صبح چھکے ہم بندگی کے واسطے  
 گرہ میں دام نہونگے ادھار پئی ہوگی  
 ڈوب کر چشمہ کوثر کے کنارے نکلتے  
 پھر بھٹی ادنیٰ تری مسجد کے منارے نکلتے  
 ہجوم حشر میں لے آئے ہیں بلا کے بھٹے  
 کہنہ مسجد کے عوض ہو نہ مرمت میری  
 سیکدے سے اب پرانی جا سیکگی



## حرفِ ناز

زاد۔ تخلص تھا جناب منشی محمد حسین صاحب نازش بدایونی کا۔ ابتداء شباب میں کچھ اپنے جوش کچھ احباب کی فرمائش۔ کچھ ضرورت زمانہ کچھ امر کے جوش کرنے کے لئے ظرافت کے رنگ میں بھی شعر کہتے تھے۔ اور بعض شعر اس رنگ میں بیشل اور لاجواب ہوتے تھے۔ اب ظرافت گوئی بالکل ترک کر دی ہے۔ مگر تین اخباریں زندانہ شوخیوں کی جھلک باقی ہے نازش ایک پختہ مشق زود گو اور پر گو شاعر ہیں لیاقت اُردو فارسی بقدر ضرورت شعر بہت کافی ہے۔ شرفیسی میں بھی کافی مہارت ہے۔ حتیٰ کہ بعض اخبارات اور رسائل کے آپ ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ اور اب بھی مشغلہ جاری ہے۔ آپ کی تصنیف سے کسی ایک ناول اور دوسری نشر کی کتابیں بھی ہیں۔ ایک دیوان جو انواع سخن سے لبریز تھا۔ اتفاق سے ریل کے سفر میں گم ہو گیا۔ مگر انھوں نے محض حافظہ کی مدد سے کام لیکر دوبارہ اس کو جمع کر لیا مزاج میں ایک قسم کی نوری دیدگی بھی ہے۔ اور رنگینی بھی۔ قوت و اہمہ زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات معمولی معمولی باتوں پر الجھ جاتے ہیں۔ اور پھر مدتوں اس شخص سے صاف نہیں رہتے دہلی میں زیادہ ترقی نام رہا۔ اب عرصہ سے لکھنؤ میں مقیم ہیں مگر پھر بھی حبیبی چاہتا ہے۔ بریلی کان پور۔ دہلی چلے جاتے ہیں اور مہینوں واپسی کا نام بھی نہیں لیتے رزا غالب کے پیرو ہیں اور اپنے تلمذ کو مرزا کے نامور شاگرد حضرت زکی مرحوم سے منسوب کرتے ہیں۔ جیسے عرصہ سے ملاقات ہے۔ مگر پھر بھی اکثر باتوں پر جھگڑا ہو جاتے ہیں۔ اور سہوار کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ کلام ظرافت کے لئے میں نے بہت کچھ خوشامد کی مگر وہ کسی طرح کلام دینے پر راضی نہ ہوئے۔ آخر کار جناب نواب علی حسین خاں صاحب برقی شاہجہانپور



جو ایک وقت میں ان کے حریف ظریف رہے ہیں تھوڑا سا کلام مل گیا۔ جو درج کرتا ہوں۔  
 تازہ نش کی عمر سوقت تھمیا پچاس برس کی ہوگی۔ مگر طبیعت میں جوانی کی شوخی اور دل میں لوگوں  
 شباب کی انگلیں باقی ہیں۔ ناہل اور خانہ داری کے شخصوں سے بالکل آزاد تہن گوشتہ عافیت  
 میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مٹی ہے سودن طاعت سے لپٹی نہ ہے سدا ازار صبح کی میانی آدھ گئی ہوگی  
 قریب ناپے گا لکڑی کے بل سرخصل جو ان کے دست مبارک میں لگائی ہوگی

ستہ اس کی بدبو کا خاں میرا ٹکے نالوں میں مے نگشت گور شر آئے  
 وہ مجھے یہ کہتے ہیں کہ کیوں سے ٹکرائے لکڑی سے خبر لوں گا جو اس کے ادھر آئے  
 بھنگن طبیعت کبھی صوبی طبیعت لکڑی لے حضرت دل آکے دشمن کہ ہر آئے  
 گرگٹ کو جو باروں نے بٹے ہوئے پکھا نیرنگی عالم کے کرشمے نظر آئے  
 دکان دل عاشق صراف پہ کل وہ دینے کے لئے مرہم داغ جگر آئے  
 بسکٹ نہ سہی نان خطائی کی دکھلاوے مدت میں ترے عاشق خستہ جگر آئے  
 وہ مانگتے ہیں داغ کے آنے کی عینیں اڑتا ہوا دفتر کا مارا ادھر آئے

لاش پر سادہ مزاجوں نے لاکا فوسٹ زراغ بکلا بن گیا میرٹ ٹپہ سیر نہیں ہے  
 پاک نیست سے رنج روشن کا نہ ناؤ کز سرکے غیر کو بھتیا بنا لو یہ ہمیں منظور ہے

ہم در حسن پہ کیوں ڈواٹ لگا کر صبا واہ اچھی کھی یہ کام ہے ماروں کا  
 ضبط ہو جاگتی شمشیر ادا تیغ نذر آپ لپٹیں بڑھ گھٹے جو مہتمما دل کا  
 سن کے یہ بات کہ ہے نکلی سوار میں کھانچا چارم پہ دماغ آج ہے کھسیا لوں کا

میرٹھی ملا سے یہ پرچھے کوئی کیا زبانِ زارِ غمکسالی نہیں

زمانی - دکن کے ایک مشہور ہزال تھے - میر غلام حسین افسق برہانپوری انھیں کے شاگرد تھے - گیارہویں صدی ہجری کے شاعر تھے - کلامِ بادِ جو تلاش بھی دستیاب ہو سکا ایک مرتبہ ایک شخص سے کچھ شعر سنے تھے اب وہ شخص بھی نہیں - مجبوراً خاموش ہوتا ہوں -

زمیر - سید یا قر حسین ام ہے - سنا ہے کہ مشک گچ لکھنؤ میں قیام ہے - نہایت قابل اور فاضل شخص ہیں گو مجھے کبھی ملاقات نہیں ہوئی - مگر سنا ہے کہ پاس پچیس سال کی عمر ہے ایک غزل مطبوعہ نقل کرتا ہوں باقی کلام ایک صاحب سے زمانی سنا تھا اور لکھ لیا تھا - زیادہ حالات معلوم نہیں -

ہے جگر بے رحم کے سینہ میں گین لکے پاس	سنگ خارا کی جی یا کھی ہوئی سب لکے پاس
یائے پائے میں کیوں پئے اگر جاتے ہیں ہم	بھونکتے ہیں اور چلے آتے ہیں سب لکے پاس
ناک کے پہلو میں مسہ گال پر ہے یا س کے	اک پہاڑی پرچ رکھی ہے سیہ غفلت کے پاس
کیا بتائیں حسرتوں کی گنج ہیں جاگزیں	دل کے اوڑیل کے نیچے دل کے اندر لکے پاس
یوں چمکتا ہے دہن پر ناک میں ان کا بلاق لہ	اگلیا میتال ہے گویا چہ بابل کے پاس
گر طلسم اختلاج قلب مانگا بسے وہ	یہ سلیمہ میری لٹکائے تو اپنے دل کے پاس
ہے حسین پر شک کی پینچے یہ لمبی سی ناک	یا کھول کار کھدیا نیچے بٹہ سل کے پاس
پھر تپا ہے اس وقت زیش اس کے رخ کے لرز	گھومتا ہے یا چکورا سدم مد کا سل کے پاس

جب ناک اس دست ناز کی ہر کھائی تھی گدہ گاہ شیخ حنی مشکاش نانی نہ تھی  
بے سبب کے واسطے پہ سلام پائے نظر بنیرہ خطا عرض جانا پڑھا کانی نہ تھی

کون کتا چو کہ غالب کی اندھیری قبر میں کا دکا و سخت جانہا تے تھائی نہ تھی

میں جو میں ہیں اُن کے آہوں میں یا نہ تھے یا تھی پھرتے ہیں کبھی نہیں

زیرک۔ گو بند رام نام تھا ایک کشمیری پنڈت تھے جو لکھنؤ میں رہتے تھے۔ شعر و شاعری سے انتہائی ذوق تھا اور فن شعر کے نہایت اچھے جاننے والوں میں تھے۔ ایک مرتبہ محمد علی خاں نے کشمیریوں کی سچو میں ایک قطعہ کہا تھا اتفاق سے وہ قطعہ زیرک کی نظر سے بھی گزرا انھوں نے اس کے جواب میں بہت سے قطعے لکھے چند شعر حزین کے قطعہ کے اور کچھ شعر زیرک کے قطعے کے تفریع طبع ناظرین کے لئے سنو تا لکھے جاتے ہیں۔

### اشعار قطعہ حزین

شرح قومی شنو از من کہ نہار نسب	ادب شرم و حیا غریب از ایشاں طلب
ہمہ حامی و دلاک بود اعلالش	ما بقی دل و ساد و دگر ارباب طب
در حسب نامہ شال از بہر خلق جدت	در نجابت بعز ازیل رساند نسب
کس ندیدہ بوطن مردن کشمیری	نزد جہاں چوں صفت رندر وان اطلب
یک انیس قوم ندیدہ است و لو کشمیر	بزرگ و دجوز سوراخ براید عقرب
پے یک جہ دو اندشتا باں بہوشق	نزد ایشاں دو وقیم راہ بود تا جلب
بے سبب نیست اگر دوستی اظہار کنند	بعد اوت چو در آید مجوئی سبب
در محبت چو ذباب و بروت زبور	بسخت و چو غراب پشچاعت زب
جزو نظے کہ کند خامہ آہنا تحریر	ہنرج و سالم آزا ہمہ بینی اخر
اگر کشند از تن زارت چو شخو پچو	در بر نلاز گفت ایماں چو بید عجب

کفش و پا جامہ نامدہ یکے از عجے      لنگ و عامہ تمامی بردار اہل عرب  
تاخی زاد رو نیامے دنی کشمیری      کاش ایرتجہ ستروں بدی ایس غریب

## جواب زیرک

شیخ شیطاں کہ حزم نام و خطا بش آمد      در سخن یافت ریں جز دواں منصب  
بیجا آپ نہ در چشم و نہ بر رو دارد      خاک و ساخت مخمّر پے محفل رب  
قلبتاں چوں نہ بکاف و وساں ساں      میہماں ہفتہ زناند بخوابش شرب  
ہمچہ پیکان دلش غیر دل زاری نیست      چوں مکاں غم نشو پیش کسے جز مطلب  
خانہ اش نے پہ فلک ہست برے زمین      سر بسر خانہ بر انداز چوں اس اسٹنٹ  
ساکن دیر شد و زائر بتخانہ ہند      غور کن بودن اورا بہ بنائیں سبب  
کیست و شیطنت اسخج بکاستادت      کہ عزایل بود پیش تو طفل کتب  
فتنہ بازاد بہ ایراں ز وجود شاید      مورت ام خباثت شد چوں بنت عنب  
چوں تو مودی نہر در راہ دگر رہ بوطن      رے سورخنہ دید است و نورع قرب  
حزن بد جز بہ زبان و لب بد کے آید      بد اگر در حق نیکیاں تو گوی چہ عجب



# حرف سیں

سب رنگ - قاضی عبدالغنی نام تھا بدایوں کے رہنے والے تھے قمر صاحب  
شاگردوں میں تھے۔ خلافت گوئی کا شوق تھا اور نہایت اچھے شعرا اس رنگ میں نکال دیتے  
تھے۔ چند شعر مل سکے یہ ہیں۔

لگا و سماک کیسں روٹیاں چرانے کی	فضول کس لئے تکلیف ہو پکانے کی
تری نظر نہیں کبھی ہے مال خانے کی	اسی سے قونے مے لمیں پھری جھاڑو
ابھی تک آ پکو عادت ہے سر کھانے کی	اگرچہ گنج تو باقی نہیں ہے اب لیکن
اب اُن کو فکر ہے میرا کفن چرانے کی	وہ زندگی میں چرائے گئے تھے دل ہرا
یسی سزا ہے دینوں کے منہ لگانے کی	شاہے میں نے تمہیں ادب کا کھاتے ہیں
سزا ہی انھیں سب رنگ کے ستارے کی	شاہے پیٹ میں آج اُن کے درد اٹھا کر

سجاد حسین - یہی مشہور مصروف ذات تھی جنکی ادارت میں ہندوستان کا ہر دلعزیز نظر آتا  
اخبار اردو پنج سابق ۱۲۸۷ء سے ۱۹۰۷ء تک نہایت شان اور آں بان سے نکلتا رہا  
منشی محمد سجاد حسین مرحوم کے والد منصور علی صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے جو پنشن لینے کے بعد اک عرصہ  
دراؤنک حیدر آباد میں سول جج کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ منشی صاحب مصروف ۱۲۸۷ء میں بمقام  
کا کو ری ضلع لکھنؤ پیدا ہوئے ادا اسی عمر میں زیر نگرانی نواب فدا حسین صاحب لکھنؤ میں  
تعلیم پاتے رہے اور ۱۲۹۷ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کر کے کچھ دنوں تک کیننگ سکاچ لکھنؤ  
میں ایف اے میں تعلیم پائی۔ مگر تعلیم سے دل اچاٹ ہو گیا۔ اسی لئے امتحان میں شریک نہ ہوئے

بتلاش معاش فیض آباد گئے۔ اور وہاں فوج میں اردو پڑھانے پر مقرر ہو گئے۔ لیکن طبیعت کو اس کام سے بھی کوئی خاص لگاؤ اور مناسبت نہ تھی۔ اس لئے چند ہی روز کے بعد اس شغل کو ترک کر کے منشی محفوظ علی صاحب کے مشورہ سے اودھ پنج نکالنا شروع کیا۔ اور اس میں اپنی خدا داد ذہانت سے وہ طباعی دکھائی کہ چند ہی روز میں یہ اخبار نہایت مقبول ہوا اور ایسے ایسے نامہ نگار آپ کو مل گئے جنہیں جانِ ظرافت کہنا کسی طرح سے سچا نہیں ہے۔ مرزا چھو بیگ ستم ظریف۔ ترہون ناتھ بھج۔ نواب سید محمد خاں آزاد۔ سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی منشی احمد علی شوق۔ منشی جوالا پرشاد برق۔ پنڈت رتن ناتھ مرثا۔ منشی احمد علی کسمپوری ابوالکلام مولانا سید امیٹھوی وغیرہ وغیرہ۔ ان مضمون نگاروں نے اور بھی اخبار کو چار چاند لگا دیئے۔ اور انھیں کی بدولت آسمان شہرہ آفتاب بن کر چمکا۔ اودھ پنج نے زبان اور لہجہ کی وہ گراں بہا قابلِ قدر خدمات انجام دیں کہ آج تک یادگار ہیں۔

اخبار کے علاوہ منشی صاحب موصوف نے چند ظرفیانہ ناول بھی تصنیف کئے جو آج بھی دنیاے ظرافت کے لئے مایہ صد تازہ ہیں۔ جن میں سے حاجی بھول۔ احمق الذین۔ پیار جی نیا بیٹھی چھری۔ قابل ذکر ہیں۔ رینالڈ کے ایک انگریزی ناول کا ترجمہ نہایت سلیس اور دلکش اردو میں کیا جس کا نام طلسمی خاؤس ہے۔ گو یہ ناول ایک ترجمہ ہے۔ مگر طباعی اور ذہانت نے اس کو طبع زاد بنا دیا ہے ایک کتاب حیات شیخ چلی بھی نہایت دلچسپ آپ نے تصنیف فرمائی جسے ظرفیانہ تاریخ میں ایک درجہ امتیاز حاصل ہے۔

منشی صاحب موصوف کو ایک مستقل شاعر کستادینی ہے۔ مگر اکثر جگہ اُن کی ذخائر طبیعت سے نظم کے جو اہر بھی نکل گئے ہیں۔ جو یقیناً ظرافت کے تاج کے لئے شاہوار موتیوں سے کم نہیں۔

آپ کی نثر کے فقرے۔ پھتیاں بھی شعر سے کم نہیں ہیں۔ مگر ہم یہاں اُن کو نظر انداز کرتے ہیں اور صرف چند اشعار جو آپ کی تصانیف سے چنے ہیں درج کرتے ہیں۔

حیات شیخ جلی تمام ہوئی تو آپ نے یہ تبلیغ لکھی -  
 چھپے ہیں قہقہے جو شوخیاں ہیں طرف  
 ہر جو ہر سو فی المثل فرخندگی خندیدگی  
 سال تاریخین ڈھونڈا ہاتھ کی گھٹ  
 شیخ جلی آگئے دنیا میں باسجیدگی  
 حاجی بغلول جب کٹے والی پر عاشق ہوئے ہیں تو ہجر میں کچھ استیقاۃ شو  
 بغلول کی زبانی آپ نے لکھے ہیں - ملاحظہ کیجئے -  
 مرے دل کے موٹھے پہ بیٹھو صنم تم تن زار گھٹکر ٹھٹھیرا ہوا ہے

یاروں کو کیوں ہے واقعہ کھیل ہو گیا  
 کیا امتحان عشق میں میں فیصل ہو گیا  
 تن ہو گیا ہے سوکھ کے کا شا بیول کا  
 اپنے لوح میں عشق امریل ہو گیا  
 اسٹیشن عدم کو چلے ہم فراق میں  
 جانی تمھارا ہجر ہمیں ریل ہو گیا  
 دیوانی فوجداری سے جھکے ہیں عشق  
 بغلول کیا ڈرے گا اگر جیل ہو گیا

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی لکائن  
 دو ایک ہاتھ چاہ میں جب دل رہ گیا  
 پہونچا جب ان کے کا زں یوں ڈھیلے  
 منہ کھولے غم سے ہائے بغلول رہ گیا

نالہ یوں ہم نے بطرز دگر ایجاد کیا  
 ساتھ سائیس کوئے گاؤں میں فریاد کیا  
 بغلول کے ختم زمانہ عام کا ایک شعر  
 سپردم آنھیں مایہ خویش را  
 حاجی صاحب جب مقدمہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو فرماتے ہیں -  
 عزیز و حق تعالیٰ کسریا ہے شرف جس نے عدالت کو دیا ہے  
 حاجی صاحب جب گڈھیا میں غرقاب ہو جاتے ہیں تو فرماتے ہیں -





نجات میری پروردہ ہو کہ ناز و عنایت کی  
 زبانی کش ہوا میرے ستم کے نہایتی کا  
 نہ کہ منت کش تیغ اداسے یار عاشق کو  
 تھکے بھیت آدھا کچھ اور کہتی ہے  
 نہیں ہے راہ الہ الفات کسی جز و حیناں  
 میں احسان کش ہوں کہ نہ کرے لطف سے تنگ  
 وفا سے حسرت نگین ہاں سے بول دے ہو  
 کہ جھکو خواہش نہ بقا نال کیش ہر آن ہے  
 مراد بھی گدہ گدہ چلی اسے جانا ہے  
 کہ ہر اک نعت ل پروردہ آغوشِ ادا ہے  
 کہ وقف سادگی ٹپے لے سید و خواہ ہے  
 کہ ہر اک تہ میں اک لڑاکا نذر پناہ ہے  
 علم آوارگیہائے صبا محب کو فراہ ہے  
 تعجب کیا سحر گرہ خورشید ششم نکتہ سخن ہے

**شیر** شیخ رمضان علی نام ہے سندیلہ کے رہنے والے ہیں سید منہ علی صاحبِ مہر  
 تلمذ ہے۔ افیون کے متوائے ہیں اور اکثر اسی کی طرح میں شعر فرماتے ہیں۔ اب شعر تقریباً پچاس چین  
 برس کی ہو گی تلاش کے بعد صرف دو شعر مل سکے وہ یہ ہیں۔

افیون کے کھائے جیسے کہ ریوڑیاں کیا کعبوں کے خلیے میں مجھ ناؤ ان پر  
 ہمارے ساتھ بھی مان کیا کیا تھیں اودھ تھیلے ہر کولوں کا اودھ تھیلے ہر فیولوں کی

**شیر** یعنی پنڈت رتن ناتھ سرشار صنفِ فسانہ آزاد۔ وسیع کسار و جامع سرشارِ شیر  
 آپ کے والد کا نام پنڈت بیچنا تھ تھا۔ جو لکھنؤ کے ایک محرز کشمیری خاندان کے رکن تھے۔  
 سرشار رجومِ ظریف شاعر تھے صرف نثارِ ظریف تھے۔ مگر روانیِ طبع میں اپنی نظموں  
 میں وہ وہ چلبے اور چکے شکر کہ جاتے ہیں جو دوسروں سے بالا راہ کہنا بھی مشکل ہیں۔  
 اہلِ اول میں اودھ پنچ میں ظریفانہ مضامین لکھتے تھے۔ اس اخبار سے بہت کچھ ان کی  
 لطافتِ نگاری کو متقی ہوئی اور ایک عمدہ نثارِ ظریف کی قابلیت اس میں پیدا ہو گئی۔ مگر چند روز کے  
 بعد اودھ پنچ کے نامہ نگاروں سے علحدہ ہو گئے اور اودھ اخبار کی ایڈیٹری کرنی۔ چونکہ

سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ اودھ اخبار پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے اور سرشار کو جواب دینا پڑتا تھا اس لئے آخر میں دونوں صاحبوں کے تعلقات کچھ اچھے نہیں رہے تھے۔ مگر انصاف اور حقیقت یہ ہے کہ سرشار نے جو کچھ سیکھا وہ اودھ پنچ ہی سے سیکھا اور باوجود اس کے کہ وہ شکستہ با محاورہ شعر لکھنے میں مشاق تھے۔ ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات سے باخبر تھے۔ ظرافت نگاری ان کا جزو تحریر ہو گئی تھی۔ مگر سجاد حسین مرحوم کی ظرافت سے اسکو ذرہ و آفتاب کی بھی نسبت نہیں ہے۔ رتن ناتھ سرشار جب ظرافت لکھتے ہیں۔ تو کچھ بڑا در و دراج کے نقشے کھینچ کر کچھ حکاکات پیدا کرتے ہیں کچھ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور ان میں محاورات کو داخل کرتے ہیں۔ کچھ اصطلاحات خاص لاتے ہیں۔ کچھ ضرب الامثال سے زینت کلام میں لیتے ہیں۔ کچھ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے۔ کچھ کلام کو طول دیتے ہیں۔ کچھ مشاہیر کے ٹرپانے والے اشعار موقع بموقع لکھتے ہیں تب کہیں جا کر عبارتیں ایک لطفت پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بھی ایک نقاد کی پہلی نظر نکلتی ہے کہ آدور کا عیب صاف اور کھلا ہوا نظر آتا ہے۔ اور دوسری نگاہ خوردہ میں طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو سعدان بن لند ہو کی داستان خیال کر ڈالتی ہو رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقشہ نگار سے مراد اور مزین معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ لعبت چہین سے زیادہ نہیں ہوتے نہ ان میں کوئی روح ہے نہ جان ہے۔ عام نظروں کو دھوکہ دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ پر سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی فارسی کے بلیغ اور وزنی الفاظ کی ثقالت کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور کوئی ببردنی اور اندرونی پردہ اس سے خالی نظر نہیں آتا۔ غور کرنے پر اس کے لطفت میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک ایک سادہ فقرہ بھی ان تمام ضربوں کو ادا کرتا ہے جس میں سرشار ایک ایک کر کے جمع کرتے ہیں۔ ایجاد۔ ایجاد۔ اختصار۔ فصاحت۔ بلاغت۔ ہر جگہ دوش بوش نظر آتی ہیں۔ ایک ایک پھٹی ظرافت کے ایک ایک دفتر کا جواب ہے۔

ہر فقرہ بکارتا ہے کہ جس جگہ میں ہوں اس کے لئے وضع ہوا ہوں۔ ہر جملہ بتاتا ہے کہ اس رنگ خاص کا میں ہی آغاز ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے۔ سجاد حسین مرحوم کی عبارت کا دیکھئے والا یہ سادہ اختصار کہ اٹھتا ہے کہ ع بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگر ہی۔ راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالی یاد آتا ہے۔ صرف زبان کا فرق رہتا ہے باقی کچھ نہیں۔ ہاں اس میں کلام نہیں کہ ان جملہ عبارت کو جو ہری ہی پرکھ سکتے ہیں نارسنا سان ظاہر میں اسکی بلا غتوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ اسی لئے کہیں سجاد حسین کے مقابلہ پر سرشار کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور کہیں کسی دوسرے کو۔ اس کے سوا کہ وہ اپنی پسند کے مختار ہیں عقل رساء ذہن نقاد۔ ذوق سلیم۔ اُن کو مجبور محض بھی کہہ سکتا ہے۔ ایڈیٹر او وہ پنج پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُن کا تبسم تمھیں کی حدود میں پونج جاتا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ تبسم اگر تمھارے ہے تو اس سے ظرافتوں پر دوسرے خرموں پر بحسبلی گر جاتی ہے اور اگر تبسم ہے تو مزاج و مذاق کے ہرے بھرے جن زار کو بھی ہی ایک غنچہ شراب دیتا ہے۔

سرشار مرحوم نے پچھن چھین برس کی عمر پا کر سنہ ۱۹۰۷ء میں بلقام حیدر آباد انتقال کیا شاعری میں منشی مظفر علی اسیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عقیدت رکھتے تھے۔ گو ظرافت کلام نہیں ملتا۔ مگر اُن کے متین کلام سے چند اشعار منتخب کر کے لکھتا ہوں۔

### از مشنوی تحفہ سرشار

لندن کی پلا دو آتشے	اے پیر مغاں کہ ہر چھپا ہے
داتا بلو شراب اچھوتی	خوشبو خوش رنگ تیز چوٹھی
کوثر کی لکھنی ہوئی ہے منظور	لیڈی دائن جسے پئے حور
بدست ہوں پی کے ایک چلو	زادہ کو بنائیں خوب او

فتویٰ کا شی کا کون مانے  
 اس شیخ تجھے خدا کی سوگند  
 لاکھوں میں پئے کھلے خزانے  
 رندوں کی گرہ میں باندھے بند  
 اک بوند ہی پنی نہ پنی زیادہ  
 کچھ نہر نہیں شراب ہے یہ  
 کیوں قبلہ اگر کوئی پری جھم  
 بحرِ خبی زپاے تافرق  
 پھڑکاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی  
 پازیب کو خوب جھم جھماتی  
 لپٹا کے گلے کے مری جان  
 پی لویہ شراب پر تنگانی  
 گورے ہاتھوں سے بی علی جان  
 اس پان کو لے کے آپ کھاویں  
 ادھر ہو دھرم ہو پنی ہو یا پاپ  
 اور میں بھی کھوں اٹھا کے کلن  
 بڑے کے شکلام پر درم ہو  
 کھٹکن نہیں ہے درم کو کھٹکا  
 یارو دنیاے دوں ہے کس کی  
 جٹیل مینوں کو دے تو دسکی  
 لاکھوں میں پئے کھلے خزانے  
 رندوں کی گرہ میں باندھے بند  
 اک بوند ہی پنی نہ پنی زیادہ  
 کچھ نہر نہیں شراب ہے یہ  
 کیوں قبلہ اگر کوئی پری جھم  
 بحرِ خبی زپاے تافرق  
 پھڑکاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی  
 پازیب کو خوب جھم جھماتی  
 لپٹا کے گلے کے مری جان  
 پی لویہ شراب پر تنگانی  
 گورے ہاتھوں سے بی علی جان  
 اس پان کو لے کے آپ کھاویں  
 ادھر ہو دھرم ہو پنی ہو یا پاپ  
 اور میں بھی کھوں اٹھا کے کلن  
 بڑے کے شکلام پر درم ہو  
 کھٹکن نہیں ہے درم کو کھٹکا  
 یارو دنیاے دوں ہے کس کی  
 جٹیل مینوں کو دے تو دسکی

نیچرل شاعری کا بہترین نمونہ سرشار نے اس انداز سے دکھایا ہے کہ اُن عیان  
 بے خبر کو شرماتا چاہئے جو خواہ مخواہ ہرے ہکی بڑ کو شاعری سمجھ کر اسے نیچر کی  
 طرف منسوب کرتے ہیں۔

اے انجن ریل رہ لاری  
 دے پھیپھ ہیکرہ دو بردی  
 اے کاک جہندہ لیونریڈ  
 دے برقی جہندہ بریگیڈ  
 اے رشک خرام ریل گاڑی  
 دے روکش ٹانگن پہاڑی  
 اے درتنگ وپو برنگ دلل  
 دے گولہ توپ جنگ کابل  
 اے تیر گمان ملک ایران  
 دے برش خنجر صفا ہاں  
 اے جوش ابال گرم ہانڈی  
 دے قفل بوتلی براڈی  
 اے ریگ روان دشت خفاق  
 دے چنگاری سنگ چھماق  
 ایک اور ساقی نام ہے جو سرشار نے اپنے سب سے زیادہ دلچسپ ہیرد  
 خوجی کے نام سے فسانہ آزاد کی جلد چارم میں لکھا ہے۔ خوجی فسانہ آزاد میا دہی  
 درجہ رکھتا ہے جو سجاد حسین مرحوم کے ناول حاجی بفلول میں خود بفلول اور حرفہ ریوڑی  
 یا احمق الذین میں بھولے ڈاوب۔ آپ ایک حماقت کی سر بند پوٹ ہیں۔ جس کے کھولنے  
 یا کھلنے پر انواع انوار کی غیر ضروری اور ضروری حماقتیں برآمد ہوتی ہیں اور جب خوجی  
 کی ذات سے خوجی کی حماقتوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو وہ ایک حماقت صحرائی دل خوشکن  
 اور مضحک تصویر بن کر بجاتے ہیں۔ ساقی نامہ کی نقل یہ ہے۔

اے ساقی مشک زنگ شب نام  
 دے بھر کے افیم ناب کا جام  
 جب تک ہے بدن میں جان باقی  
 ٹپکا منہ میں افیم ساقی  
 چنیا بیگم کا عاشق زار  
 یعنی خواہد بدیع بیمار  
 برسوں سے ترس رہا ہے ساقی  
 رہ جائے یہ آرزو نہ باقی  
 ساقی تسدح افیم دیدے  
 اور اُس میں ملا کے نیم دیدے  
 نشے کے پینگ خواب بڑھ جائیں  
 اور کر دے کریلے نیم چڑھ جائیں  
 نشے میں جو کتنے بیٹھوں اشعار  
 پینک کا ہو دیو مجھ پہ اسوار

کاغذ کا ورق سیاہ ہو جائے      دشمن میرا تباہ ہو جائے  
 سطر میں ہوں رشک لہنغیاں      اور روکش کا کل حیناں  
 ہر لفظ بنے حبشش کی ٹھون      اور خواجہ بدیع شوہر ان  
 ساقی چینی کی پیالیاں لا      آب اسود کا جلوہ دکھا  
 کر رحم بلا افیم چینی      نادت یہ کشتم کہ ناز نینی  
 ہونٹوں پر آگئی مری جان      رنجم مفراسے بامدادان  
 تو بے خبر اور میں ہوں رنجوہ      اس ملک کا کیا یہی ہے دستور  
 ہے میری دعا کہ خالق کُن      برسات تری دکان پر اُن  
 شمع رہے وہاں افسیوں کا      دل بادل چوٹی مکھیوں کا  
 بیماری موت بد بلا ہے      بس اس کی افیم ہی دلو ہے  
 مر جاؤں گا گردے گا افیون      سو گند بڑا پاک بچون  
 پیاری ہے افیم جان دہل سے      پیاری ہے افیم تیرے تل سے

دوسرا ساقی نامہ بزبان خوشی (خواجہ بدیع)

پلا ساقیا مالوے کی افیم      کہ ہے شوق گلگشت باغ نعیم  
 کرم کر حقیروں پہ مائی ڈیر      میں قربان جاؤں ذرا کم ہیر  
 پیاسا کئی دن کا ہوں ساقیا      جھلک آب اسود کی جھلک دکھا  
 نہ مطرب نہ ساقی نہ مینا نہ چک      نہ چاند نہ دنیوں کا غائب گنگ  
 جلائے دم واپس اسے کرم      سرانے پہ کہہ تم باذن افیم  
 نہ تاخیر کر ساقی مشک رنگ      پلا جام افیون ابھی بید رنگ  
 دم بٹیک، و عیش ہے رنج و غم      پڑ ہوں یہ کلام فصیح غم  
 کر با ترجمہ بہ حال سقیم      کہ ہستم اسیر کسندہ افیم

جو چٹکے مرے منہ میں ایون ناب تو کم ہو ذرا جو شش اشطراب  
 سخیاں ز ایون پر میخو زند سخیاں نبات و شکری خورد  
 نگہدار مارا ز راہ خطا خطا در گزار و افیم منسا  
 نداریم غیر از تو فریاد رس بدہ جام ایون باقی ہوس  
 خراب و سیہ مست و ترا نعم بدہ اوپیم اوپیم ادبیم  
 بدیعا بس اب روک لے پنی زبان دم صبح ہو تہ ہے بینک کا بیان  
 ایک جگہ خواجہ بدیع الزماں بدیعا معروف بہ خوچی ایک ڈاکٹر سے خفا میں  
 تو فرماتے ہیں۔

خدا کی قسم شکر کر شکر کر کر قردلی سے خالی ہے میری کمر  
 قرابینچہ پاسس ہوتا اگر تو کچ کر کے میں بھونکے تالگر  
 جو بینک میں ہوتا میں بے خبر تو بھٹے کی صورت اڑا دیتا سر  
 دو چار نگہ خواجہ بدیعا یعنی خوچی صاحب حلوائیوں کے ایسے پیچھے پڑے  
 ہیں کہ اپنے تصور میں تمام حلوائی کی دوکان چٹ کر گئے ہیں اور ڈکار بھی نہیں  
 لی۔ اس رنگ کے شعر بھی دیکھتے۔

خواہش نہ قند کی سے نہ خواہش گلاب کی  
 کھٹیاں رہ کھلے کے رانج قند سے مل گئے  
 چسکے پڑے ہوئے تھی ہنسی نظر کے میں  
 انسوں فلسی میں مے دو ڈبل گئے

رحم اس یار کو کہ میں گنہ گار نہیں ہم بھی لے غیرت شہر میں منقاد نہیں  
 کیا تری کا کل بچاں کا یہ نظارہ سیو کوں اسطے بل کرتے میں نظار نہیں  
 ایسے جلاب کو کھند نہ بہ ہوتا ہر ڈالوں شکریہ تے اتے میں ہار نہیں  
 بوجے پائیں جوئے گل کے شیریں کے قند گھل جے شکر خورد کی ہنقاد نہیں

کیوں زمانے میں مٹھائی ہوئی منگی ابکی  
 کیوں نہ عشاق ہیں چو نہیل کی صورت گرد  
 عرق آلودہ وہ ابر میں مزا ہے اسے دل  
 لب شیریں کی تھے یوسف مصری کی طرح  
 کیوں باتوں میں حلاوت ہی حلاوت ہوئی  
 جابجا ہوتے ہیں مولو جو بازاروں میں  
 برے لونی کے ہے شکر تری دیوانوں میں  
 ہے عوض ایک شربت انیس تلواروں میں  
 دھوم ہے چاروں طرف کے بازاروں میں  
 صاف مصری کا خراب تری گنھاؤں میں

امتحان کو بہ کاری میں رہیں ثابت قدم  
 جو تیاں جسد ننگا کر چاہے مان کیے لے

انیوں کی کم میں یاں سے نکلے  
 مزار کی اچھ انیسیم کا رنگ  
 تو قیر و گندہ دیکھئے گا  
 سجان اللہ دیکھئے گا

جنتیگ نہ دل کی بے کلی جاے  
 اودائے والے گت چلی جائے

درہشت آئی نظر حیا تو یہ عاشق نے کہا  
 کیوں نہ سترک میں ہے گرد ہر اک فیرونی  
 کتا ہے خواجہ فرنی کا کہ نہیے کا طباق  
 ٹوٹ سکتا نہیں افسوس رہا سا بھیسے  
 لشتہ افیوں کا بڑا ہے یہ عمارت میری  
 ڈھیر گنوں کا زمیں پر ہے کہ ترش میری  
 درق فقرہ سے کہنے کوئی رہبت میری  
 ہر گئی کھا کے مٹھائی پہ نزاکت میری  
 جلدہ دکھلاتی ہے شاید بے صلا میری  
 میں یہ سمجھا جھنسی دیکھ کے حلوا سڑھن

مصری کی انیا چلکے صنف پیچھے انیسیم  
 ہے جاے لطف کھیت دہان شکر کے میں



سرپٹ - محمد عباس نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں۔ جناب قمر بابر اپنی سے اصلاح لیتے ہیں۔ ثقہ ظریف رجو قمر صاحب کے ظرافت کو شاگردوں کے کلام کا عجب عمدہ ہے) سے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے۔ بجز نام کے دوسرے حالات سے اطلاع نہ ہو سکی۔

میں نے اس شان سے اس شیخ کو اکثر دیکھا ڈگڈگی ہاتھ میں اور ساتھ میں ہند دیکھا  
 بھونکتے کاٹتے بیتک نہیں دیکھا لیکن موتے میں نے انھیں لنگ اٹھا کر دیکھا  
 آج تک میں نے کبھی نیم کی ڈنڈی کے سوا ک ہاتھ میں ان کے نہ شمشیر نہ خنجر دیکھا  
 کس طرف یا رکاوٹ ہو ٹھہرنے کا دن سرپٹ یم پور میں بھی کئی روز براہِ ہند گھٹھا۔

خط لکھ کے کیا کرے کوئی انکی جناب میں لکھ لامل بھیتے ہیں وہ خط کے جواب میں  
 ہر دن کی باندھ لوندھ سے ان خط بخا ہے ہر سال آپ کیوں نہ ملا لیں خضاب میں  
 وہ اس طرح تو عارض روشنی کھا چکے کہ ماحس نے تو آگ لگا دوں نقاب میں  
 یہ کالے کالے تل شیخ پر زور نہیں لکھ کچھ کھیاں بھنگتی ہیں تینی کی قاب میں  
 پینے کو دام گانٹھ گرہ میں نہیں ہے اب بھیک مانگتے ہیں وہ نام شری میں  
 آئندہ پہل سے بھی بڑھیاں کیا عجب لکھ بھینے سے کم نہیں ہیں وہ عرشِ باب میں

ٹپ تپا ہل دشی مراویں انکی فرکان میں کہ جیسے بانگ بھاجھنے کوئی نینساں میں  
 تجھے سچ چم کا یوسف کو ان کو تو شانی گرا دوں آج لیجا کر کسی سے کی کر یاں میں  
 کوئی تدبیر دل یا بھی لکھتے تو ہم کہتے چچا سعدی نے سب کچھ لکھ دیا اپنی کتاب میں  
 نہ تو یہ ایک ہفتہ میں جو سو دو مرتبہ اپنا اسان سے کیا کہوں دل ہوتا رہی اپنی کتاب میں  
 وہ اپنے چھوٹے بھیا کو بھی اپنے ساتھ لائے گا کہے ترحیح دون آخر میں لہر اور ڈیاں میں  
 تری مار طح آتی ہر دل میں لے میحادم کہ جیسے اکر صرح کو آتا ہر دن میں

ملا دل ٹھہرے کا خوب قہر جس طرح کو وہ کہتے ہیں یہ بھی ہاری زلف پہ بیان ہیں

بڑھا کر نام لینا ہے تو یہ کہہ دو کہ چتر ہو  
 پڑے پر ہر گھٹ پر ہو چکی کی سرک پر ہو  
 کسی کم عمر سے قدر محبت ہو نہیں کئی  
 اسی یوں نکالا جائے دشمن کوئے جاناں  
 تمھاری گول آنکھیں لال پھول کی جھلک  
 یہ کیا بندر کی صورت نیم لائے ہو لائے  
 عرو کے چھپے کچھ کیوں بھر کر تے ہو کوہ  
 ستانے کا مزہ میں بھی دکھا دوں انکو دیکھو  
 دو ننگے پاؤں دھڑکیاں باپ سے چپکے سر  
 یہ کیا کہتے ہو تم ہر وقت دشمن سے خیر ہو  
 کیس تو دید اس آؤ کے پٹھے کی میسر ہو  
 اگر ڈھیل نو دلبر تو کم سے کم چھندر ہو  
 نعل میں بستر ہوا دکھٹیا اس کے سر پر  
 یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ تم دراصل بند ہو  
 اسے مرد خدا تم آدمی ہو یا قلندر ہو  
 خدا سچے تمھیں معشوق بنایا اس کے نوکر ہو  
 جو میرے ہاتھ میں جو نہ ہوا در اکھا کھٹا ہو  
 ہمارے ساتھ کھال آئیں تو کھٹ پٹ پٹ ہو

سسر کو پ۔ دور موجودہ کے ایک خوش مذاق شاعر ہیں پوری زبان کے گنواروں کی  
 بولی میں شعر کہنے کی مہارت ہے چنانچہ اشعار ذیل اسی ٹائپ کے ہیں۔

ہم کا بتائی بات ہے کا میرے یادوں  
 کیا بتائیں میں  
 سب کا جگے دیتے ہیں چہ چہ اس کے  
 موڑے پر اہکا کھ کے بڑی دھجکا جاتا  
 گردن پر اسکو  
 کر یا ہے رنگ ایسے مے یا ننگے یار کا  
 کالہ ایسا  
 بار تو موت مائے ہر جھٹ سہا جاراں  
 انار  
 لیٹا کر بے آج سے سارے ساراں  
 پتیاں  
 لگا جو کو تو روج اکیلا بجاں  
 ملکیا جو کیدن  
 ہوئی جاے رات دن کا جو کھلے بجاں  
 دن کو

چلاے دیب تنکو جو چھتر ریجا رماں	دردن سے ہچکا دیکھ کے وہ بڑبڑاں لاگ
چلاے دیتے ہیں قہوڑا سا	
دانتوں سے ایسے جواں کاٹس پیا رماں	دوئی دانت گھس گے کسا لہو سے پاپے
زور کاٹا	نکلا
دیکھوں لبو بھرا جو میں اُسکی کٹا رماں	مارے ڈرن کے بھاگ گیں لکھا پی جان
وہ پار چھپ سکتا بھلا کٹ پیا رماں	کرمی سے جہر کا ڈیل ملا ہوئے ناڑا سا
گھٹن سے لاگ ہے سر پہ شنگار ماں	بھیترا اندھیری کٹھری ماں ہکاٹا کے
موتی پروت ہے جو وہ ٹوٹے کے بارماں	سر کو بہتا راٹو ٹاکرت ہے سکارنگ
سر کے بال میں	صبح

سعدی۔ آپ کا اسم گرامی مصلح الدین تھا۔ مگر تحقیقات جدیدہ کے مطابق معلوم ہوا ہے کہ شمس الدین آپ کا اصل نام تھا۔ بہر صورت آپ نام کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے تخلص کے ساتھ اس قدر مشہور ہوئے کہ آج دنیا کا بچہ بچہ آپ کو جانتا ہے یا کم از کم آپ کے تخلص سے آشنا ہے۔ بہت سے بزرگوں کا قائل ہے کہ جو مقبولیت اور شوہرت آپ کے کلام کو ہوئی وہ دنیا میں کم کسی کو نصیب ہوئی۔ آپ کی تعریف اور آپ کے احوال کا لکھنا تحصیل حاصل ہے ہر شخص آپ سے کیا منفی واقف ہے۔ آپ جس طرح ہر صنف اور ہر رنگ کلام کے بادشاہ تھے اسی طرح صنف ظرافت کے استاد کامل تھے۔ اگرچہ ہزل و ظرافت سعدی کے نام کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتی، مگر میں نے ایک قدیم نسخہ میں یہ عبارت دیکھی کہ حضرت نے خود فرمایا ہے کہ مجھے بھنی انا بلوک نے دیکھی دی کہ تم ظرافت لکھو۔ مگر میر نے انکار کیا۔ یہاں تک کہ میر نے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ تب میں نے یہ ظرافت اور ہزل لکھی ہے۔ اگر سعدی یہ بھی لکھتے تب بھی قابل الزام نہ تھے۔ کیونکہ بہت سے لوگوں کے نزدیک ان کے کمال کو کمال اور مسلم کرنے والی سی دوجین ہیں۔

### باب پنجم گلستاں در عشق و جوانی - اور ہزلیات

اُن کی ہزلیات رنگ زمانہ کے موافق سیکڑیں جگہ درجہ فحش تک پہنچ گئی ہیں۔ مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ جس رنگ میں ہیں متعجب الحجاب ہیں۔ بہت سی ظرافتیں ہیں جسکی تہ میں ظرافت کے ساتھ نصیحت کے پیش بہا جو ہر نظر آتے ہیں۔ بہت سی جگہ الفاظ ہیں مگر ایک ایک لفظ میں نثر و نثر و عرفان زار پوشیدہ ہیں اور ایک ایک سطر دیوارِ قلعہ کا چاب ہے۔ میں کو شش کروں گا کہ اُن کی ہر رنگ کی ظرافت سے کچھ کچھ انتخاب کر کے لکھ دوں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

زمانہ کے رجحانِ طبعیت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے لا کر اور غلام کے لئے یہ حید لگا دی  
 غلام آکھن باید و خشت زن بود بندہ نازنین مشعان زن  
 لطیفہ - ایک مرتبہ رات کے وقت آپ کا معشوق آیا۔ گھر آئے ہوئے اٹھ چرائے  
 آستین سے بچہ گیا سوہ بگڑ گیا۔ اور چرائے بچھا سخت برا معلوم ہوا۔ کہا کہ سودی تم نے یہ کیا  
 حرکت کی کہ میرے آستے ہی چرائے بچھا دیا۔ آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھ کر سنایا۔  
 چوں گر آستے پر پیش شمع آید خیزش اندر میان جمع بکش  
 و رشک خندہ ایست شیریں لب آتشیش بگردد شمع بکش  
 یعنی جب کوئی ایسا شخص شمع کے ساتھ آئے کہ اسکا دیکنا دل پر ایک گرائی کرے تو  
 نکلن ہو تو اٹھ کر اس کو مار ڈال اور اگر کوئی معشوق ہے تو اُسکی آستین پکڑ اور شمع کو مار ڈال۔  
 یعنی بچھا دے۔

لطیفہ - ایک مرتبہ آپ کو ایک محبوب معشوق سے کچھ جھگڑا ہو گیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ ان کو چھوڑ کر چل دیا۔ چھوڑنے کے مصائب نے انھیں بہت پریشان کیا۔ مگر کیا کریتے تھے جو کچھ مدت کے بعد ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ واپس آ گیا۔ مگر اب وہ زمانہ حین و شباب کا باقی نہ رہا تھا  
 ڈاڑھی چھپیں نکل آئی تھیں اور وہ بہار کا زمانہ خزاں سے تبدیل ہو گیا تھا۔ اب وہ غزے

اور کٹھے ناز و انداز رخصت ہو گئے تھے۔ وہ حسب دستور ان کے پاس بھی ملنے کے لئے آیا۔ بادل ناخوستانہ یہ انگلیسر ہوئے۔ اور منسکر یہ قطم پڑھا۔

آنروز کہ خط شادی ہوا صاحب نظر از نظر براندی  
امروز بیادی بہ صلحش کش فخم و ضمہ بر نشاندی

تازہ بہار تو کھل زرد شد دیگ منہ کا تش اسر شد  
چند حسرائی و تکبر کنی دولت پارمینہ تصور کنی  
پیش کسے رد کہ خریدار است نازبران کن کہ طلبگار است  
مشوق کے سبزہ تو خیز پر آواز ہکتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔

سبزہ در باغ گفتہ اندوش است داند آنکس کہ این سخن گوید  
یعنی اذہ سے بیکواں خط سبز دل عشاق بیشتہ جوید  
بوستان تو گند نازارے است لبکہ بر مسیکنی دیر وید  
پھر کہتے ہیں۔

گردست بجاں دانتی چو تو بریش بگذاشتی تا بہ قیامت کہ برآید  
یہ کہکر بھی جی سیر نہیں ہوتا تو ایک بھتی بھی کہہ ڈالتے ہیں جرارد میں یوں کی جانگی  
چاند کو چوٹے چمٹے ہیں۔

سوال کردم گفتیم حال رفت ترا چر شد کہ مورچہ برگرداہ جو خد است  
ایک جگہ چتر کی بنا پر لکھتے ہیں۔

امرو آنکہ کہ خوب دشرین است تلخ گفتار و تند خوے بود  
چوں بریش آمد و بلاغت فد مردم آمیز و مہر جوے بود  
ایک جگہ بڑھوں کی خدمت میں لکھتے ہیں۔ کہ اُن سے نوجوان بیڑیاں خوش

نہیں رہ سکتیں۔

پیرے کہ زجاء خولیش تو اندھا  
الایہ عصا کی شش عصا بر خیزد  
لطیفہ۔ ایک پڑھے نے ایک زوجہ عورت کو ہر نامی سے شادی کی۔ مگر  
بوجہ ضعف کے یہ اپنی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکتے تھے۔ آخر کار دونوں میں جنگ ہوئی۔  
اور دل رات رات لڑائی جھگڑا رہنے لگا۔ عورت نے طلاق کی عرضی قاضی کے یہاں  
دی۔ پڑھے نے سرعہ الت عورت کی بڑی مذمت کی۔ اتفاق سے سعدی بھی وہاں موجود  
تھے آپ نے ایک بات کہ کر فیصلہ کر دیا۔ پوری حکایت ہے۔

شیدہ ام کہ دریں روز ہا کس پیر	خیال بہت پیرانہ سر گدھت
بخواست دختر کے خوبے کو ہر نام	جو درج گوہر شازہ چشم در نام
چنانچہ رسم عروسی بوسے بست کرد	وے بحدہ اول عسل شہج بخت
کمان کشید و نزد بر بدن کہ تو اس دو	مگر یہ سوزن فولاد جامہ بخت
بہ دوستان گلہ آغاز کرد و چیت یافت	کہ خان دان من این شہر دیکر بخت
میان شوہر و زن جنگ فتنہ فاست چنا	کہ سر شہنشاہ قاضی کشید سعدی گفت
بہر زلامت دشت گناہ و فتنہ	ترا کہ دست بلرزد گرچہ دان گفت

یہ غزلیتیں ہیں جو ان کے کلام نظم و نثر میں زیادہ سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ مگر  
ہزلیات جو از سر تا پا شوخی اور مسخرے پھری ہوئی ہیں ان میں حد سے گزر کر اکثر جگہ ہنس  
کی حد دینا پھونچ گئے ہیں اس لئے انتخاب بھی نہایت دشوار ہو گیا ہے پھر بھی چند  
شعر انتخاب کر کے پیش کرتا ہوں۔

آہ شہینہ راجہ و در بوق افتاد	آن گنبد سیم رنگ ہر واد ہاد
از ہر منارہ زاویہ و تھن نکرد	ہمایہ بد خد کے کس را نہ ہاد
آل عہد بیاد داری و دولت آباد	کر معاشق پیارہ بی کردی یاد

آں روز گزینجی کہ کس چو نتو بنود      دامروز سیاطی کہ کس چو نتو سیاد

ایں ریش تو سخت ویر برمی آید      موسے ز سخت بزر برمی آید  
با اینمہ چوں ... ن قوی آیم یاد      آیم بہ دہاں ..... برمی آید

مرد کے غرقہ بود در تہجوں      از سمرقند بود پسند ارم  
بانگ میگردوزار مینالید      کاسے در یغا کلاہ و دستام  
ایک مرتبہ ایک کر یہ الصوت حافظ کو قرآن پڑھتے دیکھا تو فوراً یہ شعر پڑھے  
گر تو فتر آں بدیں منطوخی      یہ بری روننی مسلماننی

خدایں حافظان ناغوش آواز      بیا مرزد اگر سائے مخواند

قلم بیاد تو درشت کس نمی گنجد      کہ دیر شد کہ ندید است این والہید  
ترادوات سید کرد روزگار ہنوز      مرا چشم قلم میرود مداد سفید

شریعت عمر بسر بردہ در شوق و فخر      بوقت ہر پشیمان ہمی خورد و سو گند  
کہ توبہ بہر دم ددیگر گنہ خواہم کرد      تو خود دگر توانی پریش خویش نخذ

دیو گر صدمہ داری کند اندر ملکوت      ہچہ ابلیس ہاں طینت ماضی وارو  
ناکس است آنکہ ہذا عہد و ستار کس است      ہذا دزد است اگر جامہ قاضی ارد

امرئے کا زرا پلاستے در براست خوش بود از دخترے در چاستے

بس قامت خوش که زیر چادر باشد چوں بازگنی مادر مادر باشد

در بامردکے دهد به گران که نداند شریعت زردشت

دو منظور موافق روے دهم  
 ہر انچه آنرا بود این را حسا  
 رفیق و حجرہ و گرماہ و کوک  
 مقدم در موخر برده تانات  
 گرایں حرفہ نگہداری ہمہ عمر  
 من این پایکرہ رویاں دوستارم  
 عوسان مقنع بے شمارند  
 کہ گریوں کنی شلوارش از پاپ  
 حجاب نام و نگار ز پیش بردار  
 اگر حکم بہ بندی عقد شلوار  
 وصال ددستان پنج است دیوار  
 ہر آن کہ پشت آدم زاد ناچار  
 طریقت خواہی از سعدی بیاموزد  
 چہ خوش باشند ہم زانودہم  
 ہر انچه این را بود آنرا مسلم  
 ببحرا باہم و در خانہ درہم  
 دگر بار این موخر آن مقدم  
 نہ دینارت زیاں باشند نہ ہم  
 اگر دشمن شوند م خلق عالم  
 عروستے را بدست آورم  
 تو پنداری کہ خروارے ست شلم  
 کہ محرم ن نہ پوشاند ز محرم  
 ہنوزت عقد صحبت نیست محکم  
 حدیث دشمنان با دوست و چرم  
 رود بر پشت فردندان آدم  
 رہ این است لے برادر تا جہنم

ندیم امرئے سی سالہ چوتوہ ہا ہم کہ قہنہاے چنین آخر از ماں باشد



اگر دوست تو یک ہفتہ بھابھو  
بہفتہ و گرت ریش تا میاں باشد

اے خواجہ اگر باخرو و ٹکینی  
جز جلق زدن کار و گرنگیزی  
چہ خوشتر از ان بود کہ ہنگام جامع  
تاخایہ فرو بری سرش را بینی

مرکب از بہر راحتے باشد  
گوشہ قطعاً بر استخوانش نیست  
بندہ از اسپ خویش در پنج است  
راست مانند اسپ شطرنج است

سگ - ایک شخص قزوینی کا تخلص ہے جو شاہ عباس صفوی کے دربار میں ظالموں کے زمرہ میں ملازم تھا نہایت بے ادب گستاخ اور شوخ مزاج واقع ہوا تھا۔ ایک مرتبہ عیسیٰ خاں قورچی ہاشمی اس کے دروازہ سے گزر رہا تھا۔ اس کے بٹھانے سے تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے میاں سگ کے دروازہ پر ایک کتا سوتا تھا۔ عیسیٰ خاں نے پوچھا کہ یہ آپ کے یہاں کس عہدہ پر ملازم ہے۔ جواب دیا کہ قورچی ہاشمی پر۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ اس کو کہ ظرافتہ رنگ کے استعارہ مل سکے مرنے ایک شعر سادہ ملا

بسحر آدم بہ کیت خیمکار رفتہ بودی  
تو کہ مرگ بنوہ بودی پیر کار رفتہ بودی  
سگ کے متعلق بہت سے لطافت و ظرافت درج کئے گئے ہیں مگر اکثر ان میں سے غیر مذہب ہیں اور بعض ہمارے تذکرہ کے منافی ہیں لہذا قلم انداز کر دیئے گئے

سوختہ آپ کا نام میر حسین کشمیری الاصل ہیں اور دور موجودہ کے ایک خوش مذاق خوش فکر ظرافت گو ہیں۔ علاوہ شاعری کے آپ ایک معرزا در موقر اہل قلم ہیں

چنانچہ ضیافت پنج لاہور، توجہ تک آپ کی ایڈیٹری میں نکلتا رہا آپ نے اپنی ظریفانہ شاعری کا ایک دائرہ مقرر کر لیا ہے اشتہا کی طرح کبھی کبھو داشر بولے یا ہر قدم نہیں رکھتے۔ ایک ایک شعر اشتہا انگیز اور آتش معد و کو تیز کرتے والا ہوتا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے

بحر قلام چیسے چاہے کار یا ہو کر	عکس خورشید نظر آئے کلچا ہو کر
اترے متناہز میں پر جو پڑھا ہو کر	انجم حیرت میں آئے پکڑا ہو کر
شور باقاب میں بہتا ہو جو دریا ہو کر	حلق لبیک کے کیوں نہ کشادہ ہو کر
لطف کھانے کا جو آیا بھی تو بھوکا ہو کر	سوکھی روٹی بھی گئی حلق میں جلوا ہو کر
اب طیبہ کوئی تدبیر بتا دے ایسی	چاہے نسخہ میں لکھی جائے نفیسا ہو کر
کونے خواب میں بھی جو تو برہنہ کھلے	وڑ دیں تپ کر تری آلو بنجا ہو کر
عقد بریانی کا حقیقت مطہجی سے ہوا	گٹا گئے مفت و ہاں شیخ چھو بار ہو کر
فرقت قاپ میں کی میر نے اتنی زاری	کھلگئی ریش پیارے کی تہا شا ہو کر
نوع اجناس کو حاصل ہوا پہلو بخت	پہلوے دیگ میں جل جل کے ہر لیا ہو کر
اپنی ہستی سے گزبجائے جو دنیا میں فروغ	قدر شلغم کی ہوئی دیگ میں تہا ہو کر
ہونہ معزور سردار پہ چڑھ کر منصور	چڑھ گئے سیکڑوں میں تیج قبا ہو کر
خشک سالی میں دیکھ سوختہ اسید پلاؤ	پس گئے سیکڑوں اس میں لیا ہو کر

سفلی۔ عنایت خاں نام کالے خاں عرف تھا۔ نہایت بذلہ رنج اور لطیفہ گو تھے اگر کے رہنے والے تھے۔ ہزل گوئی کا شوق تھا۔ اور اسی میں کافی مشہور ہو چکے تھے۔ عارض نویسی سے اوقات بسر کرتے تھے نہایت حاضر جواب۔ خندہ پیشانی۔ زندہ دل گو میں تھے۔ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ مخ سے پھول جھڑتے ہیں اسی طرافت کی بدولت راجہ بلوان سنگھ کاشی کے دربار تک پہنچے۔ مولوی نیاز علی پریشان نے جو اگر میں مسئلہ

میں مشاعرے کئے اُن میں شرکت کرتے تھے اور اُس وقت اُن کی عمر چالیس برس کی تھی تنگدست تھے مگر زندہ دلی اور اُن بان میں کبھی فرق نہ آنے دیتے تھے۔ مرزا مہر اکبر آبادی کے شرفِ تلمذ سے بہرہ یاب تھے ظرافت میں وہ وہ باتیں نکالتے تھے کہ بے اختیار داد و بنا پڑتی تھی مختلف اخباروں میں کلام شائع ہوتا رہتا تھا آخر کار شرفِ مدح میں دنیاے خالی کو خیر باد کہہ کر دلِ اُرتب ہو چکا تھا۔ مگر وہ شاید طبع نہیں ہوا اس لئے کلام کیاب بلکہ نایاب ہو گیا۔ جو شعر مل سکے وہ درج کئے جاتے ہیں۔

واہ وارے ملک الموت تری یاری کی	گمیں گیا تاک میں غمزدگی ٹھہر ہو کر
معتوق بچہ زاد سے غلی غلیا چلے	کیا انتشار ہو تا ہے کل کی کو دیکھ کر
میں اپنی ناتوانی پر رونا ہوں بس لئے	اب لوگ دیکھتے مجھے عینک لگا کے ہیں
بادہ پیوں کہا انیسے میں فصل بہا میں	نقدی تھی جس قدر وہ گئی سب نے حای میں
انگور تر میں ہے نہ وہ لذت انار میں	منم مزاحمت جو مری مٹھی چوار میں
اب گل ترے خزانے میں کا تناسا ہو گیا	مجھے زیادہ بوجھ ہے پولوں کے بار میں
عروضی خردہ گیر شاعران باصفا تھے	دہائی جسطرح سے بیت بنایا تھے
کہا کرتے ہیں فاسق میکش کو حضرت حافظ	بڑی داڑھی بڑا کریم شے اٹا سا تھے
نکا لو گھر سے ایسی چوٹی ماما کا کانا تھے	کہ چکلے پر زبلیں اور نہ چوٹھے پر تو اٹھتے
کریں اشرف کیا فرماتے اس خط سالی میں	نہیں تباہ دن پر اور پابندِ قبا تھے
چڑھا دگل مے مرقد پہ گل اندلو	یہ اپنے گلگلے لیجاؤ زین خاں کے لئے
بتاؤ جھگڑ کو بھنگیڑو کہ ہر گئے میکش	بھگتا پھر تاہوں میں اپنے کاوان کو لئے
ایا صاحب کے میم کے مس کے	دل اٹھاؤں میں ناز کس کس کے

سودا - یعنی مرزا محمد رفیع سودا خشک شیدو ایسیائی چار دانگ عالم میں وہیم ہے

جن کی ہجو نگار رہی نے اپنے معاصرین کا نام کیس دم کر دیا تھا۔ ان کے والد کا نام مرزا محمد شفیع تھا جو کابل سے دہلی میں آئے تھے۔ اور پیشہ تجارت سے بسر اوقات کرتے تھے۔ ۱۲۱۵ھ میں سودا کی ولادت ہوئی۔ اور زمانہ کے دستور کے موافق تعلیم حاصل کرنے کے بعد شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ شاہ حاتم کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ اپنے وقت کے مشاہیر اور اکابر شعرا سے معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ اور دلی کے کوچہ کوچہ میں ان کی ہجوین مشہور ہو گئیں۔ مگر چونکہ خاندان تیموریہ کا پسرخ اقبال برائے نام چل رہا تھا۔ اس میں روشنی بالکل باقی نہ رہی تھی۔ عروج کے درخت کی ہڈ میں دیکھ لگ گئی تھی۔ اس لئے قدر دان ناپسند تھے۔

اہل کمال پریشان اور خستہ حال تھے۔ ادھر یہ عالم ادھر اہم اور وزیر کا یہ زور شور یہ رنگ تھا کہ سلطنت کے مالک بن بیٹھے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ میں وزیر الملک نواب آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے بالکمال ادھر ہی کچھ چلے آ رہے تھے میرزا سودا کو بھی مجبوراً ادھر کارخ کرنا پڑا۔ فرخ آباد ہوتے ہوئے یہاں آئے قدر دانوں اور اہل کمال نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوبی قسمت نے چند روز کے بعد نواب کے دربار تک پہنچا دیا خطاب ملک الشعرائی جس کے صحیح طور پر وہ مستحق تھے شاہ عالم کے دربار سے پاچکے تھے۔ یہاں اسی کے مطابق عزت افزائی ہوتی رہی۔ انھوں نے بھی ایسے ایسے قصیدے نواب بہادر کی تعریف میں لکھے جو آج تک گل سرسبد معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی معلومات شاعرانہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ایک ایک اعتراض کے مستوجب جوابات دیتے تھے۔ جو آج تک اُن کے دیوان میں موجود ہیں اور انھیں سے اُن کی غزلیت المراجی اور بدلتخی کا بیج چلتا ہے۔ جو آگے چلکر ہم درج کریں گے۔ سودا عالم شباب سے پیری تک لکھنؤ میں رہے۔ اور ۱۲۹۵ھ میں یہیں پوند خاک ہو گئے۔

مہنہ خاک جو میرانیس کے پرداداس تھے ان کے زبردست حریف تھے۔ خدا معلوم پرچل گئی تھی کہ ادھر اور ادھر وہ دونوں طرف سے ہجروں کی ہمار ہوتی تھی۔ مگر

زمانہ نے میرضا حک کی تخت کو خاک میں ملا دیا سودا کی کھی ہوئی ہجویں اب تک موجود  
ہیں۔ چنانچہ یہ ترجیح بند میرضا حک کی ہجویں ہے۔

چا صبا ضاحک سے کہہ چلا زسلام	کیوں کیا کرتا ہے ہجو خاص دعاء
آپ کو کتنا ہے تو سید ہوں میں	جد مرا پوچھو تو ہے خیر الانام
پس دکھا تو اب کیسکی ہجو میں	ہو اگر ختم رسالت کا کلام
کون ہے تیری سیادت کا مقر	جانتے ہیں خاص کے تا عوام
تیرے والد کو ہوئی تپا یکسال	تب حکیموں نے یہ تشخیص تمام
دق سمجھ کر یہ دوا تجویز کی	شیر حشر با قرص کانوا لیکدم
مولے ایک مادہ خرپینے لگا	ہر سحر اس شیر خر کا بھر کے جام
آخر کار اس مریض کے بھی لئے	وہ جو مادہ حشر بھی اسکی آئی کام

ریم سوداک پدر ہے تو شیریر

رحم مادر سے آٹ نکلا ہو میر

سن تو تک لے نصف انسان نصف	ہننے کیا سید نہیں دیکھے مگر
بیش و کم تجھ میں نہ دیکھا عقل و حق	نطفہ کی ترکیب کا ہے یہ اثر
گھر سے اپنے کھانے جانے جسکے ہاں	جاتے ہی مانگے ہے اسے حاضر
عقل کہتی ہے کہ کھلے پر نہ کھا	حق کہتا ہے کہ جیسے سے نہ ڈر
سیدل میر شلت آپ کو	کھنا اتنا ہو کے بے خوف و خطر

ریم سوداک پدر ہے تو شیریر

رحم مادر سے آٹ نکلا ہو میر

ایک دوسری ہجو میرضا حک کے متعلق لکھی ہے۔ دیکھئے۔ متانت پناہ مانگتی  
ہے ظرائف انگشت بدندان ہے۔

ضاحک کی اہلیہ نے دھول بچہ گھر دھو لیا  
 بیوہ راج ساری ہسیا دیں کو جگایا  
 بیٹھک میں بیٹھ بڑھے چوٹے کو جب لایا  
 تب شیخ سد واسپر غصہ کو کھاکے آیا  
 بولا کہ کیوں بے ضاحک بکرا کوئی منگایا

ضاحک نے تب کیا دیں تم نے زبان نکالی  
 بے آج کو کٹا ہر کل دھکے جھکے گالی  
 بکس کی شکل یا نتونے گری ہر نہ کلی  
 بنی بلی کو اور تم کو کھر دیست خالی  
 بکرا وہ دے گی تھکو جن نے کہ سر چٹھایا

میراں پیس کے بولے پھر کیو کیا کہا جی  
 میں اس سوا نہیں کچھ اور حرف بتا جی  
 بکرا اگر نہ آیا چھوڑوں گا کر چچا جی  
 گالی تو اک طرف ہی سین رکھو بچا جی  
 آگے ہے دھول دھپا میں تم کو کہہ سنایا

ضاحک نے تب کیا دیں چھپا سکتے کہی  
 گرٹکے تو گلا گلے ہیں دھیل کی پکڑی  
 میٹھا کر جو منہ کو دھیلے کی ہن گڑڑی  
 تب شیخ سد و بولا استہارے لگوڑی  
 بھینسا ہی لیکے چھوڑوں غلط میں کیا تو لایا

دھڑی میں منہ کو میٹھا چھسکا ہارے کرنا  
 دو تیل کے پکڑے آگے ہارے بھرا  
 گاسے اپنی ہرند کیھا بھسکا ہارے بھرا  
 بکرا نہ لول نہ بھینسا پر ہی ہلے تو اڑنا  
 تب جانے گا تو بھڑے پیروں کو میں نہایا

بڑھاپے کی شادی پر ایک غصہ لکھا ہے جس سے ان کی انتہائی ظرافت کا پتہ چلتا  
 ہے دیکھئے۔

ناسن کے ہر شرم سے دو لہا ہر سرنگوں  
 اب کیونکہ تیل رو سے قدس میں نابوں  
 شانہ کر دیں میں ریش کو یا ہر سے رنگوں  
 جی کی امان پاوں تو کیا تیں کوں  
 منہ کر کلنگ اپنے لگاتے میں شیخ جی  
 القصر شیخ جی کی جو حرمت خدا گزائے  
 بارہ برس کی چھو کری یا جی بچا تے لائے

اے دو لہن کے گھر سے جھنجھٹا جیسا ہاتھ کہنے کو خاطر میں نہ لائے  
 اپنے کئے کو تیسرا ہی پاتے ہیں شیخ جی  
 تھے بسکہ شیخ بات نے نیا کی پاکی مٹا سواک ایکے جو رو سے کرنے لگے زینت  
 اُن نے تیرا پی چوٹی سے یہ کھو بکر زبان مشکیں انھوں کی جڑ کے کہا کیے معاف  
 جھکو تو کچھ ولی نظر کرتے ہیں شیخ جی  
 لایا غضب میں شیخ کو گھر کا یہ بندو مشکیں مٹا بلچ گئے جو رو سے کہے حبست  
 بال اسکے اُن کے ہاتھ پر لیش لگی اسکے عہدیے بڑے آئے تھے ازلیضیف دست  
 پاؤشیں تب سے جو رو کی کھاتے ہیں شیخ جی  
 جو رو سے شیخ جی کو صیحت اب مدام بھڑا و مسخرا و مچھند رہے ان کا نام  
 خلوت میں جب بلاتے ہیں لکھو تو شام دیتی ہے تب ہنسیکھو دوگوں سے یہ پیام  
 بیٹی کو اپنی کیوں یہ بلاتے ہیں شیخ جی  
 یہ تو ہیں بوجھ خرمن ہے شوخ چلی ماری کھو تو دھول کھنٹی اڑی لہجہ ملی  
 ان کو تو جانتی ہے کہ ہیں شیخوں میں ملی کھلجی ہے ان کی جو رو کی تباہی طبع کلی  
 بھولے نہیں بدن میں مانتے ہیں شیخ جی  
 جب دیکھتی جو وہ کہہ برکت کی ہوا دس بیس ان جھڑی کو کہے منہ نہیں کھلا  
 آتی ہے اُن کے پاس لے تیل اور توا کہتی ہے یہ نہ ماننے کا آپ اب برا  
 ہم ٹکڑے شیخ دو نہ بناتے ہیں شیخ جی  
 جب گھونگر ہوئی کے چلے ہی لنگنی چال آتا ہے شیخ جی کے تیل اس سرد چال  
 علامہ سے پھینکا ہے جو جاتے بیٹ بال تیرا لنگنی سے یہ کہتی ہے وہ چال  
 اب ہکو اپنی چاہ جلتے ہیں شیخ جی  
 اک وز شیخ جوئے کو جو رو سے جاٹ کہنے لگی کہ تم ہو بڑوں کے مے بٹے

اب بس ڈھپی دکو کیس چوکانہ گر پڑے      ڈرنا میں ہے مجھے تو لے کھڑے منہ بٹے

کس دل ابھی دلاسے تلاتے ہیں شیخ جی

ایسی ہوتا ہے اونٹ خداسے بھی ڈرے      اکر کے فیخ جی کے بھلے پہ بگ بھرے

شمار کو آنکے ڈال کر کچلے بالوں پر کسے      یار رہا کہ وہ چھال ستابی سے اب بھٹ

ورنہ ہمارے ہاتھست جاتے ہیں شیخ جی

نہ کہ ہنس شیخ سے اور شیخ تم منہ      کچھوے کو تم نے دتی ہے غائب کے کوہو

میں جانتی ہوں نکلو کہ تم فیاسہ فوج      سودا یا نہ کیا کیا ہے بات انگو گم

حییم ہیں تیسے جوتیاں کھاتے ہیں شیخ جی

کسی مولوی نے قوی دیدیا کہ کو اعلان ہے - سودا کو ظرافت کے لئے آئے مسالہ ہاتھ  
آیا فوراً ایک بچہ کھڑ ڈالی - او۔ وہ وہ ادکھیاں سنائیں کہ آج کر کے کھینچے والوں کے رہے  
کھڑے ہوئے ہیں -

لشکر کے یچ آج یقیناً قال ہے      کھانڈا کپڑے کھانے کا سب کچھ حلال ہے

یون و فل ادو نہی میں کرنا حلال ہے      جو فتنہ دالسا ہے سب کچھ یہ آنا کا حلال ہے

اک مسخرا یہ کہتا ہے کہ حلال ہے

حامی انھوں کے قول کا ہے چلنا      اور دوسرے بڑے کہا کہیں نہ پائے ہاتھ

کچھ شک ہے کہ اسے کھانڈے دریاں      ہمسے جو کوئی پوچھ تو ہم کو کہیں ان

اک مسخرا یہ کہتا ہے کہ حلال ہے

یار دہو تم اسی دیر خرابی میں      پاٹھا اٹھا کرو ہو سد شیخ ہنسی میں

حالت رکھے ہے زاغ کو بھی تپیں      جتنی کتب میں فقہ کی ان کے جواب دہ

اک مسخرا یہ کہتا ہے کہ حلال ہے

بگڑا ہے آج جہنم نچ کیا نیل      ملاطیفی، لہو، کہ کھانا چاہے حلال



کہتا ہے چاند خاں کیا کون نجران قبل حلت پہ میٹل کی میا بچی کی سودیل  
اک مسخرایہ کہتا ہے کوا حلال ہے

فدوی اک پنجابی شاعر تھے رسمی معلومات شاعرانہ بھی اچھی خاصی تھی۔ اتفاق سے  
اُن سے اور سودا سے کچھ بحث ہو گئی۔ سودا نے اس غریب کی اتنی ہجو کی کہ عاجز آ گیا۔ اُس نے  
بھی مجبوراً ایک کُنڈ تلواریا تھو میں لی یہی سودا کی ہجو میں اشعار کے مگر نہ وہ اس زمانہ میں  
مشہور ہوئے اور وہ کہیں آج اُن کا پتہ ہے۔ سودا کے دیوان میں وہ ہجو بھی موجود اور  
محفوظ ہے۔

جہاں میں کون بناتا ہوا اُو بٹے کا کسی سے بن کوئی آتا ہے اُو بٹے کا  
بہت ہی جان کھاتا ہوا اُو بٹے کا بنا جھی کو یہ آتا ہے اُو بٹے کا  
کہ فدوی جگ میں کہتا ہے اُو بٹے کا  
کیا ہے خرچ بنانے میں اُس کے پیئر نہیں ہے اصلی نقلی میں فرق ذرہ بھر  
جو اور بوم ہو سو مادہ یہ لگے ہے نہ جو راہ باطن میں آتا ہے صبح و شام نظر  
کے ہے ظن وہ جاتا ہے اُو بٹے کا  
میں کارنگریوں اٹا دیکھا ہے بظاہر جو کچھ کہے کوئی کرتا ہوں بیٹا کی خاطر  
وہ بوم بننے میں اگر نقص ہے ہو کچھ بھر تو اُسکی شکل کروں اور چاند کی پھر  
عجیب شور مچاتا ہے اُو بٹے کا

غرض کہ اسی طرح ایک مولوی صاحب کشمیری کی ہجو میر طاف کی مذمت مرزا  
فاخر مین کا خاکہ مولوی ندرت کشمیری کی لڑکی کی تذلیل اور فصیح اُن کے یہاں وجود  
ہے جو بوجہ طوالت کے نہیں لکھی جائیں۔

اگرچہ یہ کہنا زیادتی ہے کہ جو بھی داخل ظرافت ہے۔ مگر میں کوئی شک نہیں  
کہ ہجو نگار بھی تمام مسخران اور ٹھٹھولی طنز و طعن کے ذرائع کام میں آتا ہے اور

اور اُسی سے ایک صورت ظرافت کی پیدا ہو جاتی ہے یہی سبب ہے کہ ہم نے سودا یا دوسرے  
ہجوگو یوں کو بھی شریک تذکرہ کیا۔ ورنہ ظرافت اور ہجو کا ظاہری فرق کون نہیں جانتا

سوزمی۔ بابا سوزی قزوین کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ ایک زبردست شاعر  
تھے۔ مگر ظرافت ہجو کی طرف طبیعت بھیرا نکل گئے۔ چنانچہ ایک قطعہ جو ایک شخص کی ہجو  
میں کہا تھا یہ ہے۔

لے خیر وہ بے تمیز بندق بوند و نک  
بے رزق و کاخ خوار و لکڑی خنک  
گہ خوار و چول کلاغ و پیرے چوٹیاب  
غریبہ گرو چھوہ و چول مکیاں کرک

ہر صبح باد گزیریشٹ قشوں قشوں  
ہر شام باد..... پلک پلک

سوز۔ تخلص سید محمد میزبان تھا۔ میر درد۔ سودا۔ و میر کے معاصر تھے۔ دلی میں  
ایک محلہ قراول پورہ میں مکان تھا۔ ان کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا۔ اور ان کے  
والد نہایت بزرگ تھے۔ اور تیر اندازی کی مشق کمال کو پہنچائی تھی۔ میر سوز اپنے نام کے  
آخری حصہ کی رعایت سے میر تخلص کرتے تھے۔ مگر میر تقی میر کی خاطر ان کو وہ تخلص چھوڑ  
کر سوز اختیار کرنا پڑا۔ اسی بات کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

کہتے تھے پہلے میر میرتب موس ہزار حسین  
اب جو کہیں ہیں دوز سوز یعنی سدا جلا  
دلی کی تباہی اور بربادی کے بعد لکھنؤ چلے گئے تھے۔ مگر یہاں مدتوں قدر نہیں ہوئی  
یہ مرشد آباد چلے گئے جب وہاں بھی پھر سے تو ذاب اصف الدولہ ان کے شاگرد ہوئے  
مگر موت نے زیادہ مہلت نہ دی ۱۲۱۱ھ میں پوند خاک ہوئے۔

درویش مزاج۔ عالی طبع۔ بلند حوصلہ۔ نیک طبیعت۔ خوش گفتار آدمی تھے

کلام میں سادگی۔ صفائی۔ روانی کو زیادہ ملحوظ رکھتے تھے۔ اور تخیل کے مقابلہ پر بھی ایسی  
چسپنا زیادہ اُن کے یہاں پائی جاتی ہے۔

وہ ظریف المزاج تھے۔ طبیعت میں مذاق۔ اور دل میں ظرافت کا جو سر۔ دماغ  
میں بذلہ سخی کی ہوا موجود تھی یہی وجہ تھی کہ وہ کبھی کبھی ظریفانہ شعر لکھ جاتے ہیں۔ لوگوں  
نے یہ سمجھا ہے کہ اُن کی سادگی اتنی بڑھ جاتی ہے متانت کی حد میں نہیں رہتی۔ اور میں  
یہ کہتا ہوں کہ وہ بقول صاحب طبقات الشعراء ایک ظریف الطبع شخص تھے طبیعت کا  
رجحان اودھ تھا۔ وقت بیوقت مختارانہ۔ یا بے اختیارانہ اُن کے قلم سے ایسے اشعار  
نکل جاتے تھے جنہیں اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ درجہ تہذیب یا متانت سے گری ہوئے  
ہیں۔ اُن کی ظرافت دستور زمانہ کے موافق ہزلیات۔ اور فواہش کی حد تک کبھی نہیں  
پہنچی۔ زبان کی سادگی۔ اور انداز بیان کی سنگفنگی ایک ایک حد سے ظاہر ہوتی ہے  
اور اس بات کی یہاں تک اُن کے یہاں پابندی ہے کہ میں جس کی ظریفانہ کتابوں اگر  
کوئی میرا حریف ہو تو وہ اُسی کلام کو عاشقانہ اور مہین ثابت کر سکتا ہے۔

گئے گھر سے جو ہم اپنے سوئے	سلام اندھاں صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفل پریر	ایسے سے ایسے سے ایسے سے
سنے ہی سوز کی ضرر گ خوش ہوا	کنے لگا کہ پٹہ تو چھوڑا بھلا ہوا
ہملہ سے عشق تیری شوکت شان	بھائی میرے تو اڑ گئے اور سان
گیا ایک دن اُس کے کوچ میں ناگ	لگا کنے چل بھاگ سے پھر نہ آنا
دعا دی تو لگا کنے کہ دُر ہو	سنی میں نے دعا تیرا دعا کی

کما میں نے کہ کچھ خاطر میں ہو گا  
گریباں میں زور اٹھ ڈال دیکھو  
تمہارے ساتھ جو میں نے فدا کی  
کہ تم نے اس دفا پر ہمت کیا کی

تو کتاب ہے کہ بس بس چرخ بند کر      و قالایات دست تیری: حنا کی

کچھ کہہ تو قاصداً آئے وہ ماہ      الحمد للہ الحمد للہ  
جھوٹے کے منہ میں آگے کہوں کیا      استغفر اللہ استغفر اللہ

یار آتا ہے تیرے یار کی ایسی سی      آتا ہے تیرے پیار کی ایسی سی

پھر اتنی بات سننے ہی رو کر کہا کہ      طوطا ہمارا آگیا کچھ بولتا ہوا  
یار گر صاحب دانا ہوتا      کیوں میاں بیان کیا مزا ہوتا  
چلتے سن نیا عسکری رکاتا تو      زہر دوستی مراد لے لیا ہے  
چھپا مٹھی میں کتاب ہے کہ او میاں      ہمارے ہاتھ میں بوجھو تو کیا ہے  
جس قدر اشعار لکھے تھے یہ انتخاب ہر ان انتخابوں کے جواہر تذکرہ نے کئے ہیں  
مجھے انہوں نے کہ میرے پیش نظر ان کا دیوان نہیں ہے۔

سوزاں - منشی حبیب الدین نام تھا۔ خواجہ عین الدین سہا۔ پوری کے مرزا  
تھے۔ اہل اس شباب کے ساتھ ہی دل میں حسن پرستی کا مادہ پیدا ہوا اور سوز و گداز ناشقہ  
طبیعت میں جوش زن ہو گیا۔ وطن کو چھوڑا دلی میں آئے اور مرزا غائب کے شاگرد ہوئے  
اور مرزا مرحوم کی حیات تک دلی ہی میں رہے۔ مگر ان کے انتقال کے بعد یہاں بھی  
نہ لگا اور پھر وطن مالوت چلے گئے۔ اگرچہ مظلوم کا بحال رہا۔ مگر اس میں بھی مذہبی  
نہ لگی۔ وہی ان بانی آخر وقت تک رہی جو اوکل میں بچے تھے تاکہ ان کے لئے میں شمس حیات  
صر صرا بل سے جھونکوں سے خاموش رہا ہو گئی۔

آپ صاحب تصنیف قالیع میں چنانچہ تاریخ عجیب حالات حکماء یونان تیاقی ہمارے  
ساتھ اقلوب۔ اور گنج شائگان مختلف علوم و فنون میں آپ کی تصنیف سے ہیں بعض  
کتب راقم تذکرہ نے بھی دیکھی ہیں خوب لکھی ہیں۔

ایک مختصر دیوان شائع ہوا تھا۔ دوسرا تیار ہے وہ شائع نہیں ہوا۔ کلام اگرچہ  
مستین زیادہ ہے۔ مگر اسی مسانت میں ظرافت بھی شامل کر دیتے تھے۔ چند شعر مل سکے جو  
ہدیہ ارباب نظر کئے جاتے ہیں۔

دھوب سکے تو اپنے دل کا داغ دھو	شیخ مسخ کو ہر گھڑی دھو تلہ ہے کیا
تو بہ کا ارادہ تو ہمارا بھی ہے لے شیخ	لیکن ذرا آجاسے بڑھاپا کچھ اور
اکٹی لکھیں پوٹیں ہاتھ تو ڈیر جیتے دنیا	چشم عشوہ زاد کجی ساق نازنین کٹھی
شکے بیاری سوزاں کی خبر از رہ درد	لگے گئے کہ بڑا پاپ ہے خدا خیر کو
سرو سامان نہیں ہے سے نہیا ہوتے	ورنہ فرعون تو کیا اسکے بھی یاد ہوتے

سید۔ مولوی محمد بخش نام تھا۔ قد میں سے ہیں مولف تذکرہ مخفیہ جاوید نے  
ایک یاغی سے چند شعر لکھے ہیں۔ یہ پتہ نہیں چلا کہ کہاں کے رہتے، والے تھے۔ اور کب تھے  
میں بھی عرت اشعار نقل کرتا ہوں۔

شاہ صاحب تم دعا باز دے ہم دے ہم	دیکھ کر جہاں جہ اور جھولی آپ کی
ہم فرسب قاتلہ، الاسے بہت کچھ ہیں	کیا ہونا ظاہر ہے صورت جھولی بھالی آپ کی
کام کر نیکے نہ تھے جو کچھ ہمارے سکے	بھنگ چھانی رند و افون گولی آپ کی
خاصے زاد دل کے حلقے میں داخل ہیں	سیکھ لی ہیں ساری باتیں اور بولی آپ کی
پھر کرم فرما یہاں لے شیخ جی مت جو	کل فضیحت خست اسر محفل ہیں ہر آپ کی

## حرفِ شینِ معجزہ

شاہی گیلان کی رہنے والی ایک فاحشہ عورت تھی۔ شاعری کا شوق بہت زیادہ تھا۔ مگر انہوں نے اپنے افعال کی طرح اپنے اقوال کو بھی فاحش سے علاحدہ نہ رکھتی تھی جیسا کہ جعفر کلام اُس کا میری نظر سے گزرا اُس میں سے ایک شعر بھی ایسا نہیں جو غش نہ ہو اور انتخاب میں آسکے۔ لہذا صرف اسی نام پر اکٹھا کرتا ہوں۔

شوخی تخلص ہے منشی حسن جعفر صاحب لکھنؤی کا۔ جب میں نے جیم کی دین لکھی تھی اس وقت آپ جو تخلص کرتے تھے لہذا میں آپ کا نام اور کلام لکھا گیا۔ اب چونکہ آپ شوخی تخلص کرتے ہیں اس لئے تذکرہ یہاں نام لکھ دیا گیا ہے۔

**شرف**۔ انہوں نے مجھے آپ کے نام سے اطلاع نہیں شاید اسے بریلی۔ یا بارہنکی کے ضلع کے رہنے والے ہیں۔ پہلے کسی ریاست میں میجر تھے اب ہومیوپیتھک علاج کرتے ہیں اکثر لکھنؤ آتے رہتے ہیں۔ راقم الحروف کے جاننے والوں میں ہیں۔ اکثر شاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ کلام دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ ظرافت بھی اور عاشقانہ مبین بھی۔ ظرافت میں نمک کم ہوتا ہے۔ مگر کچھ بھی شریک آتے ہیں۔ آپ کی اس وقت عمر تخمیناً ۴۵ برس کی ہوگی میں نے دو چار مرتبہ آپ سے آپ کے کلام کے لئے استدعا کی۔ اور آپ نے شد و مد کے ساتھ وعدہ بھی کیا۔ مگر انہوں نے وہ وعدہ شاعرانہ وعدہ بکر رہ گیا۔ دو چار شعر چودھرا دھر سے مل سکے وہ درج کرتا ہوں۔

ساغر لئے ہوئے کبھی مینا لئے ہوئے      آتا ہے روز ایک تماشا لئے ہوئے

— آئے ہیں آج غیر کو لیکر وہ میرے گھر  
سامان انبساط اور ہوا لئے ہوئے

شاکئی سید اکبر حسین نام ہے۔ ضلع اکہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ مدنیوں سے مسلسل  
لازمست لکھنؤ میں قیام ہے پہلے اودھ اخبار میں مترجم تھے۔ اب حقیقت اخبار میں کام کرتے  
ہیں۔ آپ شیعہ المذہب ہیں مگر نیا ہی بے تعصب اور نیک آدمی ہیں۔ فارسی قافیہ بھی  
کافی ہے۔ اور شگلو کی قافیہ اپنے درجہ کمال کو پہنچ چکی ہے طرانت اور عاشقانہ دونوں  
رنگوں میں طبع آزمائی فرماتے ہیں اور دونوں میں خوب خوب شعر کہتے ہیں۔ ظرافت میں اکبر  
اکہ آبادی مرحوم کا اتباع کرتے ہیں۔ راقم الحروف کے شناسا ہیں۔ کلام عنایت فرمانے کا  
 وعدہ فرمایا تھا۔ مگر شاعر ندیم الفرستی کی وجہ سے ایفانہ فرما سکے۔ چونکہ ان خیارات میں  
آپ کا طریقہ کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے دو ایک شعر نمونہ اخبار حقیقت  
سے نقل کرتا ہوں۔ شاکئی صاحب ایک پرگو شاعر ہیں۔ اس وقت عمر تخمیناً پچاس برس کی ہے۔

ہے تو اچھا قوم کی خدمت گوار کیجئے	اپنے قوی در و کا دنیا میں چرچا کیجئے
قوم کے جلسوں میں جا کر کیجئے تقریر خوب	پر اثر مضمون اخبار میں چھپا کیجئے
اس سے جب صحت ملے حل کیجئے قوی ہو	یا کوئی اسکیم چندہ کی مہیا کیجئے
یاں مگر ہرگز نہیں ہے اپنے شرط لہری	تو کم کا بڑھتا ہوا افلاں دکھا کیجئے
ہنے مانا ہو گئے ہیں اب بھی باوقوف	اس جہاں کی شکست کا تو ہمارا
یہ نہیں مکن تو شاکئی جی سب بیکار	اس جہاں کے گھر میں بیٹھے رہو

لالہ انگریزی میں جب فائق ہے۔ مغربی تہذیب کا تو ہمارا  
باپ کو کہنے لگے مائی ڈیر واہ کیا تانی چہ تامل لکھتے ہو

شیخ نے یکہ کیا لالہ نے بچا تیل گڑ  
وہ پھر سے در در تو یہ کرتے ہیں بن لیل  
چھ مہینے بھی نہ گزرتے تھے کہ یزید بنی  
ان کا یکہ بک گیا اور لے لیا لالہ نے مول

شمس اور شاید غلام بختین نام ہے اٹا وہ کے رہنے والے ہیں۔ ظرافت گوئی کا شوق ہے  
مگر ظرافت نزل اور فواش کے درجہ پہنچ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ مجھے جسد رکلام آپ کا ملا اس میں ایک  
شعر بھی ایسا نہیں تھا جو غیر مہذب الفاظ سے خالی ہو۔ مجھ کو نام پر اکتفا کی۔

شوق حافظ غلام رسول نام تھا۔ دلی کے رہنے والے تھے۔ ویسے ہی شعر کہتے تھے جیسے  
پہلے لوگ کیا کرتے تھے یعنی غزل میں آدھے شعر عاشقانہ اور آدھے ایسے کہ جن میں دیکھ کر آج سامان  
تفریح مہیا ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ظرافت کی طرت مائل ہو قلم سے کچھ تنخواہ مقرر تھی محلے  
کے شوقین لڑکوں کے اصلاح بھی لیتے تھے۔ اور کچھ لے دے کر غزلیں کہلا دیا کرتے تھے۔  
ذوق مرحوم کو انھیں کے یہاں سے شعر سن کر بچپن میں شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ شاہ  
انصیر وغیرہ کے معاصر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مزا انگور کا ہے رنگ ترے میں	عسل زنبور کا ہے رنگ ترے میں
ہیں اشعار ہلائی اس کی پھاکیں	یہ مضمون دور کا ہے رنگ ترے میں
نہیں ہے اسکی پھا کیوں یہ دیرا	یہ لشکر مور کا ہے رنگ ترے میں
ہے گلگون مجسم یا بھر اخوں	کسی مہجور کا ہے رنگ ترے میں
مزا جاب جس کا صفراوی ہے شوق	دل اس رنجور کا ہے رنگ ترے میں

کہ لک فرماں شہر کے حکمران کو پ لگی  
وعدہ کیا تھا شام کا مجھے شوق جنوں نے مل کر  
آہ کہ ہدم ساتھ ادھر سے جنگ  
آج وہ آس پاس مرے



فاقہ مست عدسے بدایسا ہی چھٹی کار جا ہے      نانی جس کی آئی چھٹی میں  
شیخ بگھارے اپنی شہنشاہت کے لئے کھاتلے      دو دودھ ملید

**شکوہ**۔ مجدد السنہ مشرقیہ مولانا احمد حسن میرٹھی مرحوم کا تخلص ہے آپ کی  
تألیف اور معلومات مسلم تھی۔ اور ملک کے نہایت موقر شعراء و اہل قلم میں آپ کا شمار  
ہوتا تھا۔ عربی و فارسی میں فاضل بے بدل اور عالم بے مثل تھے۔ بدلوں تک ملک کے نظریات  
اخبار طوطی ہند میرٹھ کے ایڈیٹر ہے۔ جس میں سیکرٹوں مضمون ظریفانہ آپ کے قلم سے نکلے  
اور ملک میں مشہور ہوئے۔ غالب۔ مومن۔ خاقانی وغیرہ کے مشکل کلام کی شرح کی طرف  
پہلے آپ ہی نے توجہ مبذول فرمائی تھی۔ آپ کا عاشقانہ منصوبہ ہر رنگ کا کلام موجود  
ہے اسی کے ساتھ ظرافت میں بھی آپ کو یدِ طولی حاصل تھا۔ اور اس میں بھی آپ نے دیکھا  
کی ہیں جو قابل دید ہیں۔ بھاشا کی معلومات بھی نہایت کافی تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔  
بادری تثلیث پر ناسخ پریش کر      تین میں سے دو نہیں ہیں کام کے

**مشہور**۔ دلی کارہنے والا تھا۔ احسان کا شاگرد تھا زیادہ حال معلوم نہیں  
ہوا چند شعر مل گئے۔ وہی درج کرتا ہوں۔

کیا ہی عاشق ہے بہت طنز پر سناٹ	دوڑتا صاف چلا آتا ہے آواز پر سناٹ
ناظرِ اذن کی ترسے سناٹے کچھ قدر نہیں	کیا کوئی چاہتے عاشق سے غنا پر سناٹ
لے گیا دل کو نفل میں داب کر	بے وفا ڈاکو نہیں ہے چور ہے
ننگا ہی کر دینے لگے اپنی گلی میں	ایسا نہ ہو لجاے کفن کوئی کفن چور
میں غم سے گھلا جب تو دھڑکنے لگا	کیا دیکھتے ہو اس کو کہ اس کا بدن چور
اپنے دل محروں کو کہیں کس سے بچاؤ	ظالم کی نظر چور کمر چور دہن چور

میاں جھکوستانا پرورایہ بھی سچ لیا جو تعمیر ہے یہ رحم ہو تو میں بھی شہد ہوں

**شہباز۔** اسم گرامی مولوی عبدالغفور تھا۔ اورنگ آباد کے کسی کالج میں پروفیسر تھے۔ اردو کے بڑے زبردست نثر اور زبان دان تھے۔ آپ نے نظیر اکبر آبادی کے کلام پر نظر ثانی کر کے اس کو ترتیب دیا۔ وہ مجموعہ نو کشور پریس میں نہایت بہتر حالت میں چھپا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی نظیر اکبر آبادی کی سوانح عمری ۱۸۹۷ء میں ترتیب دی۔ آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مجھے نظیر کے کلام سے عشق تھا۔ اس کا ثبوت اس سوانح عمری سے ملتا ہے۔ میں نے جتنی مرتبہ کتاب دیکھی عبارت میں ایک نیا لطف آیا عقیدہ مند لوگوں کا قول ہے کہ آبجیات مولوی محمد حسین آزاد کی عبارت بے مثل ہے۔ اس میں شک نہیں مگر شہباز کی عبارت سے اس کو کوئی نسبت نہیں اس میں اُن کی زبان دانی اور شیوا سیانی نے حرف حرف میں موتی چڑھائے ہیں۔ و لکھش عنوان انکھا طرز بیان نوڈ علی نوڈ ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اگرچہ اُن کو نظیر کے حالات کا حفظ نہیں سکے ہیں پھر بھی انھوں نے ان کے کلام سے مدد لیکر سوانح عمری کو مکمل کر دیا ہے اور اس قدر صحیح استدلال کیا ہے کہ بلا تشبیہ وہ مولوی محمد حسین آزاد کی غلط بیانیوں سے بڑ گیا ہے۔ ہر حالت کا ایک منظر دکھا دیا ہے۔ اور کتاب کو آئینہ حالات نظر بنا دیا ہے۔ زبان دانی کا یہ کہاں ہے کہ ایک ایک حرف کے متعدد مرادفات۔ ایک ایک جنس کی مختلف انواع اور نام۔ اگر دیکھا جائے۔ اور انصاف سے کام لیا جائے۔ تو اُن مدعیان بے خبر کے لئے جو زبان کے بارہ میں شب و روز انا دلا گیری کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں یہ ایک تازیانہ عبرت ہے۔

مولانا شہباز ظرافت کے مرد میدان تھے۔ اکبر کے رنگ میں اودھ پنچ سالن میں اُنکی وہ نظمیں چھپی ہیں جن میں بہت کچھ اکبر کا رنگ موجود ہے۔ میں کچھ اشعار نقل کرتا ہوں۔  
مولانا شہباز آخر عمر میں کلکتہ میں رہتے تھے۔ اور نواب سید محمد خاں آزاد کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال ہو گیا۔

## تہذیب قیس

لیلیٰ کے کہنے سننے سے آخر کو قیس نے  
 لے لی کے بعد پڑھنے لگا ایسی ریڈریں  
 پنڈامٹر میں دیکھتا تھا ایسا ط کو  
 از بر تھے یو کلٹ کے تہورم پر اہلم  
 تھا کہیہ کلام کی صورت زبان پر  
 القعدہ انٹرنس ہو اچھڑوا ایٹا اے  
 ہمتا رہی کہ کیجئے ہیرٹری بھی پاس  
 لندن گیا تو اوک میں پانی لگا مزا  
 آئی نظر جواو کی کرسی پہ ایک مس  
 بال اتیک سر پہ صاف غا عین تھیں مہر کی  
 گروان شکستہ تھی تھی طبی الفلاہ کو  
 پھل میت ہے لگانے تھے قامت کے شاخ میں  
 دیکھا جو یہ بجا تھے قیس کے حواس  
 مجنوں کو دھون کہ جلد پیوں دہکی حال  
 میری کے کوٹ شپ کا بڑا تازہ وقت شوق  
 شہباز ہے کلام کا اکبر کے یہ جواب

لکھو ایا نام بچہ کے انگلش سکول میں  
 تعلیم خوش معاشی ہے جن کے ہول میں  
 پاتا تھا انقباض فحولن فحول میں  
 اقلیم حافظہ تھی گرامر کے ردول میں  
 کیا جانے کیا مزا تھا بھرا ڈیم فول میں  
 بی۔ اے۔ ایم اے کے پاس بھی لے حاصل میں  
 رکھ کر عرب میں دیشیوں کے ہول شول میں  
 حاصل تھا وہ جو بچہ کے بن کی ہول میں  
 کھٹل کی طرح عشق گھسادل کی چول میں  
 ریشم کو جو شمار کریں جنس اول میں  
 قحط و باکے سرود کو ابھرا تھا طول میں  
 رنگت بھری تھی روزانہ غرض کے پھول میں  
 لگتی نہیں ہے دیر بلا کے نزول میں  
 میری پڑی تہذیب رڈ و قبول میں  
 لیلیٰ کا عشق کہنہ ملا خاک مھول میں  
 لیکن بڑا ہے فرق فردع دامول میں

## قانون قسمت

پہنچے پوچھا یہ اپنی قسمت سے  
 دو رکیوں ہمتے گنج منطلب ہیں  
 کالی رنگت ہے کیا محال ہیں  
 کالی رنگت سے گز ہیں شہباز ہیں

شب ہی کو ہے سدا چلتا چاند  
 کالی رنگت تل ہی نقطہ زیب  
 کالی رنگت سے گیسو جاناں  
 کالی رنگت سے ابروئے خمدار  
 کالی رنگت سے پتلیاں دونو  
 رنگ کے زیبے مسی کا جل  
 کس طرح دیں جگہ آنکھوں میں  
 زیب دیتا ہے تن پہ کالا سوٹ  
 ہجر اسو کے نہ ہی بوسے  
 پاک کچے کے کالے کالے غلاف  
 گوری رنگت ہے گرسب سکا  
 رنگ ابھڑا سدا نہیں مطہر  
 ڈرتے ہیں داغ برص سے پور لگ  
 شکل سے شکھیا شکر کی ایک  
 فرض کر لیں سفید کو گردن  
 پتلیاں گرسبید ہو جائیں  
 رشتہ مندوں میں خوں گریو سفید  
 رنگ نقرہ پڑا ہے گھوڑ نہیں  
 اچلے سے ہے سہاگنیں بیزار  
 سچ بتا اپنے کیوں تو یہ بھی ہے  
 برلی قسمت فضول سبقتیر

شب ہی کو جگہ گائے کو کب ہیں  
 جن سے روئے جاناں زیب ہیں  
 لیلاۃ القدر سے مخاطب ہیں  
 تیغ و خنجر ہیں ہفت عقرب ہیں  
 چشم کے آسمان پہ کو کب ہیں  
 راحت چشم و زینت لب ہیں  
 فائدے کل کے مجرب ہیں  
 متفق اس پہ کل مہذب ہیں  
 ہوسہ لعل سے بھی اعذب ہیں  
 سرمہ چشم دین و مذہب ہیں  
 ہم میں بھی کالے کم نہیں سب ہیں  
 در نہ کیوں داڑھیاں ٹھنڈ ہیں  
 جیسے ہر دھڑ کے مذہب ہیں  
 جتنے ابھڑا ہے کب سب اعذب ہیں  
 دن بھی خالی کسوٹ سے کب ہیں  
 ہر قدم پر قدم مذہب ہیں  
 لاکھ اقرب ہوں مجھ پر بھی عقرب ہیں  
 اس پہ شاید صفات مہذب ہیں  
 کیونکہ رنگیں سہاگنیں سب ہیں  
 پیسے غریب تر یہ کیوں ہیں  
 ایسی باتیں نظر میں لیں کب ہیں

کائے گورے پہ کچھ نہیں موقوف دل کے آنے کے اور ہی ڈھب ہیں

### معذرت انگریزی

ایک مرغنے نے یہ مرغی سے کہا	لوٹتی ہے خاک پر کیوں بے تمیز
ہنسکے مرغی نے دیا اس کو جواب	جسم پر ملتی ہوں پوڈر اسے عزیز
بولا مرغا ہے یہ پوڈر کیا بلا	بولی مرغی ہے یہ اک فیشن کی چیز
پوچھا مرغنے نے کہ فیشن یہ کیا	بولی مرغی بچہ مکفرٹ وایز
ڈانٹا مرغنے نے کہ انگریزی نہ بول	بولی مرغی مرغی تیرے سر میں ڈیز
مرغا بھجھلایا کہ پھر پھر دہی	مرغی بولی چپ بھی رہ لے بد تمیز
وہ زباں جو جو زبانوں کی کوئن	بولی وہ ہے جسکی ہر بولی کسینز
چھوٹ سکتی ہے چھڑے سے کہیں	جھٹک ہے کوٹ پتلون اور کینز
جنڈا شہباز کا حسن کلام	مرحبا باغ فصاحت کی برینز

پادری ولیم نے احمد سے کہا	لو پڑھو انجیل سے سیکھو تمیز
بولا احمد اس کی اب حاجت نہیں	پڑھ چکا ہوں میں تو صاحب سٹیز



## حرف صاد

صاحبقران تخلص امام علی نام تھا۔ باپ کا نام سید غلام حسین رضوی تھا۔  
 بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ جرأت اور انشائے کے معاصر تھے۔ ریختی۔ ہزل  
 ظرافت۔ ان کے کلام میں سب موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ اعتدال کو مد نظر نہیں رکھتے تھے  
 بلکہ اکثر جگہ کلام فحش کے درجہ تک پہنچ گیا ہے۔ نواب صفی اعلیٰ شیفہ مولف تذکرہ گلشن  
 بے خانے ان کا ذکر لکھتے ہوئے لکھا ہے۔ شرم و حجاب از دلش براصل دور۔ و  
 طبعش از آداب و اخلاق مجور۔ چہ داب جامع اس اوراق نیست کہ عیاذ اللہ  
 کسے را بہ بدی نام برد۔ اما در خصوص ایکس نظر فحش دہش خلان عنوان ما خواست  
 حرفے چند از نوک خانہ بر صفحہ نامہ ثبت گردید۔ صاحبقران کے یہاں مضامین دلکش  
 کی کمی نہیں۔ مگر فواحشات نے اس طرح ان کے کلام کے حصوں کو گھیر رکھا ہے جس طرح  
 کہ گلاب کے پھول کو کانٹے گھیر لیتے ہیں۔ گلابیں کی دسترس نہیں ہوتی کہ بے باکانہ انکی  
 طرف ہاتھ بڑھے۔ دیوان ان کا غیر مطبوعہ نہایت تلاش سے کہیں کہیں ملتا ہے  
 چنانچہ میں نے سخت محنت اور تلاش کے بعد ان کا دیوان تلاش کر کے نہایت محنت  
 سے چند اشعار منتخب کئے۔ جو درج کرتا ہوں۔

کملو پہ لگی کنے مری دیکھ کے حالت	شہوت سے نہ کر جاگے بیان دھڑک
دیکر عرق مکوہ کا پادا بدل لیا	صندل کا ریت دیکے بڑا بدل لیا
یہ روز چال سیکھی ہے مکلو نے انداز	بازی جو دیکھی مات سپا و بدل لیا

صاحبقران دلیل سادہ انگ سرخ سے  
 سنا جو چٹکے میں کتنی تھی ہر جوانیہ پیر  
 - رات روٹن سے اندھیرے میں کی گئی گریا  
 دمدمہ لڑتی ہے کتنی مجھے جو نہ ٹھونک کر  
 چھپکے جو کرتی تھی اسکو ہلانے لگی  
 میں تو چٹکے میں ڈر گیا جا کر  
 آج صاحبقران کی آمد ہے  
 جہاں آیا کوئی مفلس کے گھر میں ملتی ہو کر  
 وہو نسا لدا جو بھینس پہ بھوری کے بیاہیں  
 جو بن کو نورتن کے یار و شتاب لوٹو  
 سنتے ہیں میکے سے نورن چلی ہر جگہ کو  
 چتون غصے سے ہنسی کی ہے بے مثال آنکھ  
 کلمو مجلس سے کوئی ملتی ہے  
 زابولے کرتے نیلا رنگ یا بستیں  
 ایکس کڑھتا ہوں اپنے یار جانی کیئے  
 پدوروں میں واقعات کتنی ہے اپنی  
 جو پوچھا کہ صاحبقران ہے واقعہ  
 کانوں کی اپنے بانی ادھیری بھولی بھالی  
 باریک سادو پٹہ لازم ہے گرمیوں میں  
 سنہ سے بڑا نوالہ کلمہ کو پھاڑتا ہے  
 جس میں کہ چاہے تو کھاتی جو مال خشکا

کلمو نے جان کر مجھے سادہ بدل لیا  
 زما دچا ہا کیا جب ملک جمال رہا  
 اس نئی گرمی کو سنکر میں ہنسی سے سر گیا  
 ریچھ والا کیا کوئی تعلیم جھکو کر گیا  
 خوش ہوں مہتا جب اس سے شوہر گیا  
 کوئی ماکھو بنی کوئی بیچا  
 چو کیوں پر بچھاؤ غالیچا  
 ہزاروں بار رکھو اسے پانی پانچلنے میں  
 غیرت سے میل ڈوبے پھر تیر چاؤں  
 آئی ہے حج یہ کر کے دوڑو ثواب لوٹو  
 اب تو سوچو پتے کھا کے بلی چلی ہے حج کو  
 چھوٹے سے سن میں سکی بڑی ہے چھٹا لنگھ  
 میری چھاتی ہے مونگ دلتی ہے  
 جو روسیہ میں کیا آنھیں پر بستیں  
 درہ سبب ہے خالہ اور مانی کے لئے  
 کبھی توپ اور توپ خانہ جانا  
 تو بولی کہ ایسے کو جانا نہ جانا  
 ہاتھوں سے کیوں چھالی ادھیری بھولی بھالی  
 اوڑھنا نہ کر نہالی ادھیری بھولی بھالی  
 باتیں نہ کر نہالی ادھیری بھولی بھالی  
 غوری ہے یا سفانی ادھیری بھولی بھالی

جو دیکھتا ہے سر کو پھرتے مارتا ہو  
ہو ننوں کی تیرے لالی او میری بھی لالی بھالی  
صاحبقران کی خاطر لازم ہے چہنے مانا  
راون کی ہو تو سالی او میری بھی لالی بھالی

نہیں لگتی جو مفلسوں کے ہاتھ  
سخت وہ قحبہ مالزادی ہے  
وہ نہ کیونکر چلے غرور کی چال  
بھڑوا شیطان جسکا ہادی ہے  
اس کو پالا ہے اک زمانے نے  
نہ کرئی دادا ہے نہ دادی ہے

گر اسی کا نام گرمی ہے تو ہم ٹھنڈے میں  
وہ ہاتھ میسے آئے احسان آپکا کیا  
چہکلا جسے کہتے ہیں اندر کا اکھاڑا ہو  
میں نے صاحبقران پوچھا کہ تھے دوسرے  
بے خزانہ جن کا گلزار نہیں رہنے کا  
رات کبھی تھم گنا بخش سے  
وہ سادگی تری زری اپنا نگر غور  
مجھے بھاتا ہے جنگلو کا نشہ میں  
رنگ غصہ سے ہو گیا نیلا  
اُسکی بھٹی کو مکڑ میں نہ ٹلا بیٹھ گیا  
کل ہنستے ہنستے اُسکے دامن پر پڑ گیا  
قدر کر چاہتے والوں کی اری سنی ہو  
چھاتی پہ اُسکی جیسے ہاتھ اپنا جا پڑا ہو  
مجھے برنی سوا بھانا نہیں کچھ  
دھندل گالی ہے اور پیزا لڑا تھکے بیٹھتے  
پکا جو بیل یار کھٹکے کے باپ کا کیا  
پر یوں پہ نہ عاشق ہو چلائے گا دیوانہ  
کس کے دوسہ کا نشان ہے تو کہا جھک گیا  
یہ سدا ٹھنچے اور پیار نہیں رہنے کا  
دل ہے صاحبقران میں میرا  
چینی کی تشتری میری بال آگیا  
ہکنا اڑ کھڑا نا اور شکست  
دیکھ نورن کا مکہ اور حیللا  
چینی اس طرح وچرچ کہ کلا بیٹھ گیا  
مطلب نکالتے ہیں ہم باتوں بات اپنا  
جب گیا خن دو بارہ چہچہا پر آگیا  
دل میر دو دو ستم صابڈل خدرا  
پڑا ہے جب ان بیٹھوں سے پالا



آگے لوٹوں کے بسبب نہ مرا جاؤں گا  
 کب رنڈی سے لگا لئے تو سوزاک ہوا  
 جنت پہننے کا اپنے طاق رہا  
 نفس شوم اپنا طاق رہا  
 بونگوں کی طرح لوہو پیا کرتی جو ذرات  
 منہ لال تراکیوں نوا بچاں بچا کا  
 کہا جو میں نے کہ سنتو کہیں گھر میں  
 وہ ہنسلے بولی ٹھہرتے ہوا ہوا ہوا  
 اگر ہاتھ آئے بھی منہ سی چوہیا  
 میرا کیلا کب کھائے منہ سی چوہیا  
 مودگا دوں چھوہندہ راسے چھڑنے کو  
 الہیا اگر گائے منہ سی چوہیا  
 چھل کر رکائی سے لیجائے بوٹی  
 جو کھانے کی بو پائے منہ سی چوہیا  
 نقد دل اپنا لگے مانگنے عاشق سے  
 قدر جاتی رہی جس وقت والا نکلا  
 رستم کی اگرچہ ہو تو اسی  
 جب وقت پڑے تو وہ غدا کیا  
 کسی کئے ایک سے ہیں ہم تم  
 کیا غیروہاں او آ سشنا کیا  
 شیخ جی بھول کے جو بیٹھ گئے غایت  
 جب فراغت ہوئی گئے گے ہاں ہاں  
 تراشمن کرک مرعی کی مانند  
 رہے ٹاپے میں غم کے تاقیامت  
 ہاتھ میں نے نہ لگایا تھا اسے خطہ  
 دھرو یا سنے زبردستی پکڑا تو ہاتھ  
 مت جھکو ہلکانا آج  
 مددے جاؤں آنا آج  
 جھکو میری مست رہ نہیں  
 اتنا میں نے جانا آج  
 گدے کو اپنے دھوبن مانگتی جاتی جو شیخ  
 دباں سے لاد کر کپڑوں کو بھر آتی جو شیخ  
 نہ دھڑھڑ نہ پتہ ہو کہرواہے نہ ٹھہری ہے  
 کہیں جو مست ہوتی ہو تو پھر گاتی جو شیخ  
 اب تو صاحب قراں لڑا یا کر  
 گوزہ ہے یا کہ جو صاحب قراں آج  
 عیاں الفت نہ ہو شیریں لبوں کی  
 لکھوڑے سے گھوڑا سا نڈے سا  
 ایک پھسکی میں اڑاتے ہیں وٹے پتھر  
 عیاں الفت نہ ہو شیریں لبوں کی  
 میاں بہتر ہے کھانا اگر چھپا کر  
 کہیں صاحب قراں تو عقد کر لے  
 نہیں رہنے کی بے شوہر جاگر

بیوفاؤں کے نام پر پاپوش  
 اتنا رسوا کیا محبت نے  
 اُن کے اخلاق خام پر پاپوش  
 آشنائی کے نام پر پاپوش  
 کہا کلمہ نے کچ پھڑکا کے اپنی  
 جو انہی جیتی ہوں بیل بیل  
 خرگوش تیرا ہوش میں بند ہے کم نہیں  
 ہر خانہ زاد تیرا چھندر سے کم نہیں  
 گو سیکھ سا کچھ ظالم اچور ہو گئی ہے  
 لیکن ہوئے نہ باتکارت دیکھنا  
 دیکھو بھوری پہ موبہ عاشق ہے  
 پر مٹی بھینس جو با عاشق ہے  
 مرد کب چھوڑتے ہیں رٹدی کو  
 گھوڑی کیسی ہو گھوڑا عاشق ہے  
 روز لاتا ہے ماش کی پوری  
 کیا کروں میں بدوڑا عاشق ہے  
 رات سنگی دیکھ کر میری طرف کہنے لگی  
 اس گھوڑی کی تو کچھ چھوٹے بچانی ہوئی  
 تھا یہی کافر کہل جسنے ستایا تھا مجھے  
 خوش ہوئی بس آج میں اکی سمانی ہوئی  
 میکے کے رہنے والوں سے بدلا کیجئے  
 میکے میں پہلے بیوں گھولائیے  
 بند ہو جریاں کب امساک سے  
 سیل حرک سکتی نہیں خاشاک سے  
 گھورتا عینک سے ہے صاحبقران  
 کب اٹھائے ہاتھ اپنی تاک سے  
 صاحبقران سے منکالتی تھی نہ خفا ہو  
 ہرگز نہیں میں لایت تیرے چھوڑنے کے  
 میں جانتی تو بس تجھ کو نہ دیتی ہرگز  
 کہا صاحبقران نوزن سے میں نے  
 خفا ہو کر لگی کہنے کہ چہ رہ  
 صاحبقران کل گئے تھے چکھلے ناگاہ  
 ہمارے سمجھو تو عیب پوشی  
 جواب جا ہلاں باشد خنوشی  
 پر جب ہوا اختلام پوسے حضرت  
 لیکن نہ کسی پہ ڈالی شہوت کی نگاہ  
 صاحبقران اپنی اوسط عمر میں لکھو آگئے تھے اور یہاں نواب آصف الدولہ  
 مرزا سلیمان شکوہ وغیرہ کی سرکاروں میں ملازم رہے اور تاحین حیات زندگی بھر اغت

گزاری۔ جس کا جابجا اُن کے کلام سے پتہ چلتا ہے۔ وہ ایک مرغِ نال مرغِ ہندو  
رنگیلے مزاج کے آدمی تھے اُن کے قال سے اُن کے حال کو کوئی نسبت قریبی نہیں تھی۔

صہفہ۔ آپ نے اپنے نام کے جزو اول کو تخلص قرار دیا ہے۔ مرزا پور آپ کا  
مولد ہو سکتا تھا۔ مگر بہت عرصہ سے لکھنؤ میں قیام ہے۔ اوہیں شادی بھی کر لی ہے  
آپ ایک نیک مزاج بھولے مگر نہایت کمند مشق اور زود گو شاعر ہیں۔ بہت سے  
معروکوں میں آپ نے نہایت عمدہ عمدہ شعر کہے ہیں۔ اور حرفیوں کو تاب مقابلہ سے عاجز  
کر دیا ہے۔ مثین مہذب نیک دل ہیں معلومات شاعرانہ بقدر ضرورت کافی ہے۔  
تین چار کتابیں مشاطہ سخن۔ مرتع ادب وغیرہ آپ کی تالیفات سے ہیں جو نہایت مقبول ہیں  
ہر صنف سخن میں کلام موجود ہے۔ آپ کے معاصر آپ کی طبیعت بخداد سے ہمیشہ آپ سے  
چلتے رہتے ہیں۔ مگر اس سے کچھ ہونہیں سکتا آپ کی مشق سخن کوئی کو تقویت پہنچتی ہے۔  
اگرچہ آپ کا کلام قدیم رنگ میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ بجائے خرد ایک  
چیز ہے۔ اور اگرچہ یہ دعویٰ دور از کار ہے کہ ہمیشہ ہر مشاعرہ میں آپ ہی کی غزل اچھی  
رہتی ہے یہ غلط اور بیکار ہے۔ مگر تاہم اکثر شعرا چھپتے ہیں۔ منشی امیر احمد مرحوم  
کے شاگرد تھے اُن کے انتقال کے بعد جلیل صاحب اور ریاض صاحب خیر آبادی  
سے اصلاح لی۔ اور اب بھی اکثر اپنی غزلیں ریاض صاحب کو دکھاتے ہیں راقم تذکرہ کے  
عنایت فرما ہیں کبھی کبھی مکان پر تشریف لاتے ہیں۔ نظافت مستقلاً آپ کے کلام میں نہیں  
ہوتی مگر کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر کچھ نہ کچھ فرماتے ہیں۔ نمونہ چند شعر حاضر ہیں جو اٹھوں  
نے میرا اصرار پر خود عنایت فرمائے تھے۔

کوئی عاشق نہیں ملتا پریشاں جن لائے ہیں / جناب عشق بھی اب بوریادہ ہنسنا بھٹا ہے  
خدا فی بھر سے خرب زال دنیا کے نرے ہیں / یہ وہ بڑیہا ہے جس پر سے لاکھوں منے والے ہیں

اے اوپر گردوں غیر کے ارماں نکالے ہیں  
 جو کھڑکی سے تھاری دنٹا ہی گردوں نکالے ہیں  
 بندر بھسکی دکھائینگے رقیب و سبب ہم کو  
 تماشہ ہے کہ میں ہونے پہ بھی ہے چاٹ بوٹکی  
 خم ابر کسی کا دیکھ کر بدبو میاں بولے  
 سمجھ کر مٹی کا ہوا مردوں ٹوڑ ڈالا ہے  
 خدا رکھے خلیل المرتبہ قاروں سے بھی ہیں  
 کوئی دھنیا جو ملجاتا تو گل تکیہ میں بناتا  
 کہاں بے موسم گل بھیاں اڑتی تھیں اس کی  
 تھاری ناکہ بے طرح اچنی لگاتی ہے  
 ثقاہت یہ مگر وعدہ کوئی سچا نہیں کرتے  
 گل عارض لئے بیٹھے ہیں بازار محبت میں  
 بھلا دو چار خم پر حضرت صفدر کا کیا ہوگا  
 شب فرقت عدوت جہاں سر بتر نکلتے ہیں  
 خدا محفوظ رکھے زائل دنیا کی محبت سے  
 کیا ہے بندارماؤں کو اپنے دل کی کھڑکی میں  
 سٹے جسدن مجھے رہ چاند بھی کہے چھوڑوں گا  
 دیار عشق میں اے رشک لیلی ہوں وہ دلوانہ  
 زمانہ دیکھتا ہے ہم گیت جاتے ہیں غیرت سے  
 نچلتے ہیں عین عشاق کو زلفوں میں بل دیکر  
 بچا کر اپنے اپنے تھوڑے کدو رقیبوں سے

ہیں چکر میں رکھتا ہے ہرے ٹالے بالے ہیں  
 یہی لیلے کے بھائی ہیں یہی مجنوں کے سارے ہیں  
 سنا ہے آجکل تنے نئے بند یہ پالے ہیں  
 سیاں مجنوں زبان صبی نکالے تھے نکالے ہیں  
 ہجاڑوں موڑ اس ہنسیا سے تھنہ ٹکا ڈالے ہیں  
 ٹٹے ہی نہنے منے میں ٹپے ہی بھولے بھالے ہیں  
 جو تھمد باندھتے ہیں ولہبی وار بھی والے ہیں  
 تھارے کمال کیا ہیں جانمندی کے گالے ہیں  
 کہاں اب بی ہارا آئی ہل و حرکت کالے ہیں  
 بلا سے پٹا رہے ہیں ہاتھ لو گردن میں ڈالے ہیں  
 جناب شیخ بھی شاید گیا کے رہنے والے ہیں  
 کروں کس کس کا میں سودا ہزاروں ڈالے ہیں  
 پلائے جا انھیں ساقی اگر موت پینے والے ہیں  
 لو پیئے کو کھٹل کاٹنے چھڑ نکلتے ہیں  
 اسی بڑھیا کے مارے نوجوان اکثر نکلتے ہیں  
 تمھیں آکر نکالو دیکھوں تو کینا کر نکلتے ہیں  
 گلی سے آئی اغیار کیوں ہو کر نکلتے ہیں  
 میاں مجنوں بھی لیکر ہاتھ میں تھمر نکلتے ہیں  
 جو تھے پردنیاں وہ ہانکتے موڑ نکلتے ہیں  
 انھیں کے گھر سے انسان بن کے گھر چکر نکلتے ہیں  
 مے پر سوز نالے پھونکتے چھڑ نکلتے ہیں

بھلا فیشن کا ہو پردہ نشینوں کا یہ عالم ہے      سر بازار سینہ کھول کر تنکڑ بھٹکتے ہیں  
 یہ چٹ سائے کی کوئی ہے اکس کی بادشاہی      پری بننے کو ہیں نام خدا اب پر بھٹکتے ہیں  
 رپٹا تھانے میں لکھی ہے تلاشی ہے قیوم کی      گلی میں منہ چھڑا کے آپ کے زیور بھٹکتے ہیں  
 جناب شیخ اس پیرانہ سالی پر بھی لے تھنڈر  
 بتوں کے گھورنے کو دیر سے اکثر بھٹکتے ہیں

لے شاہ چھڑا کی گلی لکھڑ میں ایک محلہ ہے ۱۱



## حرفِ صبا و معجزہ

ضاحک تخلص ہے مولانا میر غلام حسین کا جو میر حسن جھانسی جگر البیان کے والد اور میر انیس مرحوم کے پر واداشتے۔ علم عربی و فارسی کے فاضل تھے ناظم و ناشر نہایت اچھے تھے۔ درویش مزاج نیک خو توکل پیشہ شیعی المذہب بزرگ تھے۔ دنیا کے تعلقات قطع کر کے تیس بیس برس تک آنا واندہ زندگی بسر کی۔ موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا شوق بدرجہ اتم تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ گزرا قدر ان زمانہ کے رنگ اور کس پر سی نے دل توڑ دیا تھا۔ اسی وجہ سے قدیم رنگ عاشقانہ کو ترک کر دیا تھا۔ اور ہزل گوئی اپنا شور بنالیا تھا مگر اس میں بھی زبان عجیب و غریب ایجاد کی تھی میر حسن مرحوم نے لکھا ہے کہ وہ زبان ہے جو آدم سے لیکر اب تک کسی تنفس نے استعمال کیا کی۔ مولوی ساجد کی ہجویں اور مرزا رفیع سودا کی ہجویں ایسی ایسی کہیں جسے اہل زمانہ سنکر پھر پھر گئے مگر افسوس کہ ان کا کلام ضائع ہو گیا۔ اور اب کہیں ہی نہیں ملتا چالیس پچاس شعر کی غزل اور ہزل کہتے تھے اس کے شرواع میں تھوڑی سی نشر بھی لکھتے تھے۔ ہزل کا صرف ایک مطلع ملتا ہے وہی نقل کرتا ہوں۔

یا ایہا التلا نکہ کرد جبلا نکہ کل تو پچی پرلہ یہ فرو بکا سرہ

ضاحک نام و مقام معلوم نہیں اودھ پنج سالہ میں دو شعر کا ایک قطعہ اس تخلص سے ملا وہی نقل کرتا ہوں۔ یہ اپریل ۱۹۵۹ء کے اودھ پنج میں شائع ہوا تھا

اس زمانہ کی یادگار ہے جب لارڈ کرزن نے ہندوستانیوں کو چھوٹا سا کھانا اور اسی مفہوم کے لئے اکبر مرحومؒ کی آبادی نے یہ رباعی کہی تھی۔

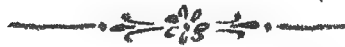
جھوٹے ہیں ہم تو آپ بھی ہمیں میراں کہ جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں چوڑوں کے بادشاہ  
قطرہ مذکورہ ضاحک یہ ہے۔

ہمارے لارڈ صاحب نے خواہ مخواہ شک  
برابر ہے ہماری پالیسی اور لارڈ صاحب کی  
اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا نقطہ اسی بحث پر مصلحت انگیز کے نام سے لکھا ہوا ہے غالباً  
وہ بھی انھیں ضاحک کا ہے۔

کل چلتے چلتے سچ کو ملا جھوٹا رہ میں  
پوچھا کہ ایشیا ہی میں کیا ہے تیرا راج  
کنے لگا کہ یاں تو ہے سچا معاملہ  
تعلی شد ہو جیسے کوئی اہست مسی  
میری طرف سے کیا ہے میری بے بسی  
یورپ میں جا کے دیکھ کوئی میری پالی

ضیغم۔ اودھ پنچ ساہن کے ایک نامعلوم الاسم نامہ نگار کا تخلص ہے جن کے  
یہ دو شعر مل سکے۔ غالباً شیر خاں نام تھا۔

اے شیر بیشہ اسد اللہیاں منم  
کو مرغ سدرہ کو زغن قفر منی  
رو باہ را حریف فنفن منی کفم  
طوبے بہ شاخ سرو برابر منی کفم



## حرف طاء حملہ

**طریف** - منشی حسین الدین نام تھا۔ ضلع مظفرنگر کے رہنے والے تھے۔ صرف ظرافت کے شعر کہتے تھے جن میں پھکاڑہی بہت دیا وہ شامل ہوتا تھا۔ ایک ہیاض سے چند شعر مل گئے۔ لیکن اسکے علاوہ نہ حال معلوم ہوا۔ نہ مقام و مسکن کا صحیح پتہ لگا

آج ہی گھر کا رقیبوں کے شاد و دل آزار	اُن کی دیوار پہ جا بیٹھوں جو آلو ہو کر
ہم تن جو ش بنا حسن سے تیسے مینی	رنگیا سا راجاں پنج سنبھالو ہو کر
نیکیاں بھی کبھی ہو جاتی ہیں سر نہ مجھے	کام تھکے کا بھی کر لیتا ہوں کہ ہو کر
پیٹ زندان حبیبیت، زمانہ میں طریف	جو غذا اس میں گئی نکلی دہی گو ہو کر
نویج کردہ رہنزل بوٹی بوٹی لنگیا	پہلے ڈپٹی لنگیا تھا اب لنگوٹی لنگیا
کرد یا تلاش القصد تھکے عشق نے	انتہا یہ ہے کہ بندہ آکے۔ روٹی لنگیا
دل کی غارش کو بھی اک خم نہ جاتے ہیں	جب داتے ہیں نمک مرچ لگا جاتے ہیں
مراتب ترا ہے سر۔ بگنڈر ہے	نہ چھڑکا غم ہے نہ کھٹل کا ڈر ہے
مرے طائر دل کو کیا کیجے گا	فقط جو بیخ ہے اس میں پر ہے در ہے

**طرزی** - ان کی ظریفانہ شاعری کا بہترین جوہر ظرافت یہ ہے کہ انھوں نے دعویٰ کیا تھا کہ زبان فارسی بھی اس قابل ہے کہ عربی زبان کا مقابلہ کر سکے۔ اس کے اساکو بھی مصادر قرار دیا جاسکتا ہے اور اس سے مختلف صیغوں کا اشتقاق بوجہ احسن ہو سکتا ہے۔ اسی خیال کی بنا پر انھوں نے اپنی زبان اور شاعری کو خیالی



اور صنعت پر مبنی کر دیا تھا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کمالات اور خیالات اور ادب کے  
نزدیک نظر آفت بن گئے اور ان کی شاعری سے ظریف شاعروں میں ایک فرد کا اضافہ  
ہو گیا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ طرزی ایک خوش طبع ظریف المزاج بذلہ بیخ شاعر تھے  
رندان بادہ نوش۔ اور مرستان امارد پرست کے لئے شہر کھتے تھے۔ اور اسی مذاق کے لوگ  
اس کو گلی گلی اور کوچے کوچے شہر میں گاتے پھرتے تھے۔ نونہ کام یہ ہے۔

درودیدہ من آ کہ ہی از تعلینا	پر کردہ ام از مهر توجیب بغلینا
جز وصل تو مطلوب لم نیست نگارا	گردنیا و غیبی دہیم فی المثلینا
با من دلخستہ لے دلدا رنگین چرا	تو غزال گلشن حسنی بلنگین چرا
با مسلمانان سکس کا فریدن ہرچہ	با گرفتاران مستضعف رنگین چرا
تا آفتاب چہرہ عیا نیدہ سرا	اے ز بہار حسن خزانیہ ہمارا
الا اے کہ نہ زلفت می کند و	دل من در کفست می مستمند و
بدنہ چشم اعداے تو طرزی	دل خود را در آتش می سپند و
تا ابروئے تو دیدہ جو نیدہ ایم ما	شناختند خلق کہ چو نیدہ ایم ما
قامت خمیدہ دل چو لفظ سیاہ داغ	از عین دشین و قاف تو نیدہ ایم ما
گہ در فراق روستے تو کا سیدہ ایم ما	گہ چوں کتاں ز حسن تو ما سیدہ ایم ما
افتادہ دل بچاہ ز رخ ساقیا لطف	جیل ملتیں زلف کہ چا سیدہ ایم ما
در جنب رحمت تو بود در حساب بیج	ہر چند بے شمار گناہید ایم ما
اگر بے تو ہرگز شرابیدہ با شتم	بکاؤن ہجرت کبا سیدہ با شتم
خورد خواب بر من حرامیدہ باشد	اگر در غمت خورد خوابیدہ با شتم
کز جملہ چاکرا ہم شہماری	ز لطف تو عزت ما سیدہ با شتم

## حرف ظا و محرمہ

ظراف شیخ نور محمد نام ہے۔ شاید محکمہ حسین گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔ معمولی سے پیچھے  
کھئے آدمی ہیں دو ایک مرتبہ حسین گنج کے مشہوروں میں دیکھا ہے، مرزا محمد ذکی سے جن کا  
اسی تذکرہ میں ذکر آچکا ہے تلمذ رکھتے ہیں۔ بعض شعر اچھے کہہ لیتے ہیں۔

صدایہ دیتے ہیں وہ تم ان الی ہے	خرید و گا کہ سودا دکان بڑانی ہے
تلاش دل جو تھی چھلنی لئے پھر اربوں	تھکائے کوچہ کی اک عمر خاک چھانی ہے
ہیں لوٹنے کے کامیوں کو غوب نے یاد	جہو عشق میں مجنوں لن ترانی ہے
محاورہ ہے یا کتنا فصیح سنئے گا	ذرا سا کیوں میان شام شک یہ ٹٹنی ہے
کفن میں چہرہ سے اپنے باندھے پھر تالیاں	شاہی جیسے کہ دنیا یہ دار فانی ہے
گھٹا گھٹا کہ سر آتا ہو غیر داہ سے شوق	بنی جو یار کے جو تہ پہ کا مدانی ہے
نہ ہے کسی سے وفاقت نہ کوئی اسپے	میں جہیز تیار ہو غلام ساک کرانی ہے
اد جہیز سے بیٹھے کوئی دکان کھلی	صدادہ دیتے ہیں شربت بھلی عطرانی ہے
دبا کے دیکھتے ہو آنکھ افر ہے صحبت کا	ضرور فینج جی جوڑو تھاری کافی ہے
تمام لے گئے سرکار لا ذکر عندہ	شکم میں آپ کے گھوٹے مے گزنی ہے
کہیں نہ آپ کو اس لگی ہیں خجفت	نہ کہنے کے کہ لنگوٹی ٹری پرانی ہے
ہے صدقہ آپ پہ آپ پہ کیوں نہیں مٹے	غضب کی آپ کے ظراف پر جانی ہے

ظریف۔ میرا نام تھا لاہور کے رہنے والے تھے۔ لیکن چالیس برس تک

وطن سے علیحدہ رہے اور دلی یا بنارس میں قیام رہا۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ نہایت عمدہ  
ظرافت گو تھے۔ مگر افسوس کہ ظریفانہ رنگ کا کلام نہ مل سکا۔ ترتیب تذکرہ گلستان سخن  
کے وقت زندہ و بحیرت تھے۔

**ظریف**۔ سید ظریف حسین نام ہے ظریف تخلص ہے۔ قصبہ تسلیع مظفرنگر کے  
رہنے والے ہیں ۱۹۱۸ء میں دلی میں تھے۔ اب کا حال معلوم نہیں۔ چند شعر ظریفانہ  
ان کے دستیاب ہوئے وہ درج مذکورہ کئے جاتے ہیں۔

تھاری چاہ مبارک سا ہے حد کے لئے	اگر یہ چاہنے والے ہیں آخ تھو کے لئے
پڑھی نازیم سے ہم نے دلی میں	کئے کو آتی ہے بدھتی پلین صوفی کے لئے
بتائیں کیا تمہیں صرف کثیر شوقی بال	ہزار چوٹیاں ٹوٹیں اک آرزو کے لئے
ازل سے تم نے نہ کی اپنے فائدہ پہ نظر	کہ جیتنے چاہتے والے لئے وہ ہو کے لئے
مروج غریب تو اس سے پوچھنا یہ بات	چکن کے چوک سے کسکے لئے شلو کے لئے
تمہارے لال کا دامن نکال گیا ہر دم	ننگا کے سوزن عیسیٰ رکھو رفو کے لئے
ظریف ہے یہ تمنا ظریف کو دیکھیں	ترپتا رہتا ہے دل پنا لکھو کے لئے

عجب اپنی بیوی یہ وردا زہی ایاں کا	بھگنا چار سو اچھا نہیں ہوا ہواں کا
نئے مارتی ہے اسپیکے پیار کرتے ہیں	قلعہ کس قدر گرا ہے بی اور انسان کا
بہت ہی سخت ہر پردہ کے بارہ میں میری بوا	ڈپٹی ہے اگر دیوار سے بچے نے بھی جھانکا
جہاں بچیہ کیا ہوا سہ دامن مجھ سے	لگا دو اچھی بیابی تم گریباں ہیں بھائی کا
بھلا بھلی ہو کیونکر نہ سب کو لکھ کر	اطاعت ان کی دیکھو غرضت ان کا

**ظریف**۔ یہ مقبول حسین نام ہے مولوی گنج لکھنؤ میں رہتے ہیں جناب صفی لکھنؤ  
 کے چھوٹے بھائی اور محمد جعفر صاحب بہار سکریٹری معین الادب کے ساڑھو ہیں۔  
 بقدر ضرورت فارسی اور ترکی سے آشنا ہیں۔ نہایت خلیق نیک مزاج ہیں اس سے  
 پہلے شیعہ یتیم خانہ کے سکریٹری تھے۔ مگر دو تین سال سے اب کوئی تعلق اُس سے  
 نہیں ہے۔ جناب ظریف کی عمر اب تھینسا ۵۵ یا ۶۰ برس کی ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ  
 آپ کی ظرافت وہ ظرافت ہے جس کا نشان حربے بڑے بختہ کاروں کے کلام میں بھی  
 نہیں ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ بہ نسبت آمد کے اُن کے کلام میں آدھ دہشت زیادہ  
 ہے۔ اور لفظ لفظ سے بناوٹ اور قصص ظاہر ہوتا ہے۔ قدیم تشبیہیں اور استعارات  
 جا بجا موجود ہیں۔ اور کہیں کہیں دائرہ ظرافت سے علحدہ ہو کر کلام ہنری سے  
 بھی مماثل ہو جاتا ہے۔ مگر با اینہم اُن کی بختہ کاری۔ مشافی۔ زبان دانی۔ اور خلیق ظرافت  
 کلام کو مجموعی حیثیت سے اس قدر بہتر بنا دیتی ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ اُن کے یہاں کے  
 ادنیٰ اور پیش پا افتادہ مضامین ایسے ہیں جن کا مقابلہ بڑے بڑے ظرافت نہیں کر سکتے  
 اور بلا شک ظرافت گوئی میں وہ ہندوستان کے تمام شعراء میں ایک بڑا اور خاص  
 امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ ظرافت کے رنگ میں ہر صنف میں اُن کا کلام موجود ہے۔ اور  
 اُن کی بعض بعض بلکہ اکثر نظمیں ایسی ہیں جن کا جواب نہیں ہو سکتا۔ نہایت خلیق  
 اعلیٰ درجہ کے سخن فہم ہیں۔ زبان اردو کے کچے بھی خواہ ہیں۔ چنانچہ زائدہ حالی پر بعض  
 بعض جریدہ نگاروں نے جو ایک جدید روش اختیار کر کے اردو کو خراب کرنے پر کمر باندھ  
 لی ہے۔ اُن کے خلاف ہمیشہ اخبارات میں نظمیں لکھ کر صدائے احتجاج بلند کرتے  
 ہیں چاہتا تھا کہ جناب موصوف کا نیا کلام بھی درج کر دوں۔ مگر ایسا  
 ہو کر اُسے حاصل کر سکتا۔ مجبوراً رنگ قدیم ہی سے کچھ اشعار

جنوں میں کیا کون چلا میں نے کراہ کر پوچھا  
 شہیم زلف کشیں تو لکھ کر نکسیر بھرتی ہو  
 دلوں رون میں مٹوئی کوئے پگتیا ہوں  
 ضعیف ناتواں میں جھکوا افریقہ تیار  
 یہ دونوں جانور ملکر اسے کچا ہی کھائیں  
 یہاں فرما دو مجھوں شیخ حلی سے جو طے ہیں  
 اسے داتا اسے بھڑانا بھڑانا کام ہو تیرا  
 حاتم کی نشانی بن گیا نفیس قدم میرا  
 تیسے بارونکی بوتے ناک میں کیا ہو میرا  
 کوئی خلوت سرے ناز میں دیکھے آدم میرا  
 مے بہرے پن کا دریدہ ہے قدم میرا  
 شہر گریہ کے ڈر سے آنہیں سکتا جو میرا  
 وہ کہتے ہیں عرب میرا وہ کہتے ہیں غم میرا  
 مگر گشکول مسائل سے شایہ ہے شکم میرا

فلک نامہ بلندی میں آبلہ دل کا  
 ستارے سے جو آں کے معاملہ دل کا  
 علم کسم ابھی داروے در و لمجا ہے  
 علم میں جھینگر سے بڑھ کر کام دل کی  
 اتنے ہنس میں کہ جڑواں انکو کنا چاہتے  
 حضرت جواسے کہ کچھ حضرت عیسیٰ نہ تھے  
 لکھنؤ دہلی انھیں شہر و پنہ کیا موقوف ہے  
 جواب شیش محل ہے دفتر لالہ دل کا  
 پڑا ہوا ہے کھائی میں فیصلہ دل کا  
 کہیں تو حال لالین سے کچھ لالہ دل کا  
 چاٹ جاتا ہو کتا میرا تھاں کوئی نہیں  
 پیر چیتوں فلک نہیں جع ان کوئی نہیں  
 بابا نکا بھی نہیں گراں کی مل کوئی نہیں  
 ہر جگہ اہل زبان ہیں بے زبان کوئی نہیں

مستفیوں کے پیٹے آتی ہے یہ صدا  
 شیطان کی جو آنت سے ہوتا مقابلہ  
 کچھ ایسی غم و رنج کی ہو کہ نہ رضائی  
 اختیار کی شرکت اٹھا بھی اگر ان ہے  
 تاحتر کہہ ٹپے میں تو یہی بند رہے گا  
 میں اک قراء ہوا عرق خانہ ساز کا  
 کھل جاتا حال آپ کی زلف و راز کا  
 ابرا اگر اٹھ آتا تو اس ترنہ اٹھے گا  
 جسے ترے احساں کا جھینر اٹھے گا  
 مردے سے اگر قبر کا پھر نہ اٹھے گا

یہ شب بچہ رہا تھا کل اس کے اک آغا  
نئی ادا ہے، مکانی ہے طرز استنجا  
ترا جوا نہیں دوسرا کی بھٹیاری  
ظریف، اوہ بت شوخ کہ قدر آزاد

چرا کھڑا ہے یہاں تو چہ کا رہا ہے  
کہ خود کھڑا ہے لبٹم ہمارا رہا ہے  
کہ وال چوٹے پہرے اور بگھارا رہا ہے  
جو گھٹا ہے لئے پشت خارہ میں ہے

خیالی چرمیں فرضی مرضی غم کا مرجانا  
دو لہجے سے سندانہ کی غیروں کا مرجانا  
سرخ روشن کی جھرمٹیں کا گدیاٹھٹھ جانا  
مری آہوں کی تڑپ کا وہ غالی خونی سر ہونا  
مندی چٹپٹیں یہ مستوق خیالی کا  
مرضی جھرمٹیں کا گر ناسود مہری سے  
بھنگا ناؤ کھٹکناڑوہ سرٹاپنے ناؤ کا  
جواناں جگے میں گل گئے مضمرن کے لیکر  
پیٹ کپڑے ہوئے عشاق کا وہ دل ہونا  
گھر بھٹکا رہنے کچھ باپ کا اسکے گھر ہے  
خوب نقد دل عشاق کو لٹا تو نے  
یا تو کپڑے بھی پہنا کر کبھی دکھلا دیں  
ما میقان وہ دریا رہ میرا پڑھنا  
صاف لفظوں میں ہے ہجوئے دانہ کا تو  
در دلیات کیوں کا نہ ہے میں حقیر  
وہ کفن بہر شہدائے وفادار سے لگے

یہ سب کیا ہی سلامت کچھ کے لئے ترجانا  
یہی تو ہی طویل کی بلابند کے سر جانا  
قیامت ہے کسی عشق کا سچ آترجانا  
وہ انکا لاٹ صاحب کی طرح نکلے کھڑا  
کہ دزدینہ نگہ سے دل لینا اور کر جانا  
وہ آخر تھنہ مشق طبیب کا بر کر جانا  
میاں غنوں کا چلانا کہ بی بی بٹھ جانا  
ظریف چوہا ہوا رو نہا کی طاق جانا  
اور وہ نالہ و فریاد جوڑواں ہونا  
خیر کے ساتھ مرے گھر میں ہماں ہونا  
شہد ہیں یہ ہر اسے کہتے ہیں سیاں ہونا  
یا تو باندھنا کر شمع کا غریباں ہونا  
ان کے چہرے کا وہ غصہ گلستان ہونا  
وہن یار کا درج در غلطان ہونا  
کیا مے مگر میں گھر کی یا مہرباں ہونا  
ناپ کر ہر اک کو دو گز کھاروا دینے لگے

مٹھو ہلکا کر تفتہ کا ان محبت کو حضور  
 چپکے عاشق ہو گئے اس بچا جو کدیر  
 جو طے عاشق اس سے بڑھ کر اور کیا تھے جو  
 پیش مضبوط آہ سے شاق کا پو لاجا  
 سکیاں لیں مگر بسور عاشق کے سنانے  
 ان کے بیار کا کھنگارہ بولنا جب لیا  
 جب جاسے نہ اچھے ہو سکے بیمار غم  
 تریہ کٹر ہوئی لاوی لاو ناچتے کرتے ہیں  
 ستم ایجا دیتے ہیں یہ کیوں شوق کو فنا  
 بگو کہ میں کوئی مستحق آندی ہی کی جھاکر  
 یہ مستحق کی شادی خوش نہ کہ ساتھ ٹھوڑا  
 یہ وارلس کوئی بلی گرام اس لگا یا جو  
 حسینو کیا تھا اسے باپ کے ہیں غلام آخر  
 دلیل کسی ایسا سے بڑھ کر اور کیا ہو گی  
 صفت تو دیکھئے چند ہمت کا وزن ہو  
 پسینہ خال رخ پر یہ بھیل قدیم ان کے  
 اذان دیتے تھے مرغوں کے آگے ٹھیک تھے ہیں  
 رقیب کے تو اس سے چھوٹا لڑنے کا ارادہ  
 مسحا دیکھ جا پیشا پیار محبت کا  
 کوئی دل تیار کو دلانے کہ ٹھہر بھی  
 جھار لڑنے لگے کوئی تو اقرار ہے منڈا

شریعت ویدار کا پورا گھر ادینے لگے  
 ہونے والے جاگتے رہنا صد دینے لگے  
 ہو گئے کندہ دہن بوسے و قادیانے لگے  
 دہن کو مٹی کی طرح سے نچھنے ہوا دینے لگے  
 وہ کھجا کر داد کو داد و قادیانے لگے  
 جلدی جلدی تال مٹھکا لگا دینے لگے  
 ہو کر کھسیانے جھونکوں کھسیا دینے لگے  
 تو اکثر شریعت دھوبی کے گندے صفیاء کرتے ہیں  
 ستم بھی کیا کوئی کل سے جسے ایجا دیتے ہیں  
 کہ چکر عاشقوں کی خاک کے برابر کرتے ہیں  
 مبارک حضرت بیخاں لانا دیتے ہیں  
 کہ ہر کچھ کلیاں لاتی ہیں جیسا کہ کرتے ہیں  
 جو کہتے ہوں ظریفان ہم تمہیں آدھرتے ہیں  
 کہ چوڑا پاؤ نہیں اس شوق کے بچکانہ آتا ہو  
 زمانہ یہ ہنسر عوامہ مردانہ آتا ہے  
 گلاب تند میں چھپکا نظر بہدانہ آتا ہے  
 بتوں کے ماتھے میں جب سچہ مدد آنے آتا ہو  
 پٹا آتا ہی بات کا تھی نہ بھٹکوا بانہ آتا ہے  
 آسے پیشا آتا ہے نہ اب پانا آتا ہے  
 اوتھالی کے نیکن آدھر بھی آدھر بھی  
 وعدہ ہو دیتی ہیں اگر بھی ہو کر بھی

ہے چوک کا بازار ترے دانتوں کا چوکا  
گمہ رخ پہ نقاب اس کے ہے کہ ہاتھ میں تلوار  
سن لیجے بغیر اس کے ہر تشبیہ بھی تارک  
خبر کا عنوان نئی تہذیب نے بدلا  
چمن نرالا ہے کہ وہ عضو ندارد  
کتنی ہے سدا صاحب مقدر کی وللا  
بلبل کہو تم عشق سے ایسے شعرا کو  
دلال زباں ہے جو ادھر بھی ہوا دھڑکی  
معتشوق وہ معتشوق جو ملو بھی ہو نرنگی  
عیسیٰ بن اگر آپ لوگ پائے خرگھی  
معتشوق کے القاب میں مانی دیر گھی  
معتشوق وہ ہے جس کے دہن بھی ہو کمر گھی  
ترکے سے ہو کوارے جلدی کہیں ہو گھی  
ایک چرخ بھی جس کے ہو ظریف پلو گھی

گو نہ دانی وقت پر مٹی نہیں ہمر کھلا  
آپ نے انٹی سنج، روشن سے جالی کی تھا  
اس قدر ہے مختصر جاوے عیشت کی نظریہ  
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ برا کٹر کھلا  
میں یہ سمجھا حسن کی دکان کا ٹکڑا کھلا  
پادشاہ پھیلاے فراغت کیلئے جب کھلا

دال دھوئی ماش کی کھائی آگٹے دست  
کی جو کر یا غیر کی پس صاف چارہ دست  
عاشقان زرد رنگے طایر دل میں یہیم  
ڈھونڈتے پھرتے ہیں عاشق پر نشان لگائیں  
حسن کے دلکش طایر میں ہے بند رختے دست  
کم حقیقت نش زن اغیار میں بیٹھے ہوتے  
بالش و ستر سے جھکو آرہی جو لے دست  
چند بویں کا چاند بیشک ہو گیا دست  
دو بیسے کے جھونچ ہیں الجھے ہو گئے دست  
آگئی چوڑی ٹرک میں سینہ بن کوئے دست  
ہر سمنہ نازیا اڑیل کوئی ٹٹے دست  
دیکھ لو دیکھ نہ ہوں تے اگر سچے دست

دوست کا آہ رقیبوں کو بھگا آتی ہے  
نجد سے ناوۃ لیلیٰ کی صدا آتی ہے  
چھراٹھ جاتے ہیں حوت ہوا آتی ہے  
بلبلاتی ہوئی غنوں کی قضا آتی ہے



دوہی کام آتے ہیں مشرق و کو دنیا میں فقط  
یجھا آتی ہے یا ان کو و نفا آتی ہے  
نفس آنا تو ہوا اس میں کمال سے  
تیسے بیار کے پینے کو دوا آتی ہے  
رنگ غصہ میں ملتے ہیں گر گریٹ طرح  
من کی اپنے دکھاتے ہیں کلمات بچے

ظ- ح۔ اور وہ پنج سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جو کا کوری کے رہنے والے  
ہیں۔ نہایت خوش ظرف ہیں بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں چندہ کا بیزار دور  
شور رہا ہے اسکو وہی لوگ جانتے ہیں جن کو بار بار اپنی بھری ہوئی چھین خالی کر دینا  
پڑی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں مصیبت زدوں میں شاعر نہ کو بھی ہیں۔ ایک غزل  
فارسی ملتی ہے جس کے ساتھ یہ عبارت بھی انھیں کے قلم سے نکلی ہے۔

”یا ایہا القوم ہوت۔ کون بے وقت غل چار ہے۔ ارے میاں تمھیں  
جاگ رہے ہو یا کوئی اور بھی ہے میں جاگتا ہوا سوتا ہوں اور لوگ خراٹے لے رہے ہیں  
سنو بھی سنو۔“

ماہل در گردن د خرد خلاب فلکندہ ایم  
بہت اچھا کیا ترقی پزیری کرتے ہیں۔ غلط اگر اس کچھ طغیانی سے سلمان بکل گئے ہوتے  
تو کام نہ پایا تھا۔ مگر کجخت گد با پھل پڑا اندھ لڑکے گئے۔ ذرا ہاتھ تھام لو۔ خیریت سے  
ڈھول لامت قوم کے لئے سلامت ہے۔ آؤ جلدی آؤ اٹھیں تو تمھیں کچھ سنائیں تنائی  
میں رونے کا لطف ہے نہ گانے کا۔ ایک تان تم اڑاؤ تو ایک نالہ ہم کریں۔ صدائے  
برنجاست شاید سمجھے کوئی چندہ مانگنے والا ہے۔ قریب سخن دے رہا ہے کچھ اور نہ  
لے مرے۔ جوں توں خود ہی آٹھٹے۔ رہوار کبھی اٹھایا۔ پھر سوار ہوئے۔ سوار کیا  
ہرے حماقت سوار ہوئی۔ وہ یہ کہ قوم پر غصہ آگیا پھر کیا تھا۔ کھلا منہ چلی زبان۔  
بجے ڈھول۔ پک پھم۔ پک پھم۔ دہم۔ دہم۔ دہم۔ خلق خدا کی۔ ملک شہنشاہ

مجازی ایچ در دهم غم کا - حال و قال رخا مروں کا - دہونہا -

کوشش اصلاح را در پنج و تاب آنگندہ ایم	مادہاں در گردن و خرد و خلاب آنگندہ ایم
کار دنیا ہرج گرد و از نماز پنج وقت	ما امید از طاعت چشم از صواب آنگندہ ایم
از زکوٰۃ و حج صلیۃ و صوم فارغ گشتہ ایم	شاہان در قصہ آفیوں دشر آنگندہ ایم
لکھنؤ زمیند بہ آبادیاست تا ابد	سایہ سیم رخ بہت بر خراب آنگندہ ایم
مد و جزیر بحر سودا را بماند حسب قوم	دل بہ دریا و سپر بہت لہ آنگندہ ایم
تا قیامت باد نفیر نقص قرآن مومنان	بازی پوشند و بار آفتاب آنگندہ ایم
پہلوان علم مغرب در علیگڑھ آمدہ	گر بر و غاب شویم از سایہ آنگندہ ایم
آفرین بر حضرت سدی چہ خوش فرمودہ است	مادہاں در گردن و خرد و خلاب آنگندہ ایم



## حرفِ عین

عالی۔ یعنی نعمت خان عالی شیرازی۔ ان کا نام اصل میں میرزا محمد تھا۔ اور نعمت خان خطاب تھا۔ مگر یہ اپنے خطاب کے ساتھ ایسے مشہور و معروف ہوئے کہ اصل نام سے خبر ہو گئے۔ ان کے والد کا نام فتح الدین تھا۔ جو اپنے زمانہ کے ایک بہت حکیم تھے۔ میرزا محمد ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں نشوونما پائی۔ مگر کسی کے زمانہ میں اپنے باپ کے ساتھ شیراز چلے گئے۔ مروجہ اور ضروری علوم سب ہی وہیں حاصل کئے۔ شاعری بھی وہیں شروع کی جس میں ملا خفیعائے یزدی کے شاگرد ہوئے۔ جب شیراز سے واپس ہوئے تو عالمگیر بادشاہ ہندوستان کے زمرہ ملازمان میں داخل ہوئے حیدرآباد کی فتح پر ان کو زمرہ مصاحبین میں جگہ دیدی گئی ساور سنگھ میں بکا دل یعنی داروغہ بادشاہ چچانہ کی خدمت پر مامور ہوئے اور نعمت خان خطاب عطا ہوا۔ عالی کا مرتبہ شاعری میں بہت بلند ہے۔ اور کسی طرح تقدیر سے کم درجہ پر نہیں ہیں۔ مگر سب سے زیادہ کمال ان کو ہجو گوئی اور نظریات نگاری میں ہے۔ ان کی ہجو گوئی کی ایک خاص وجہ ہے۔ عالمگیر ایک راسخ العقیدہ سنی المذہب بادشاہ تھا اور نعمت خان عالی شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ اور اسی کے ساتھ اپنے مذہب کے نہایت پیکے تھے۔ اس واسطے یہ ہمیشہ دہر دہر ہجو کیا کرتے تھے۔ عالمگیر کچھ سمجھ نہ تھا وہ سب کچھ جانتا تھا۔ مگر نعمت خان کی لیاقت کا سکھانا اس کے دل پر بیٹھا ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ ہمال جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بادشاہ کی تعریف میں یہ قطعہ کہہ کر گزرانا۔

اے عمر صورت عثمان سیرت کہ ابو بکر نگہباز تو باد  
 روز محشر کہ بخود رمانی پسر بسفیناں یار تو باد  
 بادشاہ اس قطعہ کو سنکر سچھ گئے۔ مگر یہ کہا (اگرچہ اس کمنہ قمر ساقی بدانت  
 خود چھو کر دہا است۔ لیکن سعادت ماست بنویسند در بیاض خاص)  
 ایک مرتبہ بادشاہ نے ایک خنسی بکرے کو جسکی داڑھی بہت بڑھی ہوئی تھی  
 اور عمر بھی زیادہ تھی دیکھکر کہا کہ اس کا کوئی نام رکھنا چاہیے۔ نعمت خان عالی نے  
 کہا کہ حضور ابو بکر نام رکھ دیجئے۔ اگرچہ بادشاہ کو یہ بات نہایت ناگوار گزری مگر ہنسکر  
 طامی دیا۔

غرض کہ اسی طرح بادشاہ۔ اور امرا سے دولت پر برابر وطن و نشین کی بھرا کرتے  
 رہتے تھے۔ اور سب لوگ ان کی باتوں کو مسخرگی سے زیادہ وقت دیتے تھے۔ مگر حقیقت  
 یہ ہے کہ انکی ہجویں بقول مولانا غلام علی آزاد مرحوم کے تیغ تیز سے کم نہیں ہیں۔ ان کی  
 ظرافت نہایت عمیق ہوتی ہے۔ جس میں قانونی پہلوؤں کو بچاتے ہوئے مشہور ضرب الاشارہ  
 اور آیات سے صریح گلکاری کرتے ہیں کہ قابل دید ہوتی ہے۔  
 ان کی تصانیف میں سے دیوان فارسی۔ وقائع۔ جنگنامہ حسن و عشق اور مضمون  
 بہت مشہور ہیں کچھ ظریفانہ رعات بھی ہیں جو کہیں نہیں ملتے۔

عالی پہلے اپنے پیشہ کی مناسبت سے حکیم تخلص کرتے تھے مگر کسی شخص نے ایک دن  
 کہا کہ حکیم۔ اور حکیم ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے اسی لئے انھوں نے اس تخلص کو  
 چھوڑ کر عالی تخلص اختیار کیا۔

ایک مرتبہ نعمت خان عالی نے اپنا ایک جیفہ موصع گرور کھنے کیلئے نواب  
 زیب النساء بیگم دختر عالمگیر بادشاہ کے پاس بھیجا مدتوں تک نہ وہ جیفہ واپس آیا  
 اور نہ روپیہ آیا۔ تو نعمت خان عالی نے یہ رباعی لکھ کر بھیجی۔ بیگم نے پڑھی اور۔

پانچ ہزار روپہہ مہ جینہ کے واپس کر دیئے۔ ریائی یہ ہے۔

اسے بند گیت سعادت اختر من در خدات تو عیاں شد جو ہر من  
گر جینہ خریدنی است پس کو زر من در نیست خریدنی بزین بر سر من  
عالی کی جھوٹوں کا پایہ اسقدر بلند ہے کہ اُن کا جواب اُن کے معاصرین یا  
یاستقر میں کے یہاں نہیں ملتا۔ اسیں شک نہیں کہ ایران میں سیکڑوں ہجو گو اور  
ہزل گزرے مگر نعمت خان عالی نے جو طرز خاص ایجاد کیا اسکا کسی دوسرے  
شاعر کے یہاں نشان بھی نہیں ہے۔ لطف یہ ہے کہ اگر اُن جھوٹوں کو متانت کے  
محافظ سے دیکھتے تو بھی اُن کا پایہ اتنا ہی بلند ہے اور اگر سحرگی اور ہزل کی نوعیت  
سے ان پر ہنگامہ ڈالے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا سحرہ بھانڈ بھی ان کا  
مقابل نہیں ہے۔ وہ ظرافت یا ہجو میں صرف ہزل اور سحرگی اور الفاظ سے کام  
نہیں لیتے بلکہ ہمیشہ اس میں انتہائی مسنی آفرینی کا خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ انھوں  
نے ایک قطعہ جو کامگار خاں پسر جعفر خاں وزیر کی کتختاری کے موقع پر کہا ہے  
دیوان میں موجود ہے جس نے بڑے ہجو یہ قصیدوں کو شرمایا بلکہ انہیں بانی پھیر دیا  
ہے۔ ہجو ظرافت ہزل کو نظر انداز کرتے ہوئے جب اسکی بلاغت پر نظر ڈالتے ہیں  
تو علوم کا ایک ذخار دریا موجزن نظر آتا ہے۔ ایک ایک لفظ کو فصاحت و  
بلاغت کا خزانہ کہا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بار و گیکد خدا شد خان عالی منزلت	با کمال عز و تمکین باوقار و زینت
مہر و شمس یافتہ گر کشادی رود	میند بر تختہ از ترس حریفان کھنتین
راو را پے دین برشت از ساقی عروس	ماند آنہم بچیاں برگردنش مانند یون
نقہ د کسوت بسرا نقاد و نگرفتنہ جہاز	قد بر صحن جانبالبلکہ بختی آنین
ان سدا ز جبر آور دایں سدا ز احتیاء	ایں سخن ہم در میاں ماند استخوانین

زان طرف غفلت نہ بات زیر طوت خاستن  
 گفت بہر من جہاز اور وہ کا یہ کچل  
 گفت خان البصر متاع الفرج را ساکن است  
 گفتن شد جزیم چشم نیست و مد جزیر  
 گفت دخی میکنم بشنو دو قسم آمد حلول  
 گفت تو شکل عربی نہ ہند سہ گز اندہ  
 گفت من در انتظار ساعتم معذور دار  
 از طبیع ہم دول خواہم نہ لایہ گفت  
 ساخت زرعونی ز خویشانی جو زبیر سیل  
 گفت اینہا نمی آید بکار ادمی شنو  
 حلالہ ام را بد رسہ کردی تو اسخانہ خراب  
 د خلمادر و شگافی کار ملازادہ است  
 یہ پورا قطعہ نہیں ہے۔ بعض اشعار اس سے نظر انداز کر دئے گئے ہیں۔ اسکی  
 شرح بھی ایک مرتبہ میری نظر سے گزری تھی۔

شمع در خواب دید شیطاں را  
 رہزن دین و دزدایاں را  
 از صفا بکہ دل چو آئینہ ساخت  
 آں اہیں را ہیں کہ دید شناخت  
 بلامت عتاب پیش گرفت  
 بر سرش زد بجے و ریش گرفت  
 کہ چہا میکنی تو اسے مردود  
 شدہ از در کہ خدا مطرود  
 ہم دیگر چو شمع بر د بکار  
 شد ازاں ضربت خود بیدار  
 چوں ترش ز خواب شیرجہست  
 دید ریش خودش بہت خود است  
 قلمہ گو لگندہ کے محاصرہ کے وقت عالمگیر کو جب قہقہے پڑیں اور طرح طرح

کے نقصان اٹھائے یہاں تک کہ لشکر بے سرو سامان ہو گیا۔ تو نعمت خان عالی کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آگیا اور اس نے طرح طرح کے قصیدے لکھے جن میں سے بعض اشعار منتخب کر کے لکھے جاتے ہیں۔

الہ است الصدور حمال خدائے	مگر او کند رحم بر فوج مشاہ
رحیم است و غفار آمر دگار	ندائم چہ شد حصہ ایں سپاہ
رجل مرد و مرادہ رنج و جفت	جدا گشتہ از یکہ گر سال ماہ
ملک باو شاہ جند لشکر بود	براں فحک و خندہ بر پرتاہ قاہ

چیت عقار و پیر کبریت احمر شرفی	کیمیاؤ کر شدن یک ہفتہ پیش بوجہ
فقر و فاقہ علیہ و عسرت صوری تظار	انجہ باشد لوکراں بادشہ را در دکن
ممتنع سودم دیں ہر دو بطر زلف و نشر	دانہ کاہ دواب دلفقہ فرزند وزن
الثقیل و الغلیظ آہے کہ درین شکر است	الاجل حکم طیبیاں المرص احوال تن
لم یقع چہ فتح قلعہ لم یکن یورش	سہو سیمہ لہوزینہ لغو توپ انداختن
صدق آں حرفے کہ ہر گز گشت باشد قتی	کذب گفتارے کہ سازد مایہ دار و بوجہ
تلفیضی آنکس کہ میگردد خلا باشد محال	در خزانہ گردود ہرگز نگوید ایں سخن
ما دلاوان دین چوں لم حروف نافی اند	میکنند اینہا عمل در دفتر بخشی تن
من وعن باوالی احیٰ دنی جرمیکند	لیک انوقتے کہ کار افتد بدیوان دکن
کان صار صبح داسی افعال ناقص اند	ہمچو تدبیرات و تخیلات در ملک دکن

دریں ملک خراب امروہ کس انیت سامانے	جو گنج افتادہ اند اہل ہنر در کج ویرانے
بسرحد رسیدہ خلق را افراط ناداری	کہ معنی ہم نادر و ایں زمان حرف نمزدانے

سپاہی ہم سیدان تناعت میکہ جولاں  
طیب از علم طب و دیا و میدار ہمیں معنی  
منعم رائفہ غیر از فلاکت ارتکاک حاصل  
دیں عطار رشتاق است قوت لایموتی را  
نہاشد آفتہ رسوایہ ہم جراح مسکین  
چو طفل نے سوار از بہر روزی سید و دکا  
محاسب سال را بنوشت ماہ روزہ و دفتر  
و حیرت گفت قاری من کلو میخواندہ ام یارب  
دیں لشکر با نعم یار و م با خویش ہی بخند  
ز گریالی یکے پرسید از روزت چه ماند آیا  
صدائے امی از خانہ بر خاست پرسیم  
رجائے غلغلہ شادی شنیدم گفت ہمسایہ  
اسی طرح قصائد اور نظموں میں جا بجا شاہ عالمگیر کی تہذیبوں اور اُس کے لشکر و غیر  
پر پھیتیاں کہی گئی ہیں شریں بھی اُن کی ظرافت قابلِ دوا ہے قیمت خان عالی نے ۱۱۲۱ھ  
میں حیدر آباد میں انتقال کیا۔

عارف محمد عارف نام تھا۔ دہلی کے رہنے والے کشمیری الاصل میر و میرزا کے  
ساحر شاہ مبارک آبر و کے شاگرد تھے۔ رنگ زمانہ کے موافق کبھی کبھی ظرافت میں  
بھی شغور کرتے تھے ایک شعر مل سکا۔

درخت رزت کہو کہ آن سے  
دیوہ عارف انیم کھاتا ہے



عاجز۔ کمترین کے شاگرد تھے اور میر تقی میر کے معاصر۔ اسی زمانہ میں ایک شخص حافظ عبدالحلیم نام سے تھے جنکی شاعری پر اسحاق اطعمہ کی طرح صحت کھانوں کی تعریف میں ہوتی تھی اور اسیں ظرافت کا نمک مرچ لگا دیا کرتے تھے کبھی ظرافت کو پول کو ہلا کر مشاعرہ بھی کرتے تھے۔ ان کے یہاں عاجز بھی شریک ہوتے تھے۔ چونکہ عاجز خود ایک ادب باش مزاج رند لاابالی تھے۔ اس لیے حافظ حلیم سے خوب ہنسی تھی میر تقی میر نے نکات الشعراء میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی کوئی مصرع اچھا بھی کہہ لیتا ہے۔ ایک شعر نمونہ ظرافت مل سکا۔

دل بغل مارے لئے جاتے ہیں سب کتے کچل شیخ سعدی تم بھی اب ہیکل گلستاں دوڑیو

عبید زاکانی۔ قزوین کے نواح زاکان کا رہنے والا آٹھویں صدی ہجری کا نہایت مشہور معروف خوش مذاق نقاد۔ ظریف۔ شاعر۔ ادیب بلکہ مورخ۔ نظام الدین عبید اللہ نام تھا۔ عبید زاکانی کے نام مشہور تھے۔ شاہ ابوالفتح انجو کے زمانہ میں شیراز میں تعلیم پائی۔ اور ضروریات زمانہ کے موافق تمام درسیات سے فراغت حاصل کی۔ ازاں بعد زاکان میں آئے اور عہد قضا پر مامور ہوئے۔ چونکہ اس زمانہ میں ترکوں کا بڑا عروج تھا۔ اور تمام ایران انھیں کی حکومت سے متاثر تھا دل کی خواہش کے مطابق کسی فرد بشر کو آزادی نصیب نہ تھی۔ اسی حالت میں عبید زاکانی کے دل میں درد پیدا کیا۔ اور ایک کتاب موسوم بہ اخلاق الاشراف لکھی۔ جو ایک نعت کے طریق پر تھی۔ اور اس کے الفاظ لغات سے اس پر آشوب عہد کے تمام حالات ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ چنانچہ نمونہ کے طریق پر چند لغات درج کئے جاتے ہیں۔

العالم۔ بیدولت + الجاہل۔ دولت یار + الجوار۔ درویش + انھیں اللہ ان مراد۔ طالب علم + المحتجب۔ دوزخی + الشاعر۔ طامع خود پسند + الخطار

جوسب کو بیمار دیکھنا چاہیے + المحروم - وہ ہر شے یا رجو مستول کی مجلس میں بیٹھے +  
 القلبتان - سسر + البکارت - ساسم + المسمی + الخلق - و متکیر مفلساں + المشرق -  
 چور + الکلب الاکبر - وہ مولوی جو کسی امیر کبیر کا ملازم ہو + العس - خورات کو ڈاکہ مارنے  
 اور لوں کو لوگوں سے پہرہ داری کی اجرت مانگے + القاضی + جوسب پر لعنت بھیجے + الوکیل -  
 حق کو باطل کر دینے والا + الرشوت - بیچارہ لوگوں کی کار ساز + الخطیب - تقریر کرنے والا  
 گدھا + الواعظ - اوروں کو نصیحت آپ کو نصیحت کی مصداق + المذیم - خوشامدی +  
 الطیب - جلاد + المنجم - کذاب + الملك الموت - ساقی عیش وار + المادم اللذات -  
 ماہ رمضان + الذوالقرنین - دو چوروں کا شوہر + بدبخت - بدبھی عورت کا جوان  
 شوہر + الدیوث - جوان عورت کا بڑھا شوہر + الذات الحجب - ہمسایہ + الرش -  
 غریبوں کی دستاویز + الشیخ - امیس + صوفی - دوسروں کی کمائی کھانے والا کامل +  
 الحاجی - کعبہ کی جھوٹی قسم کھانے والا + الیساکی و شیخی + شریفوں کی تجارت کا سرمایہ +  
 البیج و پوچ - شریفوں کا وجود + البیغز - شرف کے آداب و تہذیب - الغرور و  
 الحماقت - شریفوں کی گفتگو + الدکان دار + خدا سے نہ ڈرنے والا آدمی + الدلال  
 بازار کا مستند چور + الشراب - بے چینی اور اضطراب کا چشمہ + بھنگ - صوفیوں کو  
 حال میں لانے والی دوا + الزمردہ دل - شراب اور بھنگ دونوں کا استعمال کرنے والا  
 الزوجان - بڑھوں کی ڈاڑھی پر ہنسے والا + اللایعنی - صاحب خانہ کی زندگی + البصیب  
 آوارہ لڑکی کا باپ + المحرلین - صاحب خانہ کا بھائی + الخوشی بعد النعم - طلاق ثلاثہ +  
 الخاتم - بہت سے عاشقوں کی معشوقہ + البیگم - معدوم چند عاشقوں کی چہیتی +  
 الپاکباز - ایک عاشق پر اکتفا کرنے والی عورت -

عرض کہ یہ تمام لغت اسی قسم کے لغات پر مشتمل ہے - مذاق کے پیرایہ اور نظرات  
 کے پردہ ہیں - قوم کی بگڑی ہوئی حالت - مظلومی اور بطلانیوں بد قماشوں کی

تصویر کھینچ دی اور اس کو تاسیخ کی صورت میں لے آئے ہیں۔ اور بہت سے مورخوں نے اس کو پسند کیا ہے۔ یہ طرز غالباً عبید زاکانی ہی کی ایجاد ہے۔ جس کا اتباع ملا و پیازہ۔ اور جعفر زٹلی نے بھی کیا۔ نعمت خان علی اسکو نظم کے ساپنے میں ہلا راقم الحروف نے بھی ایک کتاب لغات الطرفا نامی اسی انداز میں لکھی ہے۔ مگر اس سے ذرا بچی ہوئی ہے۔ کیونکہ اب سے پہلے عبید زاکانی کی اس کتاب کو میں نے نہ دیکھا تھا۔ اسوجہ سے لغات الطرفا میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ انشاء اللہ اسندہ اضافہ کر دیں گا۔

عبید زاکانی نے اس قسم کی کئی کتابیں لکھیں۔ جو اب اکثر نہیں ملتی ہیں۔ انکے طرغیوں کے ذمہ میں شامل ہونے کے وجوہات مورخوں نے جو کچھ بیان کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ عبید نے ایک رسالہ علم معانی و بیان میں لکھا تھا اور خواہش تھی کہ بادشاہ وقت کی نظر سے گزرے۔ مگر عیش پرست بادشاہوں کے یہاں سولے مسخرول کے علم و دانش کی باتوں کا کیا کام ہے۔ اسی لئے وزراء اور امراء نے عبید کی سخی اور کوشش کو بادشاہ تک نہ پہنچنے دیا۔ یا پونجی تو بیکار رہی اور کوئی نیکر نہیں نکلا۔ عبید نے زمانہ کی ہوا کا رخ دیکھ لیا اور نہایت افسوس کے ساتھ یہ قطعہ کہا۔

اے خواجہ کن تا بتوالی طلب علم      کاند طلب رتب بہر روزہ بانی  
رو سخن کی پیشہ کن و مطربی آموز      تا داو خود از مہتر و کمتر پستانی  
اس کے بعد طرافت اور ہزل کی طرہ جھک پڑے اور ایسے جھکے کہ اسی میں عمر گزار دی۔ اب ان کا کلام شائع ہو گیا ہے چند شعر غرضاً درج کرتا ہوں۔  
در علم دہن چو من مشو صاحب فن      تا نزد عزیزاں نشوی خوار چمن  
خواہی کہ شوی قبول ارباب زمن      کنک اور و کنکری کن کنک و زن  
شاہ ابواسحق انجہ کے معزز وزیر امین الہی میں نے ایک عورت جہاں خاتون نامی

سے شادی کی تو عبیدزاکانی نے یہ قطعہ کہا۔

وزیر اہمال قحیہ بیوفاست      طراز چنیں قحیہ ننگ نیست  
فسراخی و گر را بخراہ      خدایہ جہاں راجہاں ننگ نیست

لطیفہ۔ ایک مرتبہ خواجہ سلمان کو عبیدزاکانی کی شہرت اور خوش طبعی پر رشک ہوا تو ایک قطعہ نظم کیا۔

جہنمی و ہجاگو عبیدزاکانی      مقرر است بر بیہ لیتی و بیہ بینی  
اگرچہ نیست ز قزوین رستخوار است      ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

شدہ شدہ پیچہ عبید کو بھی پہنچ گئی زمانہ مساعد نہ تھا۔ مجبوراً خاموش رہا۔ ایک مرتبہ اتفاق ہوا کہ عبید کہیں جا رہا تھا ایک دریا پر پہنچا۔ جہاں خیمے پڑے ہوئے تھے۔ ذکر چاکر ادھر ادھر اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ کینزانی ماہرو اپنی اپنی خدمات میں سرگرم و ادوش تھیں۔ غریب عبید نے یہ ترک و احتشام دیکھ کر دریافت کیا کہ کون یہاں اڑا ہوا ہے معلوم ہوا کہ خواجہ سلمان ہیں۔ یہ تو سنی ہی پکے تھے کہ خواجہ صاحب کے خیالات میری طرف سے اچھے نہیں ہیں۔ مگر بھر بھی ہمت کی اور خواجہ صاحب کی برہم سرد میں پہنچ گئے خواجہ نے پوچھا کہ کیوں بھی کون ہو کہاں سے آئے ہو انہوں نے کہا کہ قزوین سے آتا ہوں۔ کہا کہ خواجہ سلمان کا نام تم نے سن لے۔ جواب دیا کہ جی ہاں۔ کہا کہ کچھ اسکا کلام یاد ہے۔ کہنے لگے ہاں۔ کہا کہ سنناؤ۔ عبید نے یہ دو شعر پڑھے۔

من خرابا تیم و بادہ پرست      در خرابا باغیاں با شوق مست

می کشندم چو سب و دوش بدوش      می برندم چو قدح و دست پدست

یہ شعر پڑ کر کہا کہ میں نے سن لے خواجہ سلمان ایک فائدہ مل مقہر ہے۔ بھلا اُس نے

شعر کہیں کہے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ یہ شعر اسکی بیوی نے کہے ہیں۔ خواجہ سلمان نے یہ سنتے ہی پہچان لیا۔ کہ ہونہ ہو یہ عبید زاکانی ہے۔ پہلے تو یہ تھی پوچھا کہ کیا تم عبید ہو پھر قسم دلائی۔ جب بہت مصر ہوا تو عبید نے اقرار کیا۔ اور نہایت غصہ ہو کر کہا کہ بغیر دیکھے کسی کی چوکرنا علما کا شیوہ نہیں ہے۔ واللہ صرف آپ ہی کے لئے اور آپ کے کینفر کردار کی سزا دینے کے لئے میں بغداد جا رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ یہاں مل گئے۔ خواجہ سلمان نے بہت معذرت کی۔ اور بات گئی گزری ہو گئی۔ اس کے بعد دونوں ہمیشہ دوست بن کر رہے۔

مردم عیش خوشدل من متلا قرض	ہر عیش شغل من در بلا قرض
قرض خدا و قرض خلاق بہر دغم	آیا لے قرض کتم یا لے قرض
و کو چہ قرض دارم و اندر محله قرض	و نہ قرض دارم و اندر محلے قرض
عوضم چہ آری سے گدایاں بیادرت	از بسکہ خواستم ز در ہر گدے قرض
گر خواجہ تربیت نہ کند مر عبید را	مکس چگونہ باز رہد از چھ قرض

انہوں نے زیادہ۔ اشعار زیادہ تر فحاشیات تک پہنچتے ہیں لہذا قلم انداز کرتا ہوں۔

فحقی۔ نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرٹ طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا شفق کی چو میں یہ رباعی کہی تھی۔

اے شفقیک چوں تو پر داختم	با اشتہر خود تر قمریں ساختہ ایم
او گو ز ہمیز نہ تو میگونی شعر	اورا بتو در بد یہ انداختہ ایم

عش۔ گیا کے رہنے والے فحیر الدین نام مفتی امیر اللہ تسلیم مرحوم کے نہایت

ساکر دول میں ہیں۔ عربی فارسی کی لیاقت بقدر ضرورت  
 سالوں وغیرہ میں چھپتی رہتی ہیں۔ عرش صاحب کی عمر اب  
 پچاس سال کی ہوئی۔ گو چھکویہ نہ معلوم تھا کہ آپ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے  
 ہیں۔ آپ کی منزل مطبوعہ اسی رنگ میں اودھ پنج سالن سے دستیاب ہوئی جن کے  
 ساتھ ساتھ عبارت بھی ہے۔ بجنسہ نقل کرتا ہوں وہ ہوا۔

اور وہ چھپا۔ روایت صحیح ہے کہ ایک روز پچھران جیہ بعد فراغت نماز عری  
 بیٹھا خود سے اصلاح قوم تھا کہ کچھ کی جانب سے ایک بسکھوٹا پیرا ناچختہ ڈیالا  
 تو الہامی سنہری سہانی چڑیاں اپنے لباس زمانے میں ستارے سے اک بہ نظر ہر  
 مرد و عورت کے جوئی نقشہ زن سکڑو و عیار دھکی آدھ کا اک عبرت سی ہوگی تسبیح شریف  
 پھینک کر قریب تھا کہ پا جامہ سے باہر ہو جاتا۔ کہ یا شیخ المدد و کسر پڑی زور سے  
 مٹھی میں دل کو جکڑ کر لیا وحشت دور ہو گئی اب اس تو الہامی وزن چھپیلے  
 یوں الہامی اور ستارے ٹٹٹاتے ٹٹٹاتے توڑ ہی ڈالا۔ غزلچہ

شرافت تو ہے گتے بد کا ریوی	بھلا کھائے شوہر کی کیوں با ریوی
نہیں اب جاں ہیں فاداریوی	کمان سے کوئی لائے غنوار ریوی
کرے خاک تاکید پرے کی شوہر	تھلنے کو ہر دم ہے تیار ریوی
اگر اس زمانے میں عیاش بھی ہو	نہیں پیش خالق گنہگار ریوی
ذکر و نکر دعوت کی مانگے شوہر	بہت آجکل سر پہ ہے بار ریوی
اگر کھانے کپڑے کی تکلیف کچھ دو	لگائے وہیں جو تیاں چار ریوی
نیا گل کھلا ہے یہ بارغ جہاں میں	کہ شوہر جو گل ہے تو ہے خار ریوی
اگر دیکھے بل ابرو و پیریاں کے	تو دوڑے وہیں لیکے تلوار ریوی
مہذب گھروں کی یہ تعلیم سینے	نہ پا بند شوہر ہو زہن ساز ریوی

کہا ایک شہسپا سے بیگم نے ہنس کر  
 یقیں کے ہے لائق فقط اسکی عصمت  
 طرفدار غیر و نکی تعریف جب ہے  
 مبارک مبارک بلا ٹالی مرے  
 اگر میلے ٹھیلے میں جانے دو پیدل  
 کمانے کی حاجت نہیں چیل  
 خجالت کا دریا سوال بیچ میں ہے  
 کرے گا اگر تیل پانی کی خاطر  
 نہیں نوکری ملتی جیسے دو دل  
 ادھر تھک کے کاموں کو کیوں تپیں  
 خشم کی اطاعت نہیں فرض ہرگز  
 میں عاشق ہوں سوچا وقت سیری  
 نہ ایسا دانت کاٹو نہ اپنا دل پس  
 تری پٹیر پر سیکڑوں بوبت جتنے  
 شریفوں کے گھر کی ہیں عیار بیوی  
 گلے کی ہو شوہر کے جو ہار بیوی  
 نہ دے ساتھ شوہر کا زنا بیوی  
 جواری جوے میں گئے ہار بیوی  
 تو سو ہار نکو کرے پیار بیوی  
 بلا سے جہاں میں ہو بیکار بیوی  
 ہیں اس پار شوہر تو اس پار بیوی  
 رسکی ترے گھر نہ زنا پار بیوی  
 نہ ہو کیوں کمانے کو تیار بیوی  
 ادھر جام پی کر ہر سرشار بیوی  
 خبر دار بیوی خبر دار بیوی  
 ملی ہے مجھے اک طرح دار بیوی  
 ہے دکھا بہت ہی تن زار بیوی  
 ترے معنوں لاکھوں ہی ٹھٹھا بیوی

عرشی - یعقوب خاں نام تھا۔ قصبہ بند کی ضلع فتحپور میں ۱۸۷۲ء میں پیدا  
 ہوئے۔ آبائی وطن دہلی میں تھا۔ ان کے والد محمد زان خاں اور ان کے دادا  
 دارالسلطنت دہلی میں شاہ عالم بادشاہ کے دربار کے گولہ انداز تھے۔ جب  
 بادشاہ موصوف کی آنکھیں نکال کی گئیں۔ تو ان کے والد ترک سکونت کر کے اس  
 قصبہ میں آئے۔ عرشی مرحوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت بند کی میں ہوئی۔ مگر جب ان کے  
 سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ تو یہ ضلع بانڈا چلے گئے۔ اور وہیں علوم دینی کی تکمیل کی۔

بعد تعلیم پھر بند کی واپس آئے۔ اور شاعری کا شوق ہوا۔ منشی جمیل الدین صاحب  
 وکیل فقیہ کے شاگرد ہوئے۔ چونکہ نہایت نازک خیال اور خوش گوشتھے۔ تمام  
 معزز لوگ ان کی تعظیم کرتے اور ان کو مانتے تھے۔ عاشقانہ شاعری بھی کرتے تھے  
 مگر زیادہ تر لغت گوئی کا شوق تھا۔ مولانا فضل الرحمن شاہ گنج مراد آباد کے  
 مریدوں میں تھے۔ اور نہایت عسرت و تنگ حالی سے بسر کرتے تھے تقن طبع کے  
 طور پر کبھی ظرافت کے شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ بھوگوئی میں بھی کمال حاصل تھا  
 کلام میں استادانہ بندشیں۔ نازک خیالیاں۔ خوبی اسلوب بیان بدرجہ اتم  
 ملحوظ رکھتے تھے۔ آخر وقت تک شعر گوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ اور ۱۹۱۷ء میں انتقال  
 بند کی انتقال کیا ہونہ کلام ظرافت و ہجویہ ہے۔

میں بند قبا کو کمر بند سمجھا      عجب بے تکا ہوں خدا جانتا ہوں  
 دورنگی زمانہ سے ہم تو تباہ ہیں      مچھیں سفید ہو گئیں چٹا بن گیا ہیں  
 ایک مرتبہ کلکٹر صاحب فقیہ کو ایک طریقہ عرضداشت اپنی غربت و بیکسی  
 کے اظہار کے واسطے لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اس ضلع کے حضور حاکم ہیں	عرض کیونکر کروں نہ اپنا حال
چھہ چینے گزر گئے کھاتے	خشک ردی و بن بھاری مال
نہیں ہوتی نصیب ترکاری	دھڑکی کی مولیاں تلک ہیں مال
تیند کیا خاک سے راتوں کو	چار پائی کا ہے شکستہ حال
شور اب میری تشنہ کامی کا	پانی پت سے گیا ہے تیننی تال
پان کی یاد جبکہ آتی ہے	مار کر اینٹ کرتا ہوں ہنہ لال
جوتیاں تک نہیں مقدر میں	دو دنوں تلودوں کی اڑ گئی کھال
پیسے جڑتے نہیں حجامت کو	بال بھی سر کے ہو گئے ہریال



چہرے کا خط بنا ہے اک دفتر  
سید بختی سے پھٹ گیا وہ بھی  
دود آہ جگہ نکلتا ہے  
گھر جو بند کی میں ہے سکونت کا  
ٹوٹی پھوٹی گھڑی ہیں دیواریں  
دن کو چھنتی ہے دہریا تو اوس  
آندھیاں زور شور سے آئیں  
مانگتا ہوں گھڑی گھڑی کی خیر  
عرشی مرحوم کو اتفاقاً کسی دکنیٹر سے کچھ صدمہ پہنچا۔ پھر ان کو کتاب کنار  
تھی وہ دہریوں لکھیں کہ توبہ ہی توبہ۔

دکنیٹر ہے قوم کا حجام  
مارے جوتوں کے ہو گیا گنج  
باندھتا ہے عمامہ کا بل  
آکے بند کی میں بنگیا ہے شریف  
اے میاں جاتے ہو جو تم گھر کو  
ثانی تیری ہے آنکھ کی کافی  
اکہ دالوں کی رہ کے صحبت میں  
اپنی رٹدی کو کہتا ہے مادر

اگر دعویٰ ہے کسی نیٹری کا  
پڑے ہیں جوتے سر پر چڑ گئے بال  
ہمارے آگے آئے ..... کا  
یہی ہے مرد گنجی کھو پڑی کا

مزارِ درد سے کا کیا جائے کمینہ وہ کھانے والا ہے روٹی سڑی کا  
عرشی کی چڑیا اور بھی موجود ہیں مگر وہ نقش سے قریب اور ظرافت سے دور  
ہیں اس لئے اور کیا انتخاب کریں مجبور ہیں۔

عرب۔ میرزا عرب مشہدی نام ہزل و تمسخر میں جواب نہ رکھتے تھے۔  
شعرا سے ایران کے دورِ متوسط کے شاعر ہیں۔  
میدواں پرستی جان من۔ من اسپ و آفرینتم پیشت ندارم غزنے فہیدہ و خنیم

عربی۔ سید قلندر کاشی کا تخلص ہے۔ شاہ طہا سپہ صغوی کے زمانہ  
کے ایک زبردست ہزل ادا ظراف تھے۔ اتفاق سے یہی بھی شاعرہ تھی ایک تہ  
عزیز نے یہ شعر کہا۔  
زخمِ راقحہ می گفتند و من باور نمیکردم بحمد اللہ مردم تا بچشم خویش تن دیدم  
عورت نے فوراً جواب دیا  
زنت راقحہ می گفتند و ویدی برد بایا شتر دیدی ندیدی

عس۔ بدر الدین نام تھا۔ ٹیپا محل دلی میں رہتے تھے۔ نہایت  
بیوقوف اور مسخرے آدمی تھے اسپر اپ کی ہمت کدائی اور بھی ترہت ناظرین  
تھی فلینظروالی اکیلا کیف خلقت کی بنی بنائی تصویر تھے۔ بد قسمتی سے شعر  
و شاعری کا بھی ذوق و شوق تھا۔ اس میں بھی ایک نئی بات نکالی تھی  
حب غزل کہتے تھے تو اس کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے تھے۔ نرہ۔ مادہ۔ استادہ  
تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے روپوش فنا ہو چکے تھے۔ ایک شعر ملتا ہے

مگر شے تونہ از خردارے سمجھ کر اسی پر تھام و کمال کلام کو قیاس کر لیجئے۔  
کیوں بے ادب لگتے چلا تھا کیا یہ چھڑا لگو کس لئے آیا تھا تیرے گھر وہ مگر رات کو

**عشاق** :- ایک قدیم ہندو شاعر کا تخلص ہے زیادہ حال معلوم  
نہیں صرف ایک شعر مل سکا۔

سر سبز خط سے اور ہوا حسن باریکا آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا ہارکا

**عشرت** کسی ریختی گو کا تخلص ہے جن کے دو ایک شعر تو ملے مگر تذکروں  
میں نہ نام ملا اور نہ حالات کا پتہ چلا۔

خدا نے دی ہے کیا طاقت بوارانی جوانی نہیں  
تجھے اپنی پڑی ہے میں مری جاتی ہوں تل پہنچا  
تجھے سر کی قسم ہوتی ہے کل سے نہیں انہیں  
موتے سنتا نہیں کیا تیل ڈال آیا جو کانہیں  
حس بھی ہیں کٹے بھی ہیں مگر کچھ جوش بڑے ہیں  
یہاں تک عیسے، عشرت یہ قابل کے چھانہیں

**عصمت** :- تخلص ہے امجد علی خاں کا جو ریختی نہایت عمدہ کہتے تھے اور  
حسین علی خاں لکھنوی شاگرد محمد علی خاں مسیحا کے فرزند تھے چند شعر ملے جو  
درج کرتا ہوں۔

جو کم سنی میں دیکھ چکی منہ ہزار کے  
بی تم نے کیوں کھوار پئے میں چاہے پانی  
بیٹھے گی کب بھر دے پو وہ ایک بار کے  
موتی سے دانت بن گئے دالے اتار کے  
نرگس کی چھو کر کی دھڑیڈ ہوائی ہے  
کندن کو سا لاوید یا گنا اتار کے

نتیجہ ہے بوا اچھا نہیں ورنہ کی صحبت کا  
کھلے گا تو حینے بعد گل میں شمع شربت کا

یہ جیتی نام تک ہرگز نکھڑ کا کبھی ماما  
نکھڑے شیخ نے پھر آج افیوں لیکھا کی ہے  
مگر کچھ پاس ہے جھکٹے بڑھن کی عزت کا  
میں ڈرتی ہوں لا پھر سامنا ہوگا تیا کا  
کسی نے آج تک اپنی نہیں دیکھا ہجو عصمت کا  
تری خاطر میں گھسے دن لٹے آتی ہوں نہ

عطا۔ عطا، اللہ نام تھا عطا تخلص تھا۔ عالمگیر کے زمانے میں خوش و خرم  
دلی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ دلی ہی زاد بوم تھی اور دلی ہی میں بیوند خاک ہوئے۔ اپنے  
زمانہ کے بانکوں میں تھے۔ اور تمام وضع قطع وہی تھی۔ ٹیڑھی ٹوپی لچکا ہوا نیچی نیچی  
ڈھیلی ڈھیلی آستینیں۔ کرتے کا دامن بہت نیچا اور سپر بل لگی ہوئی۔ ڈار ہی چڑھواں  
موجھیں بل دی ہوئی کندھے پر ایک رومال۔ انگلیوں میں کئی کئی انگوٹھیاں اور چھپے  
ہاتھ میں ایک منوٹا۔ میر جعفر زائل سے ہمیشہ نوک جھونک رہتی تھی۔ نہایت بیباک اور  
شورہ پشت تھے۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے ناراض ہو کر قید کر دیا اور مدتوں تک  
زندان مصیبت میں اسیر بلا رہے۔ اتفاقاً ایک روز بادشاہ نے ایک مصرع کہا۔

ع بستم خاک و خشت بالین است

اسپر دسر مصرع حسب دلخواہ نہ لگتا تھا۔ بہت سے لوگوں نے مصرع لگائے  
مگر ناکام رہے۔ شدہ شدہ یہ خبر عطا کو بھی پہنچ گئی۔ کہا کہ اگر بادشاہ مجھے آزاد  
کریں اور اس بلا سے رہائی دیں تو ایسا ہی مصرع کہہ دوں گا۔ بادشاہ نے میر جعفر  
منظور کر لی عطا نے مصرع کہا ع کے از مرکز شت من این است۔ بادشاہ نے  
بھی وعدہ وفا کیا۔ ان کا کلام بالکل جعفر زائل کے رنگ میں ہے۔ میر تقی میر اور  
میر حسن نے ان کو ادب اس وضع لکھا ہے 'لمؤد کلام یہ ہے۔

اے ہنر حسن تو کشتہ بہ چار چشم      زیر ثردہ نغمتہ چو آہو بہ چار چشم  
بر فلک شب نمی طلبد انجم      دل رستم دسہم می دہر کہ

دست و پا میزند عدد در رن ہنچو پڈڑی کہ در قفس پھر کہ

عقاب جناب قریب ایونی کے ایک شاگرد ہیں۔ عمدہ شکرستے ہیں ظرافت بھی نہایت شستہ ہوتی ہے۔

کہتا تھا میں کہ پرے کی ٹٹی ہوئی نرہا بے خیرتی نے بڑھو کے دیا جھکویہ جواب  
شرم و حیا کے ساتھ وہ دن بے جناب اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع، حجاب  
پر وہ نہ جان دینے کو تیار ہو گیا

وہ عورتیں کہ جنگی حیا کا نہ تھا جواب کوشاں ہیں اب کہ پرے کی ٹٹی کر خراب  
اتنا خیال ان کو نہیں لے انقلاب اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع بے حجاب  
پر وہ نہ جان دینے کو تیار ہو گیا

اس پری سے میں نے جتنی چھپا کہ لے نہیں خیر سے بے پردہ ہونا یہ بھی کوئی راز ہے  
پہلے بولی لے میاں بات کا ہوس کہنا تم بھی سمجھو کہ وہ اک آلمہ پر داز ہے

اب دیر کیا ہے آئے مونیجین منڈائیے دارہی کی گھاس پھوس کو کاٹ گائیے  
ڈبے کی پھیلی کھائے وہسکی اڑائیے القہر بطرح بھی ہو فیشن بنائیے

جواب اس مئی میں ہے اس جون میں نہ ہو

اک پانچہ بھی آگے کو پتلون میں نہ ہو

چھوڑی ہے اپنی وضع توہر بات چھوڑیے مود سنجو نکی طرح ناک سے بھی منہ کو پڑیے  
جوڑے ہیں پہلے ہاتھ تو اٹھائے چھوڑیے ہونٹوں کی بل سے کھائے دانٹو کو توڑیے

پلیکس فضول چیز ہیں انکو بھی مونڈ لیے

ناحق بھوس عزیز ہیں انکو بھی مونڈیے  
 جدت کا جس میں دخل نہ ہو چھوڑیے کام  
 گھوڑے کے منہ میں پیچہ بوم میں ہے لگا  
 ہاتھوں سے قطع راہ ہو چھوڑیے ہو سلام  
 اس منہ سے اب بولے ہے یہ طریق عام  
 جو چیز اس سے قبل تھی راج دہ چھوڑیے  
 عینک سے کام لیجئے آنکھوں کو پھوڑیے

عمر - دکن کے رہنے والے تھے معتبر خاں نام تھا۔ منصب داران شاہی میں کسی عہد  
 پر سر فراز تھے۔ شعر و شاعری کا ذوق تھا اور زیادہ تر ظرافت و رنگ کے شعر کہتے تھے۔ دلی  
 کے زمانہ میں تھے اور انھیں کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ آج تذکروں میں صرت دو شعر  
 ان کے نام سے ملتے ہیں جن میں ظرافت کا ہلکا ہلکا رنگ ہے۔

بس کرو زلف کو لپیٹ رکھو کیا اسیروں کو مار ڈالو گے  
 ایک رسوا بیت ہے شہرت کو جمع کر کیا اچار ڈالو گے

علی - قلیجاں - ادب و شش اصفہان کا سربراہ دروہ شخص تھا۔ اسی مذاق  
 کے شاعر تھا۔ ایک شہریہ ہے۔

تعلیم بچہ پر دیتا گدہ ہوس بود  
 برخیزد سر بیاض علی قلیجاں نہ

عماد لہر - ایران کا ایک زبردست ہزل تھا۔ کلام جو بولتا ہے وہ تہذیب سے  
 معرا ہے لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

## حرف غین معجمہ

غازی الدین یعنی ذاب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر وزیر  
عالمگیر ثانی۔ ان کا ایک شعر اس رنگ میں ملتا ہے۔ گمان ہوتا ہے کہ شاید  
مستقلاً ظرافت کے اشعار کہے ہوں بہر حال شریہ ہے۔  
سے پاؤں تک سفیدی آگئی تپتہ حال شمع سی مہنے نہیں کیجی کوئی پورھی چھپناں

**غلیں**۔ مولوی عبدالقادر مرحوم متوطن رام پور کا تخلص ہے نہایت جید  
نہایت عالم و فاضل تھے۔ مراد آباد میں عمدہ جلیلہ صدر الصدوری پر ممتاز تھے  
تذکرہ صابر میں لکھا ہے کہ بادیہ پیرانہ سری کے ظرافت پسند تھے مگر فسوس کہ ان کا  
کچھ کلام ظریفانہ درج نہیں کیا صرف دو تین شعر جن میں شوخی بیان پائی جاتی ہے  
درج کئے ہیں۔

خدمتیں ساری فراموش نکایت ایکٹاد      بٹہ میں اک خطا کے ہمہ نیکی برآ  
بندگی صاحبہن خانہ نیکی آباد      گر نہادت ہمہ این است نہ نیکی تہاد  
در شہرت ہمہ این است نہ نیکی تہاد  
جوئے رہی نہ تو شیشہ جھوکا کے ساتی      کہایہ رندوں سے لیجئے سلام شیشہ کا  
بندہ کی طلب ہوئے تو سرکار میں آئے      خلیت میں نہ حکم تو دربار میں آوے

**غیاث الملک** - افسوس ہے کہ نہ آپ کا نام معلوم ہو سکا۔ اور نہ حالات کا پتہ چلا صرف (علامہ غیاث الملک کے معنی نیز خیالات) کے عنوان عظیم الشان سے ایک غزل مل سکی۔ جو مرزا غالب کی غزل پر لکھی گئی ہے بفضلہ معنی سے بالکل معرا معلوم ہوتی ہے۔ مگر اُن لوگوں کے لئے سامان عبرت ہے جو عظیم الشان پروردگار اور سنگین الفاظ کھکھر شعر کے مقصود اصلی تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو غالباً اس صدی میں علامہ غیاث الملک سے ایسے شاعر ایک ہی دو پیدا ہو کر پیداوار بند ہو گئی ہوگی اور ع تراکشدہ دولت از قلم کشیدہ خدا۔ والا معالیہ پیش آیا ہوگا۔ بہر صورت غزل یہ ہے۔

شب چراغ عقل تصدیق خم فانیوں تھا	کسوت شہر کا رخ غیث فانیوں تھا
نار آور شہر میں غرض نا قوس تھا	لاج لال مع لوق زاہد ہاوس تھا
ژند و زنیغ یغ اسودہ ناموں تھا	زورق روا ہلاک تختہ کاہوں تھا
منع لذاع ایراد غلام غمت رلود	قسوت قسط اس قسط اس قافوں تھا
قلقل صغرے تر ح کرو بیاں	محبط محرو طالع ب غمہ قابوں تھا
مزل نخاس کوس چار نفاس جوع	قلع زمکا رستہ قصر کیگا وس تھا
شحنہ جوع البقر حیم مفاک قعر صفر	صفہ رشتہ نفوس نیر ناوس تھا
نخل کع غنشین نریکین اللہوں	یسر مس لیں قطرب جاہوں تھا
صفر تا قمر قاع غلام ماق ایف	محسب فیض مال نفخ بطیموں تھا
حرفہ محروق قسط اس قی جاو برد	شیون تر شیخ ظل گوزم کجوس تھا
سویت ناسوت سودہ فلسطین ستقیم	سوسا رود سنیک طائر عجوس تھا
سند باد تیر پنجاب سنو ات رتود	سم سلجوق حمار طر جاہ لیسوس تھا
لختہ لکن نگیا قرمز پنجاب روت	قصہ خسرتیں بخار غنبت طاوس تھا



لفظِ شہرِ حرمِ شہادتِ خناسِ شیل  
نیرے بازو کا ڈونگ لڑا روں تھا  
قاہمِ ارجاع تھا اظہارِ شفا نعتاس  
طارمِ فقدانِ سچِ صنوبرِ شمسِ لہر تھا  
ظہرِ اترِ نسرِ طائرِ قدغنِ بنتِ انب  
فیلِ سونے شیعِ شیشہِ مشکِ بوس تھا  
صفتِ شرحِ طابِ امانِ خیمہِ الحذر  
حتا یقینِ عشقِ نوحِ حسرتِ یوں تھا

عنتِ غول۔ ایک پختہ مشقِ شاعر ہیں جو لفظِ طبع کے طور پر کبھی کبھی نظریہِ رنگ  
میں بھی شعر کہہ لیتے ہیں۔ بیسکر دوست ہیں۔ مگر وقارِ ذاتی کی وجہ سے اجازت نہیں  
دیتے کہ ظریفوں کے ساتھ ان کا نام بھی اس تذکرہ میں آئے۔ چند شعر بہت سے تقاضی  
کے بعد محنت فرماتے ہیں ادبی درج کرتا ہوں۔

ہوا ہے گھر ہمارا جب سے زیادہ  
وہ کہتے ہیں ہمیں بندر کی اولاد  
یہ جویشِ ملکنتِ اللہ اکبر  
کہہ جیسے آپ کا دادا تھا شاداد  
لباسِ نو ہے بی شیریں کی بریں  
نیا تیشہ خریدیں بھائی فریاد

وصل کی دھن میں جنوں کی یوٹی عربیلا  
آج کل مجنوں کے توڑ لنگوٹا بھی نہیں  
بھنگ تھڑی یونی بھانگے تھے ہم  
کوئی کوٹھی جی نہیں کونئی ٹٹا بھی نہیں  
کون سی بات پہلی کے وہ شوہر بڑے  
بھائی مجنوں سے تو میں عمر جھٹا بھی نہیں  
نازنین مجھے بچے پھرتے ہیں نالغی غزل  
کچھ بھیل بھی نہیں میں کئی ٹٹا بھی نہیں

دنیا کے نظارہِ حسرت کی بدلجائے  
نیف سے اگر ان کمر بند نکل جائے

# حرفِ قاف

فتحی۔ تام فتح اُٹھتا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور بھجی کی طرف  
طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ لاشعری کی بھجی میں یہ رباعی بھی تھی۔  
اے شفقِ چوں تو پروا اختیار اُم      با اشتر خود ترا قرین ساختہ اُم  
او گوز ہمیزند تو میکونی شعر      اورا بتو دریدہ انداختہ اُم

فدا۔ مولوی عبدالحمید نام ہے۔ گلا دھٹی ضلع بلند شہر کے رہنے والے ہیں  
مگر یہ سلسلہ لازمتِ عرصہ سے بین پوری میں قیام ہے۔ مرزا داغ مرحوم کے ایک  
خوش فکر خوش مذاق شاگردوں میں ہیں۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں۔ کبھی کبھی ہزاجی شعر  
کہہ لیتے ہیں دو شعر جو ان کے صاحبزادے سے بہت عرصہ ہوا سنے گئے وہ آج تک  
دامِ غنیمت محفوظ ہیں۔ فدا صاحب کی عمر اس وقت تقریباً ساٹھ بیسینہ تھیں برس کی  
بہوگی۔ سن ہے کہ اب بوجہ ضعف بھارت مشاعروں میں بھی شریک نہیں ہوتے  
کوئی میٹو بنے گا لاکھ شہر ہو نہیں سکتا      مقابل لوٹ کے ہرگز سلیس ہو نہیں سکتا  
نہ دریا چھانہ و اچھانہ و لکھانے کی لڑائی      نئے پتھر کو کیا ٹکڑا میسر ہو نہیں سکتا

فدا۔ سید محمد علی نام تھا۔ مگر لوگ ان کو ان کے سون فدا شاہ کے ساتھ یاد  
کرتے تھے۔ لوہاری متعلقات سہا پور کے باشندے۔ سپاہی پیشہ خوش اخلاط

نیک مزاج پسندیدہ فوج تھے۔ مگر اول اول میں ان کے کلام میں شوخی زیادہ ہوتی تھی اور لوگ اس کی تعریف کرتے تھے۔ آخر کار غزل گوئی ترک کر کے آخر عمر میں ہزل گوئی پر مائل ہو گئے۔ مگر کلام عشق ہے۔ ایک ہی شعر مل سکا۔  
 بنے کھا یا ہے تیر مژگاں کا اس کے نزدیک بھانسنے بھالا

فداے سخن - اودہ پنج سابق کے ایک نامہ نگار تھے۔ جن کا اب باوجود تلاش کوئی حال نہیں ملتا۔ انداز بیان سے ابوالکمال مولانا امید کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

لوندے کہتے ہیں یہ دہڑے سے	شوق ہے ہم کو گیند پلے سے
سچ تو ہے بندہ ضلالت کو	کیا عرض کعبہ یا مصلے سے
ہاں لاما ہیں وہی یدایوں کے	کل ملے تھے جو اک پلے سے
دیکھنے آج میر صاحب کو	لوگ آئے ہیں ہر محلے سے
غیر کو بد ہیماں پنجانی جائیں	ہم گئے گزے ایک چھلے سے
رندیاں چوک کی الجھتی ہیں	ایک عاشق مزاج چھلے سے
شاعری ہند کی ہے وابستہ	آج کل جاہلوں کے پلے سے

فرو - تخلص مولوی وحید الدین خاں نام تھا۔ خدا بخش خاں عرف دیبنگ ضلع مظفر پور کے رہنے والے تھے۔ اشعار عاشقانہ لیکن اکثر ظرافت آمیز کہتے تھے۔

بند انگیا کے نہ بند ہوا کبھی	عمر بھر بندہ تو نا محرم رہا۔
سطح سینہ پر ترے لہریں خیز کیا	ابھر ابھر نظر آتا ہے کچھ اٹھاٹھا

وہاں چھاتی ہے گہرائی یہ کیونکر کیاں کھڑا  
درخت بارو میں اندھا ہر بلخیاں کھڑا

قصہ ۱۰ - نبو حجام دہلوی شاگرد شاہ نصیر کا تخلص تھا۔ صاحب تذکرہ گلستان سخن اس کی بابت لکھتے ہیں کہ ”ہنایت ظریف خوش طبع کشادہ رو۔ نیک خو تھا۔ شاید شعر گوئی سے غرض یہ تھی کہ موثر اشی کے ساتھ موشگافی کو جمع کرے۔ جو کہ اُس کے اشعار تذکرہ میں لکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں۔“  
بادہ کے ہیں پینے سے کیا کام ساقی سے خون جگر ابلہ ہے جام ہمارا  
افسوس ہے کہ اس شعر کے علاوہ اس کی طرافت کا کوئی شعر مجھے بھی نہ مل سکا۔

فغان - اشرف علی خاں نام تھا فغان تخلص احمد شاہ بادشاہ کے برادر رضاعی تھے۔ تمام تذکرہ نویس ان کی بذلہ سخی اور طرافت گوئی کے مقرر ہیں۔ میر صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی دو پھبتیاں بہت مشہور ہیں ناگرمل دیوان تن گوگھی کی مٹھی کا سانڈ اور حکیم معصوم کو کاؤ گجراتی کہتے تھے۔  
مولوی محمد حسین آزاد تذکرہ آب حیات میں ان کی نسبت یہ لطیفہ لکھتے ہیں۔  
خدا معلوم سچ ہے یا اپنی عادت کی موافق صرف دل لگی کے لئے بات کا بتنگڑ بنا دیا  
ہے ہر حال لطیفہ یہ ہے کہ

راجہ شتاب راے کے دربار میں انھوں نے ایک غزل پڑھی جب کا قافیہ تھا  
لالیاں۔ تالیاں۔ وغیرہ۔ سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی۔ راجہ صاحب کی صحبت میں جگنو میاں ایک سخرے تھے ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے مگر تالیاں رہ گئیں۔ انھوں نے طال دیا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو جگنو میاں

کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مہاراج اس خافیہ کو بتنڈل سمجھ کر چوڑا یا تھا۔ اور  
 حضور فرمیں تو اب بھی ہو سکتا ہے۔ مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ تو کہنا چاہئے۔ انہوں  
 نے اس وقت پڑھا۔

جگنو میاں کی دم چمکتی تھی نہات کو سب دیکھ دیکھ اسکو بجاتے تھے تالیوں  
 تمام دربار چمکا اٹھا اور جگنو میاں مدہم ہو کر رہ گئے۔  
 اسی طرح ہر تذکرہ سے یہی پتہ چلتا ہے مگر افسوس کہ اُن کا ظرافت کا کلام  
 تھوڑا سا بھی ہم نہ پہنچ سکا۔

فنا تخلص تھا شیخ باقر نام تھا کالپی کے رہنے والے تھے۔ حافظ ضیف مولوی  
 عبدالکبیر خاں آشنا اور مولوی محمد مظہر و صل وغیرہ بہت سے شاعروں سے  
 اصلاح لی تھی کلکتہ میں پیشہ تجارت سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ ریختی گوئی کا  
 شوق تھا۔ بارہ سو اکاسی ہجری میں زندہ تھے۔ ایک شعر مل سکا۔  
 کل روپے سونا کو منگو کر دیے کسال سے اشرفی خانم کو منگی جا کے کنڈن لال سے



## حرف قاف

قاآنی - جیب نام تھا۔ اور مدت تک یہی تخلص تھا ایران کے شاعر تھے۔ نہایت مشہور و معروف تھے بلکہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور غالباً نہایت صحیح ہے کہ دور آخر میں قاآنی سے بہتر ایران میں کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا۔ ان کی زبان نہایت صاف تھی۔ کلام میں جوش و خروش نہ تھا مگر خیالات زیادہ تر سطحی تھے۔ جب ان کی شعر و شاعری کا چرچا ہوا تو حسن علی مرزا گورنر خراسان نے ان کا تخلص قاآنی قرار دیا۔ اور انھیں کے ساتھ مرزا عباس مسکین کا تخلص بھی بدلوا یا اور فروغی تخلص رکھا۔ قاآنی اگرچہ مستقلاً ظرافت نہ کہتے تھے مگر تھن طبع کے طور پر مختلف رنگوں میں شعر کہ لیا کرتے ۱۲۲۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۸۷ء میں انتقال کیا ایک نظم کے چند شعر و بیتاب ہوئے جو ہکلوں کی زبان میں کہے ہیں۔ بقیہ اشعار ان کی گستاخاں سے منتخب کرتا ہوں۔

می شنیدم کہ بدین نوع ہر معنی اندن  
دلے ز چہرہ ششام صمصم روشن  
صصبر و تنہا بزم رفت او متن  
گلگم سوز بزم کے گلگم از زن  
کہ ہفتہ مغرمت میاں دہن

پیر کے لالہ ہر گاہ طفل الکن  
کئے ز لعل صمصم ششام تا یک  
شتر با کیم داز ششام تو للبت  
طفل گفتا من را متعاید کن  
می خواہی مشتہ بہ بہ کلت بزم

میر گنقاؤں و اندر عم معلوم ہستائیں  
 گنگر آدم من بچارہ نامور الکن  
 وہ ہندا دودھ ہشتاد و سہ لکھ  
 کہ گنگا لیل لالہ خلیفہ قی زمین  
 م م م ہم گنگا م م م مثل ت تو  
 تو تو تو ہم گنگا م م م مثل م م م

تایم۔ میر صاحب اور میر حسن نے اپنے اپنے تذکروں میں ان کا نام محمد قائم لکھا ہے مگر تذکرہ گلشن بے خارا اور تذکرہ نساخ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قیام الدین نام تھا۔ بہر حال چاندپور مدینہ ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ اول میں میر درد کے شاگرد رہے بعد ازاں سودا کے زمرہ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ نہایت قادر الکلام اور خوشگو تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت تامہ حاصل تھی۔ مثنویاں کہنے میں بڑی مہارت تھی۔ تغن طبع یا رنگ زمانہ کی ضرورت سے ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے۔ بلکہ اس میں بعض اوقات اتنے بڑھ جاتے تھے کہ فحاشی تک نوبت پہنچتی تھی۔ ایک بڑا کلیات ہے جو اصناف سخن طرح طرح کی ظرافتوں ہجووں غزلوں قصیدوں رباعیوں وغیرہ سے مالا مال ہے اور عنقریب ایک طبع سے شائع ہو کر نکلے گا۔ بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کا لکھا ہوا ایک تذکرہ بھی ہے۔ مگر وہ مفقود ہے۔ قائم کی عمر کا زیادہ حصہ دہلی میں بسر ہوا اسی وجہ سے تمام اہل تذکرہ اور استادان زبانان باوجود چاندپوری ہونے کے ان کو مسلم البتوت استاد جانتے اور ان کی استادی کو مانتے ہیں۔ چنانچہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ چوں از ابتدا سے جوانی در شاہ زمان آباد بسر بردہ بنابر آن محاورہ اور دست گشت "سنہ ۱۰۲۰ھ میں انتقال کیا۔ ان کا کلیات ترتیب تذکرہ کے وقت چھکونہ مل سکا اس لئے کہیں کہیں سے اس رنگ کے اشعار انتخاب کر کے لکھتا ہوں۔ ورنہ ان کی کلیات میں بہت کچھ موجود ہے خصوصاً گوزی نامہ عجیب چیز ہے۔

کیا بستم ہیں دنیا کے پیسا ہل نعیم  
بیقدر کہیں ہجو جو دیگر زروسم  
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجے سجدہ  
محراب جو خم نہ ہو برائے تعظیم

گندی رنگت جو دنیا میں  
میری جھاتی پہ مونگ لٹا ہوا  
کبھی دکھا کے کمر اور کبھی دباں جھکو  
پنٹ ہٹنگ کیا تو نے اسے بیان جھکو  
تھام یہ جی میں ہے کہ تقیہ شیخ جی  
اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

قرم رنجی کے انداز میں پانچ سات شعر ملتے ہیں لیکن نام وغیرہ کا کوئی ہتہ  
نہیں مجبوراً صرف شعری نقل کرتا ہوں۔ مگر شعروں میں صرف رنجی ہی کا انداز  
نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا اپنے تخلص کو بنا ہتے اور اسم بامسمیٰ ہونے  
ہونے کی برابر کو ششش کرتا ہے۔ انداز کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضرہ  
سے کچھ پہلے کے کہنے والے کوئی صاحب ہیں۔

چار آنے جو مجھے دو تو میاں تکو ابھی  
جا کے اٹھے میں حسینوں کے دکھالانا ہوا  
کس نگہ پوری کلہو نے بڑی عادی تھی اسے  
شہر کے چکوں میں قرم کا پتہ ملتا نہیں  
کیا خوش چھا گئی ہے اپنا نہ پر بوا  
ڈھونڈھتی پھرتی ہوں کی ڈروالٹا نہیں  
بیٹھ کر ٹوسے بہاؤ یا کو جھکو بڑا  
مجھ کو تو بیگم کوئی آب نشا ملتا نہیں  
مرد واپانی بھرے سامنے اسکے بیگم  
بیسوں ناخون جلا کر جو کھلائے کوئی  
ڈولی کے پیسے دینے ٹینگے میاں ضرور  
کیا گھوڑے ہو تم مجھے دینے نکال کے  
مردوں کے سامنے نہیں آتے ہیں یوں لڑا  
اچھے ٹھکانے آپ کو دکھلا کے کیا کر لیا  
اور با کر و ذرا تو دوپٹہ بے بھال کے  
اچھے ٹھکانے آپ کو دکھلا کے کیا کر لیا  
مفلس ہو تم میاں تو میں لجا کے کیا کر لیا  
دو چار آنے ہوں تو چڑھادوں کی طرح  
فرق اکائی کا ہے تو سمجھا کے کیا کر لیا



دور و زنجی تو میں نہیں رہتی ہوں یہ  
 بیگم تمہیں بتاؤ کہ میں تمہارے کیا کروں  
 پیرا سے مری جو سے گھر نہ آسے وہ  
 طوطے چشم ہیں مڑے پچھتا کے کیا کروں

تقصّص مجھے افسوس ہے کہ اس عظیم المثال بدیع الزیال شاعر کا نام نہ معلوم  
 ہو سکا۔ ایک پرانی کتاب میں ایک قصیدہ اس عنوان سے لکھا ہوا نظر آیا تھا۔ "قصیدہ  
 کہ در مدح معدوم الدولہ بہ صنعتی کہ بجز تخلص لفظی ہم معنی ندارد گفتہ شد و بجا کرہ  
 اش از بارگاہ فلک اشتیاء بخلعت و انعام سر فراز گردید" مجھے اب افسوس آتا ہے  
 کہ پورا قصیدہ جس میں بلا مبالغہ و وسوڈھائی سو شعر تھے کیوں نہ نقل کر لیا۔ ممکن ہے  
 کہ بعض طلبہ اس کو پسند نہ کریں مگر میرے نزدیک یہ ایک کمال ہے۔ اور اس  
 صنعت و التزام سے عمدہ برائی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔

تقل قطلان و قلام قاطر قاد	تقیل قام قلاعد قروم قایل قیم
تیرم قورق قراعم قورق قروض	مقصوم قریقم قریشم قایم
مقور قورچہ قندیر چ قائل قین	قردق قارمق قاطلان قورق قیم
لقوق مقمقہ قاطلان قوق قفاق	مقیر مقاسہ مقساق ما قلقیم
تمام قنقنہ قندشین قوق قنیز	چقوش قفقت قلاقوش قنقشیم

قمر۔ یا جان۔ یا ہات۔ حالات و نام معلوم نہیں ہو سکے۔ یہ نزل تین ٹاپوں  
 سے ملتی ہے۔ معلوم نہیں کہ اصل مصنف کون ہیں مگر قمر یا جان صاحب۔  
 ۳ ہات صاحب۔ بہر حال میں اول الذکر کے نام سے لکھتا ہوں۔ بہت ممکن  
 ہے کہ یہی صحیح ہو۔

ہے رام جبکا کام تھا کافر کا مانا وہ آج مارتے ہیں تبتا الم کسم

لنڈن سے ٹھکے ہند میں جب آنے مانگتا  
ہم مانگتا سگا ولایت کا سیکرٹ  
ہم دیسی حکمہ دیکھ لیا گسہ کر لیا  
کھانے کا کپڑا ڈالنا سیچے نہیں پسند  
مٹ بولو ایسا باٹ کہ ہم کالا لوگ ہے  
گنگا جلی کھراب ہے جم جم پھول ہے  
مٹلب کھدا کا نام نہیں چریچ میں ہیں  
مشرقلہ جو آتا تو کھس ہوتا ہم بہت  
ہم دیسی لوگ کی طرح کھٹا نہیں پھول  
کرتا بہت سا گسہ ہوں ہوتا ہوں کھڑکریں  
جاہل پہننے مانگتا پا جامہ لوگ کو  
سر پر نہیں لپٹتا لمبا سا کپڑا ہسم  
پیشا ہے دودھ یہ ماؤں کا یہ بیکو کوئی  
ایک جگہ یہ مقطع ہے  
ویل ہاٹ صاحب لڈیا کھرب یہ گل

ہم جو رولوگ گاڑی میں بٹھلانے مانگتا  
اور بہرہ لوگ دیسی چرٹ لانے مانگتا  
یو نول کہہ کے بہرہ کو ہم کھانے مانگتا  
کانا پھری سے میز پر ہم کھانے مانگتا  
صاحب کا نام ہکو بہت بھانے مانگتا  
مٹلب میں شام مین کو پلو انے مانگتا  
ہم گھوڑا گاڑی کرنے ٹکٹ جانے مانگتا  
جب باپ ملنے آئے تو سرمانے مانگتا  
صندوق اب پکھانے کا بنوانے مانگتا  
جب بیسی بھائی ملے ہیں آنے مانگتا  
ہم برجن اور سوٹ کو سلوانے مانگتا  
ہم ہیٹ ایک گھاس کا بنوانے مانگتا  
ہم دودھ گھر کا بچہ کو پلو انے مانگتا  
سب لیڈی لوگ باجے یہ کھانے مانگتا



## حرف کاف

کافر محمد ظاہر نام تھا اصفہان کے رہنے والے تھے۔ نہایت علم دوست اور نیک طبیعت تھے مگر ظرافت اور ہزل کا طبیعت پر اس قدر غلبہ تھا۔ کہ بعض کفر کے کلمے بھی ان کی زبان سے اسی ظرافت میں نکل جایا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے لوگ ان کو حاجی کافر کے نام سے یاد کرتے تھے۔ نمونہ ظرافت نو شتم نامہ سویت ہنالی کہ غیر از سار بالمش کس نہ داند میان من و تو رمزی است پنهان کسے داند کہ اشتہر میچر اند

کافر ٹیکہ۔ میر علی نقی نام تھا۔ قوم سے سید اور نہایت صحیح النسب تھے۔ سپاہی پیشہ تھے زمرہ ملازمین میں دربار محمد شاہی میں عمر بسر کرتے تھے۔ جب شعر کہتے تو ہزل اور ظرافت کی چاشنی ضرور دیتے۔ اور جب سنا تے تو کہتے کہ جناب شیخ نہیں ہے ٹیکہ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کا تخلص ٹیکہ مشہور ہو گیا تھا۔ میر صاحب کے دلی دوست تھے۔ عجیب خوش مذاق تھے پہلے جب فارسی شعر کہتے تھے تو تسکین تخلص فرماتے تھے۔ پھر اسکو چھوڑ کر حزیں کہنے لگے اس کے بعد جاوید خاں خواجہ سرکی سرکار کے نمک خوار ہوئے تو کافر تخلص اختیار کیا۔ ایک روز میر ضاحک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے میر ضاحک کہنے لگے کہ تم فارسی اور ہندی تو کہہ چکے اب مزاق یہ ہے کہ عربی کہا کرو اور کافر چھوڑ کر ملعون تخلص رکھو۔ یہ سنکر

بہت ہنسنے ایک رباعی بطور نمونہ کلام درج کرتا ہوں۔  
 کیا پھر تیری ہے میکہ میں مشکلی مشکلی زائد عابد سے دور پھٹکی پھٹکی  
 قاضی کا نہ ڈرنہ محترم کافر یہ دختر رز بھی جس سے اٹھی اٹھی

کافرک نام جلال الدین تھا نا مرالدین غزنوی کے بیٹے تھے۔ ایک زہرست  
 طرین اور ہزل دوست تھے۔ اشعار میں بھی دی رنگ ہوتا تھا۔ ایک شخص جو نہایت  
 کنوس تھا اس کی ہجو میں یہ شعر کہے تھے۔

پدرش گربانش دست برد پدرش گربانش در نگر  
 بہر برد زود دستہائے پدر بکند چست چشمہاے پسر

کالے صاحب تلر ضلع شاہجاں پور کے رہنے والے تھے نظیر اکبر آبادی  
 کو کلام دکھایا تھا۔ کم اوقات غریب آدمی تھے مگر ظرافت کے پتلے تھے۔ ظریفاً  
 غزلیں نظمیں بہت سی کہی تھیں مگر چونکہ زمانہ نے قدر نہ کی وہ سب ضائع ہو گئیں  
 کچھ شعر جو ایک دوست کے حافظہ میں محفوظ تھے مجھ تک بھی پہنچ گئے۔

میں کہا پاس تو آئیے تو بے ماہ ہیں تو کوں حال دل اپنے کامیں لے لے جھپ  
 لیکے دل تو نے نہ دیکھا میرا حال خرمیں ہنسکے کہنے لگی دل تو نے دیا کس کے تھیں  
 میں کہا کھا تو قسم کہنے لگی چل جھوٹے  
 میں کہا چل مے گھر کہنے لگی کتنی دور میں کہا چار قدم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا رو بہا بہت بولی کوئی شاہد میں کہا چشم ہم کہنے لگی چل جھوٹے

جی میں مرے بیٹھے بیٹھے آیا  
 زنا رہن کے قشقہ کھینچا  
 کاشی سے ابھی نئے ہیں آئے  
 القصہ میں اس گلی میں جا کر  
 پنڈت ہوں شکن بچا رہوں  
 یا پاس کھڑا نہ ہونے دیتا  
 تب ہاتھ میں ہاتھ لیکے بندہ  
 روٹھا ہے جو یار وہ تمہارا  
 وہ آئے اگر تمہارے گھر پر  
 پرکھامری بات کو وہ چالاک  
 کہنے لگا پھر وہ مجھے ہنسنے  
 کھسکا دے پاؤں پھر تو بندہ  
 پہچانتا کرو مجھ کو قاتل  
 یہ بیچ کی باتیں من سے کالے  
 ظرافت کے ساتھ ساتھ فحش گوئی کا بھی چسکا تھا مگر وہ ایسی نہیں ہیں کہ ان کو  
 پڑھا جائے اور اس سے تنغض کی بجائے تفریح ہو لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

کٹر عرف محمود۔ اور وہ بیچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ ایک غزل  
 نمونہ کلام کے لئے لکھی جاتی ہے اور نہ نام معلوم ہے نہ کسی تفصیلی حال سے  
 اطلاع ہے۔  
 ساقیا جھکو قسم ہے کالے استاد کی      ایک کجی سے خبر ہے اس نیشاد کی

کالی بوتل سے ملائے جلد کا چشم لڑا      کیوں خبر لینا بخوبی ہو مجھے حساد کی  
گڈیاں سچے لگی ہیں قفل سے لگے پڑا      پاچا مہ کی وضع تھے نئی ایجاد کی  
اس قدر کافی نصیحت یہ کٹر کی سنو      چھوڑ دینا اب دشن اس نفیس بنیاد کی

کٹ کٹار۔ غازی پور کے رہنے والے تھے اور ظرافت کا رنگ نہایت تیز  
کہتے تھے مگر انہوں نے کسی طرح کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ مگر یہ شاہ نذیر صاحب  
ہاشمی نے وعدہ بھی فرمایا۔ مدتوں منتظر بھی رہا۔ مگر وہ وعدہ وعدہ ہی رہا  
تا انیکہ آج مجھے تذکرہ میں صرف ان کے نام پر قناعت کرنا پڑی۔

کشتیز۔ بدایوں کے رہنے والے اور یہ کشتیز کے نام موسوم ہیں۔ مگر  
در اصل واقعہ یہ ہے کہ اس نام سے ایک فرضی دیوان طبع کرایا گیا ہے۔  
اس کے مصنف غالباً ایک اور صاحب ہیں جنہیں میں جانتا ہوں مگر چونکہ کسی  
مصلحت سے انہوں نے دیوان کو اپنے نام سے مدون نہیں کیا۔ اس لئے  
میں ان کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ بہر حال انتخاب دیوان یہ ہے۔  
تیری قدرت ہی سے پانی بھی ہوا دھڑک      پشت پر نیل کے موسیٰ نے جو سٹامارا  
ہنہناتا ہوا بھلگے گا زبس طائر راج      موت کا جب ملک الموت نے کوڑا مارا  
توڑ دی پشت عد میں نے پکر کر گرون      کہہ کے یا قادر و قیوم جو گھونسا مارا  
بال گرجائیں گے اڑ جائیں گی طبعی کشتیز      ملک الموت نے جب چاند پہ چوتنا مارا

ہم نے قفل سے تری غیر کوٹلتے دیکھا      یعنی شیطان کو جب سے نکلتے دیکھا  
اب خدا جانے کھٹل تھے کدکے ٹک      جو ٹونے انہیں کچھ ترے منسلک دیکھا

دعہ وصل کھی یار کا پورا خوا  
روز گر گٹ کی طرح رنگ بٹلے دیکھا

غیرت لالین رشک چراغ  
یار کیا خوش جمال ہے میرا  
میں نے دوسہ لیا تو رے کیوں  
تم بھی چو مو یہ گال ہے میرا  
ان کو میں نے چھوا تو بولا غیر  
اے میاں اسے یہ مال ہے میرا  
اُن کو لڑوا دیا رقیبوں سے  
اک یہ ادنیٰ کمال ہے میرا  
سب خمیری چپائیاں میری  
پر یہ اک شیر مال ہے میرا  
دیکھ پر دیں کو وہ یہ کہتے ہیں  
منہ کا تھو کا اکال ہے میرا

ایک دن کا ذکر ہے یہ ایک نکل جڑا  
اک رقیب دسیہ نے مجھے آکر یہ کہا  
کون سا بیٹے کیا ہے جرم جسکی وجہ سے  
وہ پئے آزار ہے دنیا کا ہر چھوٹا بڑا  
کوئی بتلاتا ہے جھکو بد خصال بد عیش  
کوئی بتلاتا ہے او کوئی کہتا ہے گدھا  
کوئی بتلاتا ہے غنڈہ او کوئی چرکشا  
کوئی بتلاتا ہے شہد او کوئی چرکشا  
کس کو کیا میں نے کہا ہے کہ ہونے لکے فلاں  
کس کا میں نے کیا بگاڑا ہے لیا کس کا ہے کیا  
میں یہ بولا ہیں تو سب چھائیاں تم میں گر  
بات اتنی ہے کہ ہو سو.... کسے.....

کچھ خبر بھی ہے تجھے اوست خوب  
غیر بوسے لے رہا ہے بے حساب  
یہ حرمزدگی تو اُن کی دیکھے  
خط طغرائیں لکھا خط کا جواب

کبھی نخبے کی چڑھائی ہے کبھی غزوہ کی  
وصل کی رات ہی پانچ تہا کی رات  
میں بلائیں کبھی سر کی تو کبھی تھو کی  
لیلۃ الاول بنی رو بلیات کی رات

جاکے تھکانے میں قیہوں نے لکھائی ہے رپٹ  
اپنے چہرہ سے اٹھایا جو نئی آنے گھوگھٹ  
جل رہے ہیں طیش و عیش سے لاکھوں عاشق  
رہ الفت کی خرابی سے میں بچتا کیڑا کر  
کس قدر حضرت کشنیر بھی ہیں شوخ مزاج  
کہ ستا تا رہی ہیں یا بہت ہے نہ ٹکھٹ  
بھتیاں لینے لگیں سر کی بلا میں چٹ چٹ  
یہ گلی ہے تری ظالم کہ کوئی ہے مرگھٹ  
کھا کے ٹھوکر جو نھی سنبھلا تو گیا پاؤں پر  
نام معشوق کا رکھا ہے میاں پر جا بٹ

ستیا ناس ہو رقیبوں کا  
ہے وہی قفل اور وہی کھنچی  
پھر نہ کھلنے کا کیا ہوا باعث  
کوئی موجب سبب خطا باعث  
جوتے پڑتے ہیں کیوں ترقی ترقی

کہتے ہیں کیا یار نے دنیا سے غرا ج  
دینا ہو جواب کی دریدہ دہنی کا  
جوتی ہے نہ ٹپتی ہے نہ پکڑ ہے بد پیر  
بے پر کی لڑائی ہے قیہوں نے خراج  
کرنا ہے حسینوں کو مجھے شہید آج  
لی حضرت کشنیر کی لوٹوں نے خراج

کیوں چٹھے کتے ہو تم خرس بیاباں کی طرح  
آپ کا خرچ چلے غیر سے رشوت اینٹھوں  
ڈورے ڈالے ہیں رقیبوں نے مٹھالی دیکر  
سکے اشعار وہ کشنیر کے فرماتے ہیں  
بات کرنا ہو کردور سے انساں کی طسرح  
بیٹھنے دیجئے دروازے پہ درباں کی طرح  
ہیچ در ہیچ ہیں وہ سنبل چپاں کی طرح  
کھیت میں نظم کے بل جوتا ہو دھتال کی طرح

قابو میں طبیعت رہے یہ ہو نہیں سکتا  
گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں نکیرین لحد میں  
جب ایک ہی خانہ میں ہیں مادہ و زینہ  
جاؤں تو کہاں جاؤں ادھر نہ دھڑا دھڑند



کہتے ہیں شبِ وصلِ ٹہیلے ادا ہے      لادو مجھے پنجاہ کے ریشم کا کر بندہ

قیمت بتا رہے ہیں وہ بوسے کی دس ٹکے      کیا کیا ہے اُن کو اپنے خریدار کو چھوٹ  
کشتیز ہوا اپنی ٹٹیا پہ ناز ہے      اس شہسوار کو جو ہے ربوہ پر گھوٹ

پھینے بی طرح آکے وہ میے گھر      نہ بچنے کا موقع نہ جاسے مفر  
اسی دھن میں ہتے ہیں شام و سحر      کہ چڑھ جائے ہنسنے کوئی سیمبر  
گئے میر کشتیز جب اُن کے گھر      مٹھائی کے بدلے کھلائی مٹر  
پٹامیر دھوکے میں کل ثقیب      بلا یوزن کی طویلے کے سر  
حبیبوں کے بوسے ٹکے سیر ہیں      اسی پر وہ کہتے ہیں اپنی گزیر  
مڑے گزرتی ہے تلاش کی      نہ چور دل کا کھٹکانہ نہ ہرن کا ڈر  
مزا تیرے بوسے میں آلو کا ہے      نہ کچھ اسیں گزرتے نہ اسیں شکر  
طلاق اٹھیں لیڈیوں کو دیا      کہ اک ہم کشتیز ڈالی ہے گھر

ملا ہے قسم سے خوب جوڑا بیڑ تیری مرا کہوتر      نیا تعلق تیا ہے رشتا بیڑ تیری مرا کہوتر  
ابھی تو نام خدا ہیں کس ابھی میں غم و حجاب      مگر کمانکسا کر نیگے پر دا بیڑ تیری مرا کہوتر  
یہ اسکی پیاری وہ اسکا پیارا یہ اسکی عاشق اسکا      وہ اک بھول یہ شان لیلی بیڑ تیری مرا کہوتر

اُسکے گانے کی سنتے ہی آواز      بزم میں سب لگے بچلے ساز  
کبھی ادھر ہیں ہم کبھی نیچے      خوب ہیں دہر کے نشانی بے فراز  
تھام کر رہ گیا میں دل اپنا      نظر آیا جو وہ بت مارا ساز

یعنی اندر سبھا کے نامک کے      باب اول کا ہو گیا آسمان  
ہم نے دل ندر کر دیا فوراً      اُسے جب کاٹنے کو مانگی پیاز  
اسی بندوق ایک نالی سے      میر کشنیز مار لائے قاز

کل جسے جو تیوسے حجامت پائی تھی      پھر لیچلا ہے دل اسی ہاں لک کے پاس  
دیمیوں میں ہے مری دولت بٹی ہوئی      کچھ اس طرح کے پاس ہے کچھ اس لک کے پاس  
کشنیز اسکی بے دہنی پر دے جا یستو      گز بھر کی اک بان چوٹیں دہن کے پاس

شہر میں کتنے لگے سب مجھے مسٹر کشنیز      دی تھی پیسج جو کل باک میں مینے پر جوش

ان کو اگر ملال ہے میرے وصال کا      تربت پر میری ڈھول بجانے کی غرض  
سانی نہیں کلاں نہیں پیر منع نہیں      ان کو شراب وصل ملنے سے کیا غرض  
کچھ لام لام زیر سمجھتے ہو تم مجھ      آخر مراداق اڑانے سے کیا غرض  
دہ چاہتے ہیں گانٹھ کا پورا نظر کا پٹ      امد سے کام ہے غمیں کانے سے کیا غرض

دشمن دوست ہیں کچھ فرق سمجھتے ہیں      انکی نظر غریب تو سبک ہے کھائی خندق  
بزم میں دیکھا جو کشنیز کو بیٹھے دیکھا      کیسا بند کی طرح بیٹھا ہوا کو اہق

مڑوڑے ہاتھ دشمن نے یہاں تک      کہ چکنا چور کر دیں چوڑیاں تک  
رقیبوں نے کیا پت جھار اُنکو      چرا کر بیچ آسے پانڈاں تک

وہ یہ کہتے ہیں تے گھر میں چلوں گا تے سنگ  
 اور مے گھر نہ چٹائی نہ تپائی نہ پلنگ  
 دونوں رخساروں پر جم آے بال  
 ہو گیا ختم آن کا حسن و جمال  
 رکھ کے ٹوٹا سا دوش پر ڈنڈا  
 میر کشنیز جلد سیئے سہرا

یار کی گالیاں دوزنگی ہیں  
 بعض میٹھی ہیں بعض کھٹی ہیں  
 کہیں فقروں میں آنڈالی ہیں  
 وہ بھی شیطان کی بیٹھی ہیں  
 ہے بڑھاپے میں شوق حوروں کا  
 شیخ جی کیا ہیں شیخ چل ہیں  
 اللہ اللہ ایسی ناست کڑی  
 جیسے ہم دودھ میں کی کھٹی ہیں

نہ مرغی ہے نہ مرغی نہ بچا ہے نہ اندا ہے  
 تھکے پاس ہے ہی کیا نقطہ دھا پٹا پٹا ہے

سکانہ لیٹو کھڑے کئے گھٹنے میرجاں  
 کہ اُدھری ہوئی ہے سیانی تھاری

ذرا میر کشنیز گیڑی سنبھالو  
 کہ اب سر پہ جوتا پڑا چاہتا ہے

اصل کی رات انھیں صبح سونے نیا  
 جب رات آنکھ لگی تاک میں بیٹری  
 اصل کی رات بھی شوخی سے وہڑا کے  
 پیستے پیستے کشنیز کی چٹنی کر دی

جب چلے دنیا سے دامن جھاڑ کر  
 شیخ کی داڑھی اوپر کر رہ گئی  
 عشق میں صورت ترے کشنیز کی  
 گھٹتے گھٹتے مثل بندر رہ گئی



خون عفت کا اور ایشیہ عصمت لٹکا  
آپ نے غیسر لے کا تیرا دیکھا  
چو باجالی ہی اگر رہتی تو چنل غم تھا  
سج اسکا ہے نہیں دشمن لکشا کرنا  
جام وصال کے عوض لوسہ اعطا کیا  
موت کا تھا مقدمہ ڈگری ہوئی بخار

کمترین۔ ان کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے  
اپنے تذکرہ میں بے نام کا ذکر کیا ہے۔ مگر نام نہ انھوں نے لکھا نہ انھوں نے۔ میر حسن نے  
لکھا ہے کہ ایک شوکال کو کمری پیشہ نواب عماد الملک کی سرکاری ملازم تھا۔ اور  
اپنی استعداد کی موافق شعر خوب کتا تھا۔ میر تقی میر لکھتے ہیں کہ ہزل کی طرف لے سکے  
مزان کا میلان بہت زیادہ تھا۔ کمترین نے ایک شہر آشوب بھی لکھا ہے  
جس کے یہ چند شعر تذکرہ میر تقی میں درج ہیں۔

نوحصم گن کر مشکبچہ نے کئے  
تو بھی نہیں رہتی دوشاخص بیٹے  
پلائیں مفت نصرائی کو بناڑی  
اگاڑی اصطبل کے باجی پٹری  
یہ تصدی نہیں ملے اگر بھاڑ دوسے راتوں میں  
تو کیوں پیسے کمانے ہیں تفلین کر براتوں میں  
دیکھو پکوان والی کی مزاحیں  
خصم کے رو برو دیتی ہر ضحیٰ  
غم بادشاہ پسند ہو ہم کمترین پایے  
کے میر کے دو گے نازک بدن پایے

کمین۔ ایک بھنگیڑن کا تخلص یا نام ہے جو بازار بھر تیور میں بھنگا گھنٹتی  
تھی اور شب و روز مست رہتی تھی قدرت کی فیاضی نے طبیعت موزوں عطا  
کر دی تھی جو کچھ کہتی تھی خوب کہتی تھی۔ ایک شعر اس کا تھا ہے۔  
نہرونی حضرت شیر کے ساتھ  
زہر دیدیتی مومے شمع کو سیر کے ساتھ

کوثر سید محمد حسین نام ہے لکھنؤ وطن ہے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری کا شوق دامگیر رہا۔ اول اول کچھ غزلیں منشی بالکراشن صاحب قمر لکھنوی تلمیذ امیر مرحوم کو دکھائیں۔ اس کے بعد راقم الحروف سے مشورہ سخن کرتے رہے اور اب تک جب کوئی غزل کہتے ہیں تو سنا دیتے ہیں۔ اوائل میں نہایت خوش طبع رنگیں مزاج تھے۔ ظرافت سے طبیعت کو ایک خاص قسم کا لگاؤ تھا۔ اسی لئے ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔ عطاری کی دوکان کرتے تھے۔ جن کاں شہر کے اچھے اچھے نامی گرامی شعراء کا جمع رہتا تھا۔ ہر وقت شعر گوئی اور شعر خوانی ہی کا مشغلہ تھا۔ بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے مشاعر دل میں شریک ہوتے تھے۔ اور خود بھی ہوا۔ شاعر کیا کرتے تھے۔ اردو ادب سے خاص دلچسپی تھی۔ اگرچہ علم کی تحصیل بہت معمولی تھی مگر اساتذہ فن کی صحبت نے ضروریات شعر سے باخبر کر دیا تھا۔ ایک دیوان رنگ قدیم میں کہہ کر جمع کر لیا تھا۔ مگر انوس کو عین شباب کے عالم میں مصیبت کا پہاڑ پھٹ پڑا۔ جس نے تمام لذتوں سے محروم کر دیا۔ کچھ امراض پیدا ہوئے۔ اسی میں آشوب چشم ہوا مینائی نے جواب دیدیا۔ اور تمام عیش و سرور پر پانی پھر گیا۔ کوئی حکیم ڈاکٹر باقی نہ رہا کہ علاج نہ کیا ہو۔ مگر بالاتفاق سب نے جواب دیدیا کہ مرض لا علاج ہے اب گوشہ انداز میں پڑے ہوئے اللہ اللہ کرتے ہیں۔ اول وند گما گزار رہے ہیں۔ ترتیب تذکرہ کے وقت یہ شعروئے تھے جو درج کرتا ہوں۔ ورنہ شام کو میرے پاس آتے ہیں اور تھوڑی دیر غم تراشی کر کے چلے جاتے ہیں عمر تقریباً ۳۲-۳۳ سال ہوگی۔

تمہاری فارغ البالی کا لیا کہنا ہے اگلی پنے پھرتے ہو چھپلا سے نہ بچھپھپھیں واپس ہے

اگلی سطرچ نکلے گی آخر وصل کی حسرت وہاں نازک فتن ہے اور یہاں کی اور نکلے گی

ہمارا اور تیرا ساتھ کیا ہو گا بھلا و اعط  
تیرے قدح میں زمرم ہے کلہر میں تیرا

ہوس سے آج خالی کوئی ہے پیر نہیں ملتا  
وہ کیلا ڈھونڈ رہتا ہے اب جسے کھیر نہیں ملتا  
لبوں سے ان باتوں کے ایک دن لذت نہیں ملتا  
وہ کبھی ہوں جسے بازار میں شیر نہیں ملتا

چلاتے ہیں ستم کے تیر سب پر حکمراں ہو کر  
خدا کی فوج داری کرتے ہیں وہ جواں ہو کر  
پھر رہی ہے تری نمشیر جفا سے قاتل  
اک جہاں میں ملک الموت کی اماں ہو کر  
طاؤر دل نے بہت رنگ کھائے انکو  
کبھی اٹو کبھی مرغا کبھی قسٹیاں ہو کر  
لقد دل بار دیا ہم نے جوئے خانے میں  
پھر گئی آنکھ فصول ساز کی ٹیاں ہو کر

اندھ نے بی رحم کے ڈال مجھے بس میں  
دم کاٹ کے صیاد نے رکھا قفس میں  
مخ ستم کا کوٹ سے لینس لیجئے  
چالان ہو گا ورنہ کسی روڈ آپ کا  
رہتا ہے اسکی دم میں کوئی خط بند ہوا  
اڑتا ہے جب کیو تر پاؤں آپ کا  
دنیا نہائی چشمہ فیض کرم میں آہ  
میں ہی نہیں شرف اندوز آپ کا

کو دل نے عبد العظیم نام تھا۔ کسند میں جپ راقم الحروف گڈھ مکھڑ میں  
رہتا تھا تو ان سے ملاقات ہوئی تھی ایک ہونی درویش منش آدمی تھے اسانند  
سلف کے ہزاروں طریقہ ان اور ناشقانہ شعر یاد تھے۔ شعر و شاعری سے اتنا  
شغف تھا کہ میں نے جب کبھی ان کو دیکھا شعری پڑھتے ہوئے دیکھا۔ خود بھی شعر  
کہتے تھے مگر مزاج میں شوخی اتنی تھی کہ ہزل کا رنگ اختیار کرنا پڑا تھا۔ کچھ  
شعر یاد ہیں درج کرتا ہوں۔

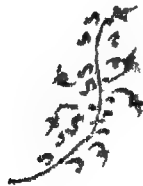
جبکہ ہوے قلندر اور چاندنی گھٹائی  
جس خبر پڑنے دیکھا اُسے چپٹائی  
یہ لیلیٰ اور شیریں دونوں ہیں نہیں  
فریاد اور غبنوں دونوں ہیں بھائی  
کل ہنرمیں کچھ آنے کی اس طرح رکھائی  
جب ہر کو چپٹائی یا جبٹ کے کھیر کھائی

اچھا ج مانگے ہے مصوٰفیس ابھی بھائی نہیں  
اس لئے تصویر جانناں ہم نے کھجواہی نہیں

سب بچہ میں تمام نالے ہیں عاشقوں کے  
بلی کی میاؤں میاؤں کوں کی قلاؤں قلاؤں  
گڑ میں ملا کے جھکے وہ نہرے رہے ہیں  
لے دوستاں بتاؤ میں کھاؤں یا نہ کھاؤں

کھوٹا تھا۔ مجھے ان کا نام اور پتہ معلوم نہیں۔ مگر مرزا واجد حسین صاحب  
یاس نے اُن کے ایک دو شعر سنائے اور بتایا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ یا  
ہیں۔ بہر حال میں نے سخت کوشش کی کہ اور کلام ملے یا نہ ملے کم سے کم ان کا پتہ ہوا  
معلوم ہو جائے۔ مگر ناکام رہا۔ بلکہ معلوم ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے  
ہی نہ تھے۔ بہر حال یہ تخلص ہے اور یہ اُن کے کلام کا نمونہ ہے۔

ہاں تجھ بن چار پائی بھی ہے چپ  
آج وہ آواز چرخ جوں نہیں  
ہم نہ کہنے تھے کہ ہرگز ان تھیں نہ مل  
لے کہنے کھانے کا بھی ٹھیکہ اجا تاربا



## حرف گان فارسی

گرم - مظفر علی خاں نام تھا رام پور کے رہنے والے تھے صاحب تذکرہ  
گلستان سخن نے ان کو ظریف لکھا ہے - ایک شعر بھی نظافت کے رنگ کا ملبا ہی  
ممکن ہے کہ اور کلام بھی اس رنگ کا ہو -  
حال عاشق کبھی پیچھے نہ ملائے چشم سدا آنکھیں کیا چہرے گیس میں تری لے آہو چشم

گمنام - شیخ احسان علی نام تھا باپڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے شیخ  
مرحوم عمر بھر ایک ممتاز ہندہ سرکاری پرنٹین رہے جب پرنٹن لیکر آئے تو باپڑ میں  
منشی ابن علی مرحوم کے دم سے شعر و شاعری کا چرچا تھا - اور انھیں کی مساعی جیلہ  
سے شعر و سخن کا بازار گرم تھا - مقامی شعرا کے علاوہ میرٹھ اور دوسری دوسری  
جگہوں سے بھی شعرا آتے اور یہاں کے مشاعرہ میں شرکت کرتے تھے - شیخ صاحب  
بھی بعض بعض صحبتوں میں شرکت ہوتے اور لپٹائی ہوئی نظروں سے شاہدوں کو دیکھتے  
تا اینکه ایک دن جارٹے کی شدت سے سورج بھی افق مشرق میں کانپ رہا تھا -  
شیخ صاحب ایک لونی اوڑھے ہوئے منشی ابن علی مرحوم کے مکان پر پہنچے اور  
سب سے پہلے آغاز کلام اسی جملہ سے کیا کہ بھی رفیق میں تو سمجھتا تھا کہ شاعری بھی  
ایک دشوار اور مشکل الحصول فن ہے مگر آج تو یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں  
رفیق مرحوم نے کہا کہ چچا بھلا آپ کی قابلیت کے سامنے شاعری کیا چیز ہے - کیا اپنے



بھی آج کچھ نظم فرمایا۔ رفیق مرحوم نے یہ جملے اسوجہ سے کہے کہ شہر کے شعراء میں ایک  
 کہنہ مشق شخصیت سالہ سنگو کا اور اضافہ ہوا۔ چنانچہ شیخ صاحب نے کہا کہ لو ہاتھ  
 کنگن کو آرسی کیا۔ فوراً اپنی رات کی کئی ہوئی غزل سادی جس کا ایک مصرع مشرق  
 اور ایک مغرب کی خبر لا رہا تھا۔ ایک مصرع ایک فط کا تھا تو ایک ایک اچھے کا۔  
 سراپا ناموروں۔ رفیق مرحوم نے ہنسی کو ضبط کیا دل میں خوش ہوئے کہ ایک  
 سامان تفریح ہاتھ آیا۔ داد دی۔ اور ایسی داد دی کہ شخص صاحب بھی خوش ہو گئے  
 پھر کیا تھا دو بہر تک قصہ بھر میں شہرت ہو گئی۔ دنیا غزل سینے کے لئے چلی آ رہی تھی  
 اور شیخ صاحب کو داد اور مبارکباد دے رہی ہے شیخ صاحب ہیں کہ اس افتخار  
 پر پھولے نہیں ساتے۔ سلام کے لئے ہاتھ تک نہیں اٹھاتے۔ کہتے ہیں تو یہی  
 کہتے ہیں کہ ہم تو سمجھے تھے شاعری بڑی مشکل چیز ہے۔ مگر لاجول والا۔ والہ  
 کچھ بھی نہیں آخر کار فکر ہوئی کہ آپ کا تخلص کیا رکھا جاوے عجیب و غریب  
 شاعر کے لئے اذکے اذکے تخلص بھی تجویز کئے گئے۔ مگر فرمایاں بھی نہ نکلتی ہیں  
 اور سترہ ہوتے رہے۔ لفظ (گنام) کی قسمت میں یہ شرت لکھا ہوا تھا کہ اس  
 پہ کین سال کہنہ مشق کا تخلص قرار پائے۔ اب کیا تھا غزلوں کا نشانہ بند ہو گیا  
 اور سیکے ہی رود و دیگرے ہی آید کی مصداق بالکل صادق آگئی۔ احباب کے  
 جمع میں تجویز ہوئی کہ (چچا) کا کلام ضائع نہ ہونے پائے چنانچہ کلام کے جمع  
 کرنے کی تاکید اکیڈم میں آئی۔ گنام صاحب جو (چچا) کے بزرگ خطاب سے  
 شہر بھر کے مخاطب تھے ہاڑ کے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔  
 راقم الحروف بھی جب ہالوڑ جاتا اور انصیبی سے ملاقات ہو جاتی تو اس روز  
 ہر دوں کلام سننا پڑتا۔ ہاڑ کے عظیم الشان مشاعرے کا زمانہ آیا اور چچا صاحب  
 نے بھی تیاریاں کیں چنانچہ عین مشاعرے میں انجان شاعر آپ کی شاندار سفید ٹاٹی

کو دیکھ کر خدا جانے اپنے دل میں کیا کیا کہہ رہے تھے کہ آپ نے نزلِ طبعی شروع کی  
ابنِ مشاعرے کی رنگت ہی بدل گئی۔ مہذب لوگوں نے کسی نہ کسی طرح قہقہے کو روکا  
اور ہمہ تن داد دینے میں مشغول ہو گئے۔ اور جن سے ہنسی ضبط نہ ہوئی انہوں نے  
ظرفیہ نہ داد دینے میں دل کی بھڑاس نکالی۔ چونکہ لوگ اکثر خاموش تھے طبعِ احباب  
کا نگار۔ آپ ہاتھ میں ردال لئے دونوں ہاتھوں سے دور یہ سلام لیتے ہوئے  
چلے جا رہے تھے چار پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ انتقال کیا۔ اور صحیح گنام ہو گئے  
آپ کے کلام کی طرافت یہی ہے کہ اس کے مصرعوں کو دیکھئے اور اس کی  
تاجواری سے لطفت اٹھائیے اور ہلہ والی اکا بل کیفیت خلقت پڑھتے جائیے  
نمونہ کلام میں وہ غزل لکھی جاتی ہے جو پانچویں سنہ ۱۴۵۱ء کے عظیم الشان  
مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔

اے زیب تاجِ خلافت تمھارے نور سے سریرِ عرش معلل ہو گیا  
اسمِ عظیمِ دفعِ رنج و محنِ شرک و بدعت کا قائل ہو گیا  
ازل سے دل ہمارا رخِ انور پہ نفنون وائل ہو گیا  
اس مضعہ گوشت کو کو اکب پر رتبہ فوق الفوق حاصل ہو گیا  
صفیہ مردک چشمِ مضمولِ رخسار کی منزل ہو گیا  
داغ جیس سائی جانا زراں کا اکیل مکمل ہو گیا  
ہمنے نقد جان و مال وقف منظر کر دیا افلاس کا مل ہو گیا

لطفت و کرم سے مرتبہ الفقر فخری کا خوب حاصل ہو گیا  
ہماری تپِ غارت کے مقابلہ کو یہ نسخہ مکمل ہو گیا  
رج پر نور کی ہلہا شیزو کی کتل وائے ہل مکمل ہو گیا  
تنگدستی سے ہمارا حال نظرِ خلقت مستبدل ہو گیا  
اسے حرمت عالمِ اتومکافات رشتی عمل ہو گیا  
یہ فخر ازل سے گنام نازک خیال کو حاصل ہو گیا  
ماحول ہو لیا قنات کی دیر چرخ کو غیر ممکن ہے

## حرف لام

لَا اَعْلَم۔ اس گوشہ گمنامی میں رہنے کے باوجود بھی آپ اتنے مشہور و معروف ہیں کہ ہر شخص آپ کو جانتا پہچانتا ہے اور دل سے آپ کے کمالات کا معترف ہے آپ کے چند شعروں کو کرتا ہوں۔ سب سے پہلے ایک ڈاکھوسٹ (داسوخت) سنئے جو پورب کے گنوار اور دیہاتیوں کی زبان میں کسی نے کہا ہے اور اس عہد کی سے کہا ہے کہ جواب نہیں ہے افسوس کہ باوجود تلاش بھی یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس کے لکھنے والے کون صاحب ہیں۔

کا کئی کھو الا کے کارکت چیت رہے گاؤں ہاں جائے کے نکوت کھیست رہے  
آپ پتہ ہم اسارن کا سادیت ہے اپنے مہنتوں سے بھر بھیت بھی لیت ہے  
کا ہے جرجائے کریم اپ نہ تاکر ہوئے کے

یہہ کی جھونچہ ماں ہم بیٹھے ہیں الو بہتے کے  
جو کی نم تے وہی ست گجودھر جائیو ہم کا منی نہ کھیو منی کا مانجسر جائیو  
تمکا ناب کیا آپن تم اپن گھر جائیو اس کیو کام نہ اب آپ کا لڑکے جائیو  
کمرج کی اور سے تنگی نہ دیو تم اٹکا  
تمکا سویت ہے رکھیو چین سے ٹکڑا لٹکا

جیو تو بیاکل ہے بہت کا کئی اب اپنی کتھا پیت تو ہوت ماروگ ہے بس منی لٹکا  
کھیو چر پروا ماں جھودن تے سنا صاحبکا کھوب بالن ماں ملا تیل کا جلیچمن لٹکا

دھر کے موڑے چمکدار پٹریا نکسین  
 جیسے تنجات ہے پھن کاڑھ کے کرناکسین  
 کاٹھ دوئی کوں پہان کا جو سنا سیکے نکام  
 چڑھ گھوڑے پر سے ٹھاٹھ سے تھامیں پوکام  
 جیواں آوا کر کرن جائے صاحب کلا سلام  
 گھوڑے گس پنگ بھرس کا کھی تم تے کا نام  
 پاؤں دھردین رکابن میں جو تھیلایسے  
 ہم چلے جات رہے راہ میں چھیلایسے  
 ایک بگیاں پڑی پال رہی کس بورت  
 بیٹھی اماں ہی اک کا منی سندر بورت  
 نائب اب کا کھی بس نام سے اس بھل صورت  
 ہم جو دکھیا تو رہی ددرتے ہم کا گھورت  
 دھر کے کس منچ دھس ہنرا کر کھن جیسے  
 میکوا کا ہے پی ہے ناکت ہن جیسے  
 پھر کہاں تا ب ہی گھوڑے کو دن جھم سے  
 من ماں یہ سورج بھوا کیسے ملن حاجم سے  
 بے دیدی کہا اور بھوئیں ماں گرن میں ہم سے  
 ہوئے گئیں گت گجب بوڑ گوا یہ جو کم سے  
 میکوا حال یہ دیکس تو بہت گھبراوا  
 بولا دوڑے کوئی ٹھاکر کو بے چھپا آوا  
 ہماری چھاتی ماں لگی سانس چلے جب گھر گھر  
 دوڑے گھراج مہا پال بھولن بلبھدر  
 گورے پیچس کو تو اور کو تو سنگھاوا انتر  
 اور کو تو یہ کس چیت ماں آو ٹھاکر  
 ہم مداکو و جن سے دجکے جاگن  
 گرہ پڑا وا جو بہت پیٹا تلاے بھاگن  
 ہم تلاے جو گنن جب تو وہ چنچل بدکھاؤ  
 میکواتے یہ کہیں کھٹے بے باری ات آؤ  
 پال تے کھنچ کے پلگاتنی باہر تو بچھاؤ  
 توہرے ٹھاکر کا تو ہم بوجھ گنن سچھیناؤ  
 یہی پلگا پہ جب ایسیں تو بھٹائے بااٹکا

اُن کے پھینکنا کا مجا کھوب چکھے با اُنکا

ہم تھلا سے بھرن باگ ماں پلکا پاوا      تب تو دھچھیل چھیلی کا تنک بدواوا  
پاس بیٹھاں کے اور سے یہ ہم کہلاوا      تم تو نگیا ماں ہوا کھوب کرت ہو کھاوا

ہم کہنا اُن سے کہن آنکھ سے لگی نہ کرو

میکو اکا ہے کہن ہنسکے و لگی نہ کرو

دوس تربیت گواہ ہونا باتن باہ      جب گئے سورج اٹھے اور تنک آئی رات

ہم کہنا اُن سے کہ ہوتو بن اب گھر کا جات      بولی رہ چلتے کی کچھ ہوتا نہیں ہے لیکات

اس نہ تم نہ کی سنک کو کو کا جیو جا کے جاو

جی کے اب کا کرینے جاتا ہو تو مار کے جاو

اُن کی آنکھوں سے لگے آنس بے جب بھر بھر      پھر تو تھکے نہ تھا جیو کا سوسا ہوتا

ہم کہنا رو نہ جیو اپنا رہت ہے پھر پھر      ہاتھ چھاتی پر رکھو آپ بے گت بھر بھر

ہو سکت اب تو ہے اچھے جاو کیسے

بن کے ترے بھلا گڑا ٹھاوب کیسے

پھر تو بس یہ بچ گئیں بیٹھ ماں کا مارن      اٹھ کے پلکا سر گئیں پال ماں دنیا بارن

انگس کے جسے انگڑی کا کھینا جھارن      اور سوسن کی ماسکاء اے ہم پر ڈارن

ہم کہنا اُن سے کہ جو کام نہ ایسا دیکھو

کھرچ آپن نہ کیو ساٹھ ہے سیدھا دیکھو

بوسے تم روج ہیماں کپے کا آکر ہو      اور پھر روج نہ تم آئے کے کھاوا کر ہو

ہوتو ہاں میں کیو منہ نہ کھاوا کر ہو      بیٹھو بس تم بھی بکرا اس چاوا کر ہو

میکو اپڑ تے جائے کے چوکا دیدے

دید کی کھٹیا ترے پیر میں تو ادا کا دیدے

ساتی کو یاد کر رہے ہیں سب رند بل آنے پہ دیدیتے ہیں پائی پائی

بڑی بھنسا رہی کی جو بھیا ہمارے سن پان  
بڑی خاطر سے دست ہمارا کپٹے لینگے بھیت  
گلوری دان چاندی کا کس بھگوا سے لے کو  
کچوری پوری - بڑی ال اوٹھ اور بنی تکیوں  
گزک جتنی اچارادک بھی رکھن بھوجی تپا پر  
غرض ہم کہہ سکتے نہیں بڑی خاطر بھی ہری  
بدل لنگاد و پٹہ بھوجی گاؤں ہاری بلوان  
عبیر اور بکاسب کھارے بھوجے کے کھریاں  
مٹکاٹس دارو دھوا کی بہت عڈسی اک تول

بلوان بھج کے نواسے کہ باحقن ہمارا بلوان  
بکھونا وہ رسوئیاں والے کے کمرے میں کھان  
دساوری پان بھی نگوئے کے بھوجی سنگوان  
وہ بھوجی لوک ناحقن سے وہیں چکوائے سنگوان  
پڑکیا اور پیڑیا گھڑیں اپنے خوب بلوان  
ہمیں تو پٹے بھر کے خوب اچھا کھانا کھلوان  
ہمارے قرب مال بھجلاے کے کھانا خوب بلوان  
لمن بھی عسے گلا ناں اور اپنا خوب بلوان  
بٹے ہی شوق سے بھر بھر کے کھانے بلوان

دہت ترے عشق کے آزار کی ایسی تھی  
جو کہ غیر و نہ مے کسی عبت کیسی  
گھورنے کے لئے اچھے میں کھانے کو علیل  
سو کھی روٹی پہ قناعت تھی مجھے ایسی  
بات کہتے ہی وہ چند یا چپت دیتا ہی

کون جھنجھٹا میں کھنے یار کی ایسی تھی  
ایسے یہودہ دل ناری کی ایسی تھی  
یار کی زکس بیمار کی ایسی تھی  
تم فعل میں ہو تو زردار کی ایسی تھی  
ایسے معشوق بد اطوار کی ایسی تھی

ہوا اتنا میں لنگر لٹے لٹے جھکوت آئی  
لاغر ہوں میں تاکہ کھلیاں جو جھوٹی

اٹھانے کو جو لوگ آئے ملازمہ نہ بستر  
انکے نہ گلے میں یہ تن زار بھی میرا

جب میں کہتا ہوں گیکو کی کٹی ہر  
غریبوں پر مت ظلم کر اسے ڈیر  
بتائیں تمہیں لالہ صاحب کہاں ہیں  
خون کے سبب بنی طاقتور سنی شد  
سوتیلے ہیں کپت ہیں کھانے پینے  
لبن کے ذرا بھٹا مالین تو دیکھو  
ہینکے فرماتا ہے یومی ٹیک ہر  
میں قربان جاؤں اگر کم ہیر  
ایک دن میں بیٹھے پوت ہیں غنچا  
کہ اٹھن میں ہوت ہیں پانی کے ریکلا  
بکریں کے قلیا مچھرن کے شروا  
خسر فوٹ شرا و خسر یا بقا یا

لا آ بالی مرزا ابالی کے غلص سے اودھ پنج سابق میں واقعات حاضرہ ظریف  
شعر لکھتے تھے نہایت مشتاق معلوم ہوتے ہیں ہر رنگ کے شعر آپ کے یہاں ملتے ہیں۔  
چنانچہ سنہ ۱۹۰۷ء کے ستمبر میں بارش دیا دہ ہوئی اور ایک طوفانی سی صورت پیدا ہو گئی  
تو آپ نے ایک تراسر دس لکھا جس کے چند بند لکھتا ہوں۔

دیا اکھی ابر سے کیونکر بھیل پڑا  
بھلی گری ہے یا کوئی جو بھیل پڑا  
سنہ چار کی کرتے تمبر بھیل پڑا  
سڑ کو نہ دیکھے تو گدھا کہیں پھنسا  
گھوڑے کا دم ہے ناگہ تیرتا نہیں  
چرا بھی اپنے بل سے نکل کر بھیل پڑا  
گر چھپکلی کوڑ سے نکلی بھیل پڑی  
ہرنی نہیں پہاڑ سے نکلی بھیل پڑی  
سب سن سنا کے کچ میں غار لپٹا  
سبھی زمین پر آ رہی ٹڈا بھیل پڑا

پڑی تو لپٹتا گئی پڑاڑا کہے ہا  
 چلائی چیل پانی میں کوڑا کہے ہا  
 چھتری پہ بیٹھے بیٹھے بوڑھے پڑا  
 تیزی میں ڈاکیر کوئی چٹ پٹ سے آ رہا  
 الجھا جولا باپان میں دھبہ آ رہا  
 کوئی وجہت گرا کوئی کروٹ سے آ رہا  
 باور کہیں ڈھکاک پڑا مسٹر پھیل پڑا  
 کل ہم شریک ہونے گئے اک برات ہیں  
 بھلسن براق کرنے لگی بات بات ہیں  
 سہ ہنڑا کہ پڑی سہرچی سلاخیں  
 سارے سلج کی گتھو سی گئی لات لات ہیں  
 دو لٹھا دو لٹھن کو لیکے سراسر پھیل پڑا  
 پلٹن پھر ایک باجر بجانے میں آ رہی  
 بھاٹہ دل کی جھنک بھی باتیں سن رہی  
 یہاں ڈوہنی جو راک سننے میں آ رہی  
 کبھی وہاں وہ بھاٹہ سننے میں آ رہی  
 باہر کوئی گرا کوئی اندر پھیل پڑا  
 کل شب جو نیم عیش میں دھڑل رہا تھا  
 ساقی تھا ماہتاب طبع آفتاب تھا  
 بدستوں میں خوش شوق شباب تھا  
 پامال تھی سیاہ خیال حجاب تھا  
 اسپر گرا جو غیروہ مجھ پر پھیل پڑا  
 پہلے تو ٹپکے ساقی پھننے مانگ لی  
 بھانگا جو ادب داکے تو پھننے مانگ لی  
 کیا رنگ سار کی جھنک نے مانگ لی  
 پھر جوش اور حواس کی آن پھننے مانگ لی  
 کل شیخ ریکہ سے میں کر پھیل پڑا  
 شبہ اے کہے متعلق اک بڑی تشم ہے اس کے بعض بند سینے۔  
 کیا شہر پہ جہان میر کیا جو ہم ہے  
 چل پھر کیس دش کی بے کیہی ہم ہے  
 حلو پرا تھا کیا ہوا بالعموم ہے  
 جاری سر کر ہمت افے رسوم ہے  
 اس کل بلی میں پڑھتے ہیں اطفال گھڑی



آئی شبِ برات ہو ساس سے ٹری  
 پھرتے ہیں لڑکے آج چھڑ بنے تھے      کرتے عجب کھاتے ہیں بند بنے تھے  
 فرسے لگا رہے ہیں قلند بنے تھے      دیا میرا لگ کے ہیں سمنڈ بنے تھے  
 چڑھ کر سناتی باد بھوائی ہے یہ ٹری  
 آئی شبِ برات ہو ساس سے ٹری  
 شوخی ہے یہ جو دستِ ار کا راج ہے      دوروں پہ دل لگی ہے حاکمِ کراچ ہے  
 پاتا نہیں مزاجِ حاکمِ کراچ ہے      آفت کا راج ہے یہ لیاقتِ کراچ ہے  
 غوغا یہ کر رہی ہے چھو بند پڑی ٹری  
 آئی شبِ برات ہو ساس سے ٹری

”مذہب کا سفر و وطن“ ایک نظم ہے جو نہایت ہی خوب لکھی ہے۔  
 شہر و غوغا کیا ہے یہ مذہب کا مذہب گیا      کیوں کیا کیوں گرس جا گیا اور کب گیا  
 گر گیا لندن کو تو وہ مدنِ تہذیب ہے      سمجھو یوں رنجِ شرمین میں کب گیا  
 جالہم جدے کو مرکب ہیں ہزاروں لیل و لیل      اکاد کا گر کوئی یورپ کو بھی مرکب گیا  
 ساغرے نقد کوثر لیلیاں ہیں نقد و حور      گھٹی گئی جنت کی کھڑکی بستے گراں گیا  
 ہم نہیں ہندو کہ جاتے کھانے پینے دے حرم      جانے دو گر چھوڑے دین سریادہ گیا  
 کیک کا ٹکڑا کوئی اترا اگر پیٹ میں      ہے یار شاوڑاں اعلیٰ گیا اعدب گیا  
 کوٹ پتلوں سے لفافہ ستر لوشی مدعا      یہ کہا کس نے لفافہ سے بدل مطلب گیا  
 آئی گر تہذیب ہم میں کچھ خوش آمد خوشید      گر قصبِ جل دیا اولیٰ گیا انس گیا  
 بڑھ گیا ہے جوشِ قوی ہے ترقی کی لیل      یہ بھی اچھا جوش ہو گو جوشِ مذہب گیا  
 گرچہ ہاتھوں نہیں وہ لہی اپنی تہیاں      دل سے بھی گرچہ خیالِ نزع و استیجا  
 داڑھیاں منڈائی میں تھیں بھی ان فائدہ      شاہدوں کے قاصدے اندیشہ مقرب گیا

ہر گاہ کا غذا استعمال سے پیش پیر

تھا کہ وہ عیب کیلئے کاڑھیں لگایا ہوا ہے۔

اب کہئے تو کیا بنیں یہ یاسی سید  
کیوں شیخ مثل پھان نہ بنیں صاحب  
کیا خوش ہو کوئی شریف مہتر مسٹر  
مستر نہ بنے گا ان سے بہتر کوئی

موجود ہیں نہ نئی نوا سیّد  
حجام ہوں میرا دہرا سیّد  
پھر تے ہوں جہاں میں جب کہ تیرے  
صاحب میں چار اور مہتر سیّد

کہتے ہیں کہ کامے ہیں بڑے ہی بے شرم  
 ہوتے ہیں بڑوں سے بھی مقابل چھوڑے  
 رشیا پر منہ کرنے میں اسکے کیا لالچ  
 کٹ جائیگی ناک کیا جو ہوگی بھی خشک  
 جاپان کی روس سے ہی ہے تشبیہ  
 گز ناک بھی ہوتی تو زیامت ہوتی

یہ بات تو سچی ہے عجب ناک بھی ہے  
اس میں تو حیا کھلی ہے اور ناک بھی ہے  
جاپان کو جو شرم ہو کہیں خاک بھی ہے  
مٹھ پر تو ذرا دیکھئے کوئی ناک بھی ہے  
خزرو و سکے پشتر کا قدم ناک میں ہے  
مٹھ پر جو نہیں ناک تو دم ناک میں ہے

7. 10. 1931

لا فخر۔ اودھ پنج سابق کے ایک پے شل ظرافت نگار ہیں حالات باوجود  
کلاش دستیاب نہیں ہوئے۔

ایک چڑیا وہ یوں اڑے پھرے  
سانپنے تار و پود شوخی کو  
وہ فضا میں اڑیوں مٹا دیں  
بیلوں یاغ میں جھک اٹھیں  
ہر گیاہے رے وایاں بیل

ہاں صیاد کاٹ گئے دھڑ سے  
ہزل گولی کے خوشنما تر سے  
میری چرتی سے جوتی کے کھر سے  
میر سے نالوں کے کنشیں سہر سے  
لوگ آ آ کے دیتے ہیں پھر سے

بزمِ زندان میں حضورِ جادِ اعظم  
لاکھ پٹی پڑھائے غیر انھیں  
واہ رے ہم کہ عینِ بارش میں  
کیا ہی بیٹھے ہیں دیکھتے رُست  
ہم لگا لائیں گے کسی گہرے  
وہ چلے آئیں پاپے گھرے

ایک تو ہم مزاج کے گھرے  
ایسا سمجھیں کہ تم بھی یاد کرو  
دعویٰ پارسانی اور یہ منصف  
اسپہِ غصہ مرے پر سو درے  
روزِ جیتے تو ہو بہت غرتے  
واہ شاہِ بارش مر جا بہرے  
شاعری میں بھی ناگ کے گھرے

سمجھ میں نہ آئے کسی بیل کی  
مری شاعری کی بڑی دھوم ہے  
پڑا ہے جہاں میں مرا غلغلہ  
سنا تا ہوں وہ نظم میں ذیل کی  
نہ سمجھے جو کوئی نرا ابو مہر ہے  
نہ مانے جو الٰہ کی دمِ فاختہ  
بغضِ اشتہارِ بد و بدافش خیرے  
تلا را بہرِ دوزخِ مٹر بر کشم  
گر نزل، شود مولوی کاٹھنڈے او  
چرا پس نہ صد بلبلیہ بلبلم  
کہیں بات ہے اور کہیں بات ہے

نہ چھوڑا کھانسنے میں شیخِ حنیف نے قند لہ کا  
کراہی ہے فطہ بھر کی ترسہ بھی ہو ڈیڑھ پانی  
دوا میں الٰہ کی یہ اعجاز کیا سیر نہیں بالکل  
یہ حال لب بھی پارہ لے رہا سوس پگھل گیا  
مگر یاں شاعروں کو یہ تو ناموس ہیں گویا  
اطبا اشتہار ہی ست جالینوس ہیں گویا

ہے شیشہ دلی کتب ہر زند قلع کش کا میخانہ میں ماتم ہے ماہ مفضل آیا

بھرد۔ چہ پناہ نام تھا۔ دہلی کا رہنے والا نہایت خوش فکر خوش مزاج تھا۔ فکر مضمون عالی تھی مگر کچھ طبیعت کا اقتضا اور کچھ لوگوں کا تقاضہ دونوں مل کر ہزل کہنے پر مجبور کرتے تھے عموماً مقطع ظرافت کے رنگ میں ہوتے تھے۔ اور کبھی کبھی پوری غزل اسی رنگ میں کہہ جاتا تھا۔ اور سپر طرہ یہ کہ مشاعرہ میں پڑھتے ہوئے کبھی نہ جھجکتا تھا۔ خود کو ذرا بھی ہنسنی نہ آتی اور وہ کو ہنساتے ہنساتے لٹا دیتا تھا منوشتا ایک مقطع ملاحظہ ہو۔

اس چاند میں فلک کا بھرد سے گھر پٹا اس ماہ سے نکاح کی جو رسم و راہ کی

محسن غالباً محمد محسن نام ہے خان پور ریاست بھاو پور پنجاب کے رہنے والے ہیں عرصہ تک یہ سلسلہ ملازمت لکھنؤ میں مقیم رہے اب ریٹائرڈ ہو کر عرصہ سے اپنے مالون میں مقیم ہیں ریختی گوئی میں ایک حد تک مہارت پیدا کی ہے۔ ایک دیوان چھپوایا ہے۔ جس کے دیباچہ میں جان صاحب سے مقابلہ کلام بھی کیا ہے۔ اور اس بات پر فخر کیا ہے کہ جان صاحب کے مقابلہ میں ہمارے کلام میں ایسے غیر مہذب الفاظ نہیں آئے ہیں جن کو دیکھ کر کوئی متین سے متین طبیعت بھی نفرت کرے ہمارے نزدیک مصنف کا یہ دعویٰ صحیح ہو یا نہ ہو۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ ابھی تک یہ ریختی کی اس حد پر نہیں پہنچے جہاں جان صاحب یا ان کے معاصر ہو بچ چکے تھے۔ ان کے دیوان کو ان اساتذہ کے مقابلہ پر لانا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ محسن اور غفقا دونوں تخلص سے متخلص ہیں انتخاب دیوان یہ ہے۔

ہوتا بسم اندر سے آواز ہے دیوان کا  
 ہو یاد بندہ کو بھی وہ گھر کا پھر بگاڑا پھر بگاڑا  
 بگاڑ دنگی میں بھی حال گھر کا وہ دالیں بھر دالیں  
 ہر ساس کا ہر یکہ سوچے وہ باری طرح کو جو  
 کھیل سمجھا ہے سفر بڑا عدم آج کا  
 کبھی کے گھر کے لگا کر بیچے ہو پان تم  
 بند کی چالو نہ ہلکے آگئی میں چال میں  
 بات تو شیریں کی رکھ لی تھی زانو میں  
 سا بیٹھنے پائے نہ تھے جو تر اٹھ چلے  
 مجھے کی لت بھی لگاوی ہے نواب کو ادنی  
 پچھلے سادوں میں تو تھے سوکے گھر میں  
 دو لٹا بھائی پہ مونی ہو گئی ہو عاشق  
 پھر گیا طلبہ بجانے آج گوہر جان کا  
 ہونے ڈھول خالی شیخ جی تم  
 گھر وندے یوں تو بہت دیکھ ڈالے بیگم نے  
 نگوڑی وصل کی شب بھی ہو رہی ہے صبر نصیب  
 روٹی ممکن نہیں بھر دے سے تو کپڑا کیسا  
 کا لا منہ لوج ہو ایسا کسی بندہ کی نصیب  
 شوق سے آئین وہ جب چاہیں تھک گیا ہو  
 کسبیل کی سہا نہیں وضع تو ہے ہر باجی  
 جس سرزمین پہ جاے ہے آسمان نصیب

راز سر بہت ہے باجی وہ در قرآن کا  
 نہیں نگوڑے کا کچھ بھی کھٹکا ہو کوئی دشمن ہزار سال  
 کھلا کے رندی کو مال گھر کا لکیر محمد خاں اپنا  
 نہیں مونی ہوئی فوت ہے وہ بگاڑا دوشخ بیار اپنا  
 حوصلہ دیکھو تو گویاں بن لاش کا  
 وہ کیا کہنا ہے مرزا آگئی اس یاد کا  
 تھا سبب ہم بوا یہ رنج کی دنیا کا  
 گولہ سے پھٹ گیا سر بھی مائل فراد کا  
 خاک نیکے حوصلہ شوق دل شاد کا  
 زندہ در گور ہو باجی موانوش آنکا  
 دیکھئے ایک کہاں ہو بوا سا دل آنکا  
 گوندھتی ماریں کیوں نام ہے مالن آنکا  
 کیسا ننگا ہو نگوڑا باپ چند بھان کا  
 خوب ہم نے بجا بجا دیکھا  
 مرزا لانا بگر شیخ جی کے گھر کا سا  
 لگا رہا بوا کھٹکا موسیٰ سحر کا سا  
 چھوڑو دگر بڑے کواری روز کا بھگت کیسا  
 دار بھی مٹا موانگلتا ہے بھوگت کیسا  
 دو لٹا بھائی سے بچھے لے بوا برد کیسا  
 اری پا جا مر کی گوٹ میں لچکا کیسا  
 گویاں ری ایکن ساہو بیال اور نصیب

دیگی وہی کبوتری انڈے میاں کے گھر  
 خام ہے یہ اُدھیر بن گیاں  
 آج داروغہ کی کل ڈپٹی کی  
 لگائی جو بونہ کی مرزا نے رٹ  
 انو اسی ہے کوری نہیں گوری نہیں رٹھا  
 در بدر بھیک ہی مانگے گا بوا میرے بعد  
 سایہ مرزا کا پڑ گیا جو کہیں  
 جیتے جی شرم نہ محسن کو جب آنی گونیاں  
 کیوں نہیں کہتے صاف مطلب کی  
 ایک دو تین اونی بوا حد ہے  
 اب نہ جائینگے چھنا لوں کی گلی میں مرزا  
 یہ رسیلا یہ رنگیلا یہ سبھیلا ہو کر  
 روٹی کپڑے کو بھی اپنیم بوا استیاج ہو  
 کرے گا خاک سا ہو قادم کا لحاظ  
 رنڈی نگوڑی کی فقط گھات کا لحاظ  
 مانا کہ ہم نے سوت کو کرادیا حقیر  
 ایک کو ذکر رکھا یا ایک کو چھڑو دیا  
 ہے رنگیلی تر اوڑیا میاں لاشہ کی عطا

ہو جس لٹوڑی کو کہیں آئیاں نصیب  
 چھوٹی ہے میاں سے کسی کب  
 رہتی گوہر کو ہے بیگار بہت  
 کہا یا جی نے دت موتے دوڑے  
 اسپر بھی ہے سرکار کی نظور نظر آج  
 یاد رکھنا یہ مری بات بوا میرے بعد  
 ہو گئیں دیکھتے ہی اماں سرخ  
 خاک آئے گی نگوڑی کو حیا میرے بعد  
 میری چڑ ہیں نگوڑے پائے لاڈ  
 کس طرح اٹھیں چار چار کے لاڈ  
 قسمیں کھاتے ہیں بوا کہتے ہیں تکرار پر  
 بھلکی دانی پہ سوا مرتا ہے مرزا ہو کر  
 آگئی تھی چال میں ڈپٹی کلکٹر دیکھ کر  
 نہ بوڑھی اماں کی ہو جسکا اتجا کا لحاظ  
 دن کا لحاظ ہے نہ اٹھیں رات کا لحاظ  
 یہ تو بتاؤ کس نے چھکڑا کیا شروع  
 ہیں مصاحب ان کے کٹے منہ لگے مردار ہیں  
 پچے منہ کا خمیہ ہوا کھوسٹ غا

چن میں جا کے رنڈیوں کو بلاؤ گے یوں کہیںک  
 اچی وہ بالانہ لاؤ گے تم یہ لالا کہیںک بتاؤ گے تم  
 کیا کھاکھا کے سوئے تم کو گے ہو کیا کہیںک  
 کبھی تو کرے پاؤ گے تم کو گے ہو کیا کہیںک

موانعت میں یہ خبر ہے ہاؤں پٹی پٹے سر پہ  
بھرے سنے وہی چیل بل کی بارت ہے  
ہوئی بخود شرابی یاد آیا  
نہ چھوٹ بولیں چار میں ہم ہر نہ لڑنا ہر لڑنا  
چسپن کھا کھا کے بوا چور ہوے بیٹھے ہیں  
یہ امغلائی بھی کیا خوب ہے حقہ نہ چھو  
رہی کے چھوٹنے کو جو کتنی ہو چھوٹ کر  
سادن میں سوت کو نہ اگر دیں بوا طلاق

نہ روئی کپڑا نہ گھر ہے نہ در ہے پھر نونہ و نونہ  
رہ تو سہی لگاؤں تھے بانگین بل کی  
اری لینا بوا گو ہر جلا دل  
ہیں برقی طے ستارین ہم ہر آنہ ہی ٹانی رہا ہیں  
آج وہ سوت سے مفرد رہے بیٹھے ہیں  
مونی سیکم کو تو چاٹو بھی پلا لیتے ہیں  
دیتے ہیں گالیاں مجھے ہنسکر جواب میں  
پہو چاؤں میں ہاں یہ نگوڑی جہاں کی ہیں

دن کو ٹرایا مو اچھے ہمارا رات کو  
بھیجا سالن گھی کا بگھا چوری چوری ان میں  
چھوڑ کر زلفت و قانع پر بوا میں ہو گئی  
رکھا جب مزانے سامع کو ہر سچ کا تھو پر

ڈھونڈتا پھرنا تھا مجھے کا سہارا رات کو  
دیکھو بھٹیاری نے پھر خمرہ بگھا رات کو  
وہ بجایا ہی کئے اپنا دو تارا رات کو  
پہی گئی لیکر مونی سامے کا سارا رات کو

پھر دانت آج شیخ سے لگا لکے آئینہ  
دیکھو تو گالوں کو بوا منگو لکے آئینہ

کوشش کرو کہ مرزا سے بیگم کا ہوا پ  
دم الجھتا ہے بوا سینے کی باتوں سے مرا  
حسرت پہ آکے بھڑے نے ماری ایک لالت  
میرے ہی سامنے موی کسی سے دل لگی  
مجھے بیوجہ بھڑوا مارتا ہے  
گوئیاں ملانا ہجر ندوں کا ثواب ہے  
مجھ کو تو سہی نگوڑی نہیں چھو آتی ہے  
سو سو قدم پہ جا پڑے ستختے مزار کے  
بس بس نکل چکے مرے ارماں جاہتے  
بڑا سیدرد میرا مرد داس ہے

دل اسکی تیغ ابرو پر فدا ہے      وہ گورا لونڈا جو کپتان کا ہے  
 نہ مارو شیخ کو بے موت باجی      نگوڑا آپ ہی وہ مر رہا ہے  
 نہ نکلے گھر میں ڈولی کے بھی پیسے      بڑا لڑا کا سالانہ ہے  
 سنگی نگوڑی باتیں بھی اور کبے سامنے      کچھ تو حجاب پیاسے میاں درمیاں ہے  
 ساتھ لونڈے لئے پھرتے ہو یہ محبت کیا ہو      لت نہیں ہے تو میاں ان کی گیت کیا ہو  
 بارودیں بچھے جب لیچلے وہ      بڑی ہوتی نگوڑی ماسا ہے  
 بناتا ہے موادل لپکے باتیں      بڑا محسن نگوڑا مسخرا ہے

محشر - عبداللہ خاں نام - رام پور کے رہنے والے تھے ریختی کہنے اور  
 اسکو پڑھنے میں کمال حاصل تھا۔ ریختی میں خاتم جان تخلص کرتے تھے۔ میں نے  
 اصل تخلص ہی میں لکھنا مناسب سمجھنا۔ مولوی عبدالغفور صاحب نساخ نے  
 ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں ایک بڑا عیب ہے کہ اوروں کے شعر اپنے نام  
 سے پڑھتے ہیں۔ مگر انہوں نے کوئی شعر ان کا نہیں ملا۔  
 کہیں تم چوچلے میں بھید کچھ آنے نہ کہینا      مری اچھی بواہ مردے مطلب کے ہوتے ہیں

مشتاق اشتیاق احمد نام ہے۔ سلون ضلع راب بریلی کے رہنے والے  
 ہیں۔ گل باغ مراد آبادہ تاریخ پیدائش سے آپ کے والد حافظ سردار احمد ایک  
 نامی وکیل تھے۔ مرنے کے بعد کافی جائداد چھوڑی جو تھینا ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ  
 منافع کی ہے۔ اسی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ بسر اوقات کرتے ہیں۔ اور  
 محض اسی جائداد کی وجہ سے اس قصبہ میں قیام ہے۔ ورنہ آپ کا آبائی وطن  
 نارہ ضلع الہ آباد ہے۔ فارسی عربی کے علاوہ انگریزی کی تعلیم ایف اے تک



حاصل کی۔ ۱۹۹۰ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ جناب شیر محمد علی شہری سے مشورہ  
 سخن کرتے ہیں۔ آپ کی تصانیف بھی بہت سی ہیں جن میں سے بعض نہایت قابل  
 قدر ہیں۔ دو دیوان عاشقانہ۔ ایک نعتیہ۔ دو مثنویاں ایک تاریخ سلون۔ انتخار  
 الکلام دیوان قصائد قابل ذکر ہیں نعتیہ کلام میں اکبر کارنگا پسند فرماتے ہیں اور  
 انھیں کا شوق کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہر چکی اندر سجھا اب کساؤ کی سجھا	کیا زمیندار و کی قسمت میں الکی ہے لکھا
دکھلایا جیل ترک موالات نے مجھے	لیڈر بنایا میری حوالات نے مجھے
ان جلاہوں کے لئے اسکیم کا مدھی چل گئی	لیڈر دوسرکار میں بیٹھے بھٹک چل گئی
امن ہو نصرت اگر تازاؤں سنی کہوں	ایڈٹ سے ایڈٹیں بھی غائب جو جی کہوں
ہمکے دل میں اگر وقت ہے میری رائے کی	یکھے سوراج کے خاطر حفاظت لگے کی
تہا ہی جس کی نہ ہو یہ بحر وہ تلج ہے	ہند میں جوش نہیں ملتی وہی سوراج ہے
جس زمانہ میں مقید ہو گئے تھے موتی لال	اک حب خاص کو میں نے جو پایا درندہ
میں نے ان سے کہ دیا یہ سچ سب کا ہے	خود خدایا کہتا ہے اندر سے کہے موتی کو بند
ایک سے پوچھا کہ اب ہے ہند میں کیا حیر سہل	کس میں تو کٹا جھل ہے کس میں حاصل شان ہے
بے تکلف ہے دیا اس شخص کو اپنے جواب	آجکل لیڈر کا بھانا بہت آسان ہے
ماں پر رحم جو ہو ہے ہند یہ گاندھی	سوراج کے لینے پہ کمر اپنے باندھی
موسے کے شجر حڑ سے الھڑ کر گئے کلا	جب سال گذشتہ چلی ترمیم کی آمدھی
منہ کان کو کوئی تو نہ لگا کیوں نہیں بتا	بڑی حیرت ہے کہو ان کے ٹرک کیوں نہیں بتا
نہ بولینگے کبھی غائب سلائی لکڑیوں کوں	بتاؤ پند پرند ہی کا دیا کیوں نہیں بتا
ملتی ہے گرا کی چھٹی ہم ہاں جاتے ہیں	ہے حجامت یا نہانا منھرا دار پر
ہاں میں پٹواری صاحب ہوتے ہیں اصل والا	ہے پس میرا کام سب توں چوکیدار پر

کا شوق تھا۔ مگر طبیعت کا رجحان زیادہ تر ظرفیت کی طرف تھا۔ منشی ذہب راہب صاحب کے انتقال کے بعد آپ ہی اپنے کلام پر نظر ثانی فرماتے رہے، در شمس میں اپنا دیوان بھی شائع کیا۔ آپ اکبر مرحوم کے رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اکبر کا رنگ دراصل ایسا تھا کہ اس کا اتباع دشوار تھا۔ مگر افتاد طبیعت سے مجبور تھے۔ اسی طرف متوجہ رہے۔ محب صاحب نہایت نیک نفس اور خلیق زندہ دل آدمی ہیں۔ اور کلام میں تا حد نقد و دشواری و غیرہ کو مد نظر رکھتے ہیں۔ خود ہی فرمایا کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اکبر نے یہ رنگ حسن کے ساتھ کہا اور ہندو دل میں میں نے۔ ان کا یہ جملہ یقینی ترین صداقت ہے ایک مرتبہ راقم الحروف سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ اور خود جناب موصوف نے اپنا دیوان مرحمت فرمایا تھا عرصہ سے آلام و مصیبت اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہتے ہیں اب مرض برص بھی شروع ہو گیا ہے عمر تقریباً ۵۰ برس ہوگی۔ دیوان کے علاوہ تاریخ دیباچہ بھی آپ کے نتائج انکار سے ہے یہ کتاب نہایت خوب لکھی ہے۔ دیوان کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو۔

کتاب شوق ہے ہوائی تہاز کا      بیکار ہے خیال نشیب و فراز کا

ہو گیا سہل سفر بل کے باعث انجمن  
ہم غریبوں کے مقدر میں نہیں پیش لکھی

رہبر شوق و عاشق میں انجمن اپنا  
اے محب تمکو مبارک ہے پیش اپنا

آن سے باتیں کہیں تھو میں تو یہ ہم کھلا  
کشور الفت میں ٹپلی فونک دفر کھلا

شوقِ نفلس کی چند یا کا ہے اب بچنا محال  
کوئی نٹ کتا ہو ان کو کوئی بند سے محب

ہو گیا ہے شوق بی صاحب کو ٹیڈی بچکا  
شغل جیسے ہو گیا جمن شگل و جیب کا

تصویر ہے مسوں کے نصف خسار زیا کا  
 نہیں ذوق عبادت شوق ہر احس کے سامان کا  
 شگفتہ حاطری موقوف ہے ہمارے کچے حرفوں پر  
 مسوں کے لب میں بھی لطف حیات جاودانی ہو  
 کیا صفائی مغربی مسل سے آنتوں کی مہندی  
 پار کوں میں گھوم لو کھا لو ڈبل روٹی محب  
 چلو طبروں میں موٹر پر راہ و چنیدے دیے جاؤ  
 پس جاتی ہے البتہ آدم نم کی چکی میں  
 نوٹ سے جڑ بکھر نہیں دولت کوئی اس عہد میں  
 گھٹلا یا اس قدر اس شوخ کی بے ہمتائی نے  
 زبان کا ایترو دعویٰ کرسن ناکس کو بھائی

کسے ہے یا دقروں کی کسے ہے شوق گیتا کا  
 خدا سے پھر گیا ہوں آجکل بندہ ہوں شیطان کا  
 کوئی شائق نہیں گلزار و تعلق دریاں کا  
 خضر۔ پوٹل میں بھی بہتا ہے چشمہ آب حیاں کا  
 منہ پر روٹی اگلی گو پیٹ حنا لی ہو گیا  
 آخرش اک روز دنیا سے سفر ہو جائیگا  
 بغیر اس کے محب بیک میں نہرا ہونے سکتا  
 بڑا ہے پیٹ کا نرخ اور گھٹا نرخ گندم کا  
 مل گیا جس کو یہ کاغذ کیمیا گر ہو گیا  
 کہ اب ہمہ وفاداری کا گھڑا نہیں سکتا  
 نہیں پابند کوئی لکھنؤ اور دلی کا

دیکھ کر بے بسری کو  
 وہ طمانچہ پڑا اگر انی کا  
 بل کیا پیش کمپنی نے جب

طفل دل کیا ہی کھلا اٹھا  
 دل غریبوں کا تھلا اٹھا  
 اسے محب شیخ بلبلا اٹھا

خوب ہے اب تو بلندی پہ ستارا ان کا  
 تیغ اصلاح سے کاٹیں جو گلاندہ ہیکل  
 طور پر حضرت موسیٰ نے تجلی دیکھی

چرخ پر اڑ کے پہنچتا ہے غبار ان کا  
 میرے آگے نہ کرو ذکر خدا لا ان کا  
 ہیکو لندن میں میسر ہے نظار ان کا

باب صاحب ہیں سٹ ہوٹل میں  
 کون پر سال ہے بھائی دیہی کا

کیا خبر کیک کوئی ہے بلا ہم سے پوچھو مزا جلیبی کا

اب اور کوٹ کا زمانہ ہے ڈاٹھی ہیں حسین لیڈی پپ  
نام صاحب نہ لور زانی کا کون خواہاں ہو زیر پانی کا

ہر شے ہے گراں جنس شرافت کے علاوہ ہنری کے تو شاگرد نظر آتے ہیں لاکھوں  
بازار میں سستا کوئی سودا نہیں ملتا ڈھونڈنے سے کوئی دیاس کا چیلان ملتا

جامہ زیبی ہے وضع مغرب میں کیوں نہ ہو جھوٹو حق چسٹر کا  
کون پر ساں بیاض نظم کا ہو یہ زمانہ تو ہے رجسٹر کا

لاحول سے نفرت ہوئی اور سے سے ہوا ترقی اب آپ سے ناخوش کبھی شیطان ہوگا  
کر دیا بدحواس چندوں نے دہیان کس کو ہے وان اور پن کا  
کیا اعتبار زندگی مستعار کا چھ سیر جبکہ بکتا ہے آماجوار کا  
آسمان پر دماغ ہے اپنا مسر پہ جب سے ہے مغربی کنٹوپ

ملک و دولت کا کیا مس کو خدا نے نصبت اور ہیں بنک مصیبت کا نیا یا کھنٹ  
پے شہرت یہی کافی ہے نہیں مال سے بھنٹ ایک تختے پہ یہ لکھ دیکھ بھج جزل جھنٹ  
قرض لے لے کے عیش اڑائی ہے عجب آج ہوا پکو قرقی کا مبارک وارنٹ

تیز کیا ہم ست دل ہوں اہل جرمن کی طرح بھائی چکڑا چل نہیں سکتا ہے ان کی کی طرح

اب اسی میں سرخروئی آبرو دار ونگی ہے  
چھوٹی ٹانم میں کاسہ دائرہ ان کی کمر  
بیں انھیں کے رنگ میں مل جائیں پانی کی طرح  
لاج میں جو لوح کھاتی ہے کہانی کی طرح

یار من متفق من تو میں القاب پسند  
کھپ گئی ہر مری کھنویں لایت کی زری  
ہے فقط مائی ڈیر گج کل اجبا پسند  
خفتہ بختوں کو بنارس کی ہر کچھوا پسند

چائے کے آگے پان ہے کیا چیز  
گولڈ اسمتھ کی دیکھئے لائف  
چند کے آگے دان ہے کیا چیز  
زر کے لالچ میں آن ہے کیا چیز  
بھائی دیسی زبان ہے کیا چیز  
سیکھوا انگلش منیچ لیٹن اب

کیٹی چندہ کی کوشش مبارک  
ہوا خصل شیخ و برہمن میں باہم  
یہ نذرہ مبارک یہ پیش مبارک  
یہ مضمیں مبارک یہ بندش مبارک

ہر اک کی شان میں کہتے ہیں ایسے ہیں ایسے ہیں  
تھیں میں ہنستے ہیں لیستجو میں روتے ہیں  
کوئی کاشن آن سے یہ پوچھے کہ حضرت کیسے ہیں  
جراک اسٹرومی در دالفت اسکو کہتے ہیں  
کہ وہ ہیں اونٹ کسٹریٹ کے یہ پوچھو گے گھڑے ہیں  
نہ چھیر بریخت واعظ آجکل کے تیر طبعوں سے

یہ سے مرگئے ہیں نئی روشنی پہ ہم  
اس مفلسی و قحط کے قربان جاسیتے  
اب تک جلا نہ لیمپ ہمارے مزار میں  
گیہوں کے بدلے ملتا ہے لطف اجاڑ میں  
دل ہے وہی جو اسے سول کی چھٹی میں  
دولت وہی جو ہے بنے اوڑھے پیٹ میں

وہی پوچھیں گے اب تو منزل تک  
 بے ریل دو قدم نہیں چل سکتے آپے  
 بجا اسکول کا گھنٹا جو ٹن سے  
 نہ کام آیا مے پر مغربی بوٹ  
 مزار اپنا بنے گا پارک میں اب  
 ترقی پر ہے اپ چند کا آس  
 اور اسپر مفلسی کی سخت گلٹی  
 نام ہوتا ہوا زمانہ میں عجب وہی طرح  
 کیوں بڑا میں جو وہ کہتے ہیں ہکوڑی غول  
 اکجا قدر سخن بی شاعری کے پیٹ سے  
 مدار سحر جاں اب سکڑ رہے  
 وہ وزن کھوکھے بھائی ہم بھول ہو گئے  
 دل احباب کو چسکا پڑا ہے فوجداری کا  
 بھلا ان لڑکیوں کے حسن کیر کڑ کا کیا کہنا  
 تھیں طر کے نزلے سین اعلیٰ سینیری دیکھو  
 مبارک ہو محب یہ آتش شوق  
 تقریر پر عمل جو نہیں خود تو چپ رہو  
 کیوں رہتے کا ذکر عاشق سخن سے کہتے  
 قیس کو دیوانگی میں تھا سگ ایلی عزیز  
 نئی ملت کا زاہد ہوں نے جس کے حال میں  
 پے نامہ بری اب پوسٹ آفس ہکو کافی ہے

جو کہ سخن کو رہنما سمجھے  
 ہم لوگ اب تو کھینچتے ہیں سخن کی بھاپ  
 تو اچھن آگئی ڈولی میں زن سے  
 بدن ڈھا مکا گیا آخر کھن سے  
 ہیں کیا کام ہے بارغ عدل سے  
 مریض قوم کے دم پرینی ہے  
 کہ جس سے رگ شرافت کی تنی ہے  
 چندہ دینے سے اور اخبار میں چھپنے سے  
 یہ تو معنوقانہ شوخی ہے کوئی گالی نہیں  
 اور ہوتے ہیں تو لدا اب سخوڑ سیکڑوں  
 گیا وہ وقت گھڑی درپل سے کام نہیں  
 پہلے تھے تھیں لیکن اب پل ہو گئے ہیں  
 مزا ملتا ہے اب گھر سے زیادہ جیل خانے میں  
 جنہیں مس صاحب اسکول میں تعلیم دیتی ہیں  
 نہ جاؤ بھو لکر ہرگز جہاں پر رام لیلا ہو  
 گھر اپنا خوب بھونکو اور ٹاپو  
 منڈک کی طرح شور مچانے سے فائدہ  
 بھینے کے ہنگے بین بجانے سے فائدہ  
 عشق مس میں ہکو یار آج اگر گلڈا ہے  
 کہ سوڈا اور لٹڈ کم نہیں کچھ آب کوثر سے  
 دھامد کی تمنا ہے نہ مطلب ہے کبوتر سے

بڑھکے خیرات سے ہے قوم کی خدیں تو  
 مال آغاؤں کے وعدے پر خوشی سے لیجئے  
 تعلیم مغربی سے بھی پھوٹے پھلے نہ ہم  
 کھاتے نہیں پڑنگ کسی کے دباؤ سے  
 مگر نوٹ پاس ہو تو لے ساحل مراد  
 اب بیڑا پار ہوتا ہے کاغذ کی ناو سے  
 حقیقت یہ ہے کہ محب دریا پادی کا کلام سراسر اکبر مرحوم کا متبع ہے۔ مگر  
 انوس کہ ان کے کلام میں وہ اثر اور زندہ دلی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے  
 یہاں طنزیات کا ایسا بے عمل استعمال ہوا ہے کہ وہ واقعہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور جس  
 طنز یا تشبیہ وہ نواہی کا کام نکالنا چاہتے ہیں ان سے اوامر مفہوم ہوتے ہیں۔ ان کے  
 کلام میں قطعات۔ رباعیات۔ مثنوی وغیرہ بھی ہیں مگر ہم اسبقدر کافی سمجھتے  
 ہیں اور اضاف کلام کا یہ تذکرہ محفل نہیں ہو سکتا۔

م۔ ح۔ - یعنی ماسٹر باسط صاحب۔ آپ بسواں ضلع سیٹاپور کے رہنے  
 والے ہیں اور دو درجہ کے ایک نہایت خوش گو خوش مذاق شاعر ہیں نغزل  
 خصوصاً نہایت عمدہ اور زبان کی حدود میں کہتے ہیں جس سے صحیح صحیح رنگ نغزل  
 کا لطف آتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح آپ اس میں فلسفہ اور تصوف کے مذاق  
 کو شامل نہیں کرتے۔ جگر لبوالی سے اصلاح لیتے ہیں۔ مگر اس کا کیا علاج ہے کہ  
 جناب جگر سے یہ خود اچھا کہتے ہیں راقم الحروف جناب باسط صاحب سے  
 بھی بخوبی واقف ہے۔ اور کبھی کبھی جناب جگر صاحب کی غزلیں بھی سنیں  
 میرے نزدیک دو جدا جدا راستوں کے چلنے والے ہیں۔ اور ایک کا دوسرے  
 سے کوئی تناسب نہیں۔ باسط صاحب نہایت خوب کہتے ہیں ان کی طبیعت

نکستی۔ بیان میں آمد۔ بندش میں چستی برہنگی ہے اور اس کے برعکس جناب جگر کے  
 یہاں خشکی۔ تقشف۔ پھیکا پن۔ بیزنگی۔ ہر صورت باسط نے ایسے استاد کی تربیت  
 سے فائدہ اٹھایا اور خود نہایت عمدہ کہنے لگے۔ ذلک فضل اللہ العزیز آپ کبھی  
 کبھی تقشف طبع کے لئے ظرافت کے اشعار بھی کہتے ہیں اور ظرافت میں ایک ہمہ گیری  
 کی صورت پیدا کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے کہ باسط جس قدر رنگ عاشقانہ کو نہایت  
 خوبی سے کہتے ہیں اسی طرح ظرافت میں کامیاب نہیں ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے  
 کہ دراصل وہ ایک مہین اور مہذب آدمی ہیں۔ ظرافت کو ان کی طبیعت سے  
 کوئی خاص نسبت نہیں ہے۔ ماسٹر باسط کسی اسکول میں اردو پڑھ رہے ہیں۔  
 شاعری کے پچھ شائق ہیں اکثر سالوں میں غزلیں طبع ہوتی رہتی ہیں۔ بچی  
 عمر اس وقت نچینا ۳۵-۳۶ سال کی ہوگی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

حضرت دل جو کسی میں کھولے ہوتے جتنے گورس ہیں مفرکے لئے ہوتے

وہ بت تیغ نگہ سیکڑوں کو مارا تا ہے  
 کہاں جائیگا اڑ کر لے پر پر اپنے عاشق  
 فضا ہے اگر ایدل وہ بے تقصیر ہو جاتے  
 عدد و کجفت کو سودا ہے کچھ ایسا حدی کا  
 مرغ دل دام میں گیسو کے پھنسا لیتا ہے  
 کیا فرق ہے بتا دوں شرم میں ولوی میں  
 جو دیکھیگا کوئی یوں بانگین سے  
 کھینچتا تصویر کیونکہ دیکھ کر جمال  
 رنگ لائیں نہ غضب غیر کی چکنی ہیں  
 بے رنگ آمد مچوں شب بھرا ایدل

نہ تحقیقات ہوتی ہونہ تھا نہ دارا تا ہے  
 تری ٹم ٹم کے پیچھے میرا موٹر کا آتا ہے  
 اکڑ کر بندہ درگاہ بھی شہر ہو جا تا ہے  
 لئے سر پر پھر اکڑتا ہے حاجا بھائی کا  
 جھکا دلہ آتا ہے ہم کہ جڑ یا کہ نہیں  
 بوہ شاخ ہیں قلم کی گئے ہیں یہ پرانے  
 بکھر کر کھینچ ہی لو بکا فنٹ سے  
 ہاتھ کا نیا رنگی نانی دیں ہنر اد کی  
 ترم تہنوی آئے سمجھ تھے وہ تیلی نکلا  
 طپاں سوے اوچوں مچھر پار سہا



کھسکتے کھسکتے بد گور یا رسید  
سب بتادوں گا میں تجھ کو اگر اکبا کے  
ہنسکے فرمایا کہ منظور ہے برائے کھسکتے  
حرم سے تجھ کو جانے دہن میں شیخ کے لہجہ  
بھری برسات میں اگر میں یواریٹھے ہیں  
سنا کچھ اور لے بیٹا وہ تیرے مار بیٹھے ہیں

نشہ میں یہ دو رنجیتیں  
ماٹھ آیا شکر شکر کے گھاسکے بند  
نور چشم طلسم ہوا آواز در در  
یوں کے عشق کا مجھ پر ایسا جھلکا  
ہم اپنی جان سے لے بت بہت بڑا بیٹھے ہیں  
پلٹ کر بے ستوں سے یہ کہا دانے

تجھے جی کھو لکر لینا جگیا آرزو دار  
حرم میں تو رہ کر دھروں پسلیا آرزو دار

چماک منہ جرا اپنا سونو لیا آ  
پلٹ کر کھسکے سینہ سے تجھے سوا

بہت بیٹھے ہو تم تو خود فی ہو  
رقیبہ وہیہ کی اکردہ ہی ہو

زخاں سپہ عتاب  
کر سے تم کا لپٹا ہے

تماشا یو سر غفل میں اُن کا چھٹر کر دیا

بہت بیٹھے ہو تم کے بہت بیٹھے ہو

نہیں تو اینٹھ کر جاٹھ سے سر کا فرجاست  
بڑا اکرا ہمیں یو جوی گوا آزار مرعانت

لٹا لو پاس تم ہکا تھیں سو گندیشو  
بے بیٹھے بیٹھے تیرے کاسو جھجی

گھر ماں بیٹھا ہے جو شخص سیانا ہو ہے  
اسے یہ توجیتے کیوں ہو  
زمانی جیب ان نا ہو ہے

فری الفت میں بھلا کون دانہ ہوا  
پان  
منہ کا

**مخلوق** - تذکرہ خوش معرکہ میں جو پینتہ لائبریری میں محفوظ اور موجود ہے ان کا نام میرزا حسن علی لکھتا ہے مخلوق ذاب تھی خاں ترقی کے بیان قصہ گوئی کے خدمت پر ماہور تھے۔ میرخلیق کے چھوٹے بھائی یعنی میرانیس کے چچا تھے۔ صرف دو شعر تذکرہ انیس صنف مرزا فدا علی خضر لکھنوی سے دستیاب ہوئے۔ جو بحیثی میں ہیں اسی سے گان ہوتا ہے کہ مخلوق کا رنگ بھی لکھتا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے لوگ بھی اس قسم کے شعر کہتے سے پاک نہ کرتے تھے۔  
 اسے دو ادیکو اب ہو گا بڑا شرمندہ  
 لاز ناخی نے کیا اور نیا گھسید  
 مردوں کو ترس رہا تو پھر کیوں نہیں تھا  
 میں مرگئی کجوت اثر کیوں نہیں ہوتا

**مذاق** - مرزا غضنفر حسین نام شاہ جو پور کے رہنے والے ہیں۔ پچاس برس کی عمر کے آدمی ہیں ایک وقت میں مرزا ان کے اشعار لکھنے کا بڑا شوق تھا۔ اور صفحہ مرزا پوری کو اب آ کلام دکھاتے تھے ماحریر ہے چٹیں چلا کرتی تھیں۔ مگر اب عرصہ سے شاید بارہا اس رنگ کو ترک کر دیا۔ چنانچہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں۔ مجھ کو تو اب شعر و شاعری سے چندان شوق نہیں ہے۔ بہر حال جو کچھ اشعار یاد ہیں وہ لکھتا ہوں مرزا صاحب نے اپنا مختصر حال بھی تحریر کیا ہے جس میں خاندانی حالات زیادہ تر ہیں شاعری کے واقعات سے کچھ علاقہ نہیں ایسا سطر ان کو قلم انداز کرتا ہوں۔ صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ آپ کے مورث اعلیٰ مرزا منور لا بیگ غازی خاں ایران سے بطلب شہنشاہ اکبر دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے۔ بعد چند سے شہنشاہ غازی خاں کے ہمراہ جو پور آکر رہے اور جو پور کے گورنر بنے

ماظم مقرر ہوئے۔ بہت سے موافعات معافی میں پاس لکے اور محمد شاہ رنگبے کے عہد تک اسی طرح معافی میں رہے۔ مگر اب رفتہ رفتہ تمام علاقہ کل گیا کچھ جائیداد برائے نام باقی ہے۔ ان کے خاندان میں سوا لاکھ مرزا صاحب یا ان کے والد کے کسی نے ملازمت نہیں کی اور دربار واداری کے جھگڑوں سے آزاد رہے اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

شک کے ہوئے یوں زخم بدینہ پیدا  
نیش باغ ان کا ہے کرتے میں مئے یکائی  
شان الہ کی ہے اسیں اجارہ کس کا  
جھوٹے لگتا ہے ہر شیخ و برہنہ سکر

رات کو چرخ سے جسطرح ہوں اختر پیدا  
خوش نصیب بایسے بھی ہونگے کیس بند پیدا  
بیضہ راغ سے ہوتے ہیں کبوتر پیدا  
تاہیں سازنگی سے ہوتی ہیں جہر ہر پیدا

یہ ذوق عشق تو دیکھو کہ قیس کے سر پر  
چلے ہیں وہ سوئے گنگا اٹھارے دن تپ  
شب وصال وہ ضد کے ہنسے کہاں چلے  
ہمارا بوٹ بہت ہی شکستہ فنا کر ہے

ہمیشہ ناقہ لیسے سوار رہتا ہے  
اٹھائے بارنزاکت کہاں رہتا ہے  
یہاں معاملہ اکثر ادا عار رہتا ہے  
لگی ہیں آپ کی کوئی چار رہتا ہے

یہ رنڈیاں نہیں چمکا ڈروں کی تالیں  
انھیں کے واسطے یار و خراب ہم بھی ہیں

مزل شاہ مزل کے نام سے مشہور تھے۔ ایک آزاد مزاج و ارستہ  
در علوم ضروریہ سے آگاہ تھے۔ شاہ آبرو کے  
حال فقیر تھے حافظ قرآن لکھتے تھے۔ اقتضائے زمانہ اور تقنین طبع کے لئے  
معاصر تھے نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ ان کے قلم سے نکل جاتے تھے۔ اس رنگ میں  
کبھی کبھی نظریات شعر بھی

ایک شعر دستیاب ہوا جو لکھتا ہوں ۔  
اسے منزل ناز کا گلو ٹا کدا  
شوخی بولا چلے چلے سے چل

مسرت مسرت خاں نام تھا قوم افغان سے تھے کبھی کبھی شعر بھی  
کہا کرتے تھے جسمین اکثر ظرافت ملی جلی ہوتی تھی ایک شعر اس انداز کا ملا ہے  
درج مذکورہ کرتا ہوں ۔  
نہ وہ بانگوں میں گنا جائے نہ بیڑ میں بیٹوں  
خانہ جنگی تھیں ہی چہ سداست کے ساتھ

مسٹر۔ سید ضیا علی نام ہے بدایوں کے رہنے ہیں جناب قمر بدایونی کے  
شاگردوں میں ہیں ۔ ثقہ طریف میں آپ کا کلام چھپا ہے اسی سے چند اشعار  
منتخب کر کے نقل کرتا ہوں ۔

راجا یہ اندھیر کیا بزم بہارِ فرخ میں تھا  
ٹھکان لی تھی میں نے میں بھی جلیانے جاؤنگا  
آج اسکی صوبہ داری کا معما کھل گیا  
سالٹ انسپکٹر کی دعوت توبہ توبہ الاماں  
کھا گئے یہ کہہ کے تہ دہ گئی دپوری یک کی  
ایک سی داڑھی تھی اور ایک ہی مچھیں تو پھر  
غیر تو دل لال میں تھے اور میں آنگن میں تھا  
جب سنا میں نے کہ وہ بہت خانہ دشمن میں تھا  
روٹی ٹکڑے پر ملازم وہ کسی ٹہن میں تھا  
ایک مٹھی بھر مکاٹ طشتری سالن میں تھا  
دہ مخن میں نہ تھا جو ڈالنے کھرچن میں تھا  
ظاہر کیا فرق مولا بخش رکھنڈن میں تھا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا  
کون سی ایسی برائی تھی جو دشمن میں تھی  
گارڈ صاحب نے برک میں کھ کے چلتا کر دیا  
سائیکل اسٹرنے دی تھی مگر سٹرن تھا  
لڑے تھا چوکھٹ نہ تھا بوم نہ تھا یا لاغ تھا  
یہ نہ سمجھے آدمی تھا میں کوئی بٹل نہ تھا

کالی مرغی دیکھی ٹھٹھریں تو مجھوں نے کہا  
 باپ ماں نے پاؤں میں شادی کی پٹری لڑی  
 ٹھٹھا سے چلتے وہ میرے ساتھ ہنر میں  
 داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے  
 مسٹر نے اپنے کسی دوست کے لئے سہرہ بھی لکھا ہے جس کے بھن بھن شعر  
 بہت خوب ہیں۔

شیخ صاحب نے جو باندھا ہو کر سہرا  
 بکرتہ کار کو امداد کی حاجت کیا ہے  
 کوئی کہتا ہے گیا وقت نہیں آتا ہے  
 عمر کو دیکھ کے نوشہ کا ادب کرتا ہے  
 کمد و مالن سے کہتے رہے لڑیاں ٹر  
 ایک گز چھوڑے دد گز کی ہر ابر سہرا  
 کمد و نوشاہ سے خود باندھ لے اٹھ کر سہرا  
 پھر بندھا لوٹ کے نوشاہ کے سر پر سہرا  
 بے سبب پاؤں پر مٹا نہیں چکا گھر سہرا  
 رہ نہ جائے کہیں داڑھی میں الجھ کر سہرا

مصحفی شیخ غلام محمدانی نام تھا۔ امر دہر کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر کا بیشتر  
 حصہ لکھنؤ اور دلی میں صرف ہوا۔ شاعرانہ کمال اور علم و فضل میں معاصرین حتی کہ  
 میر اور سودا سے ہرگز کم نہ تھے۔ بلکہ اگر بعض باتوں میں ان کو ان کے مشہور معاصرین  
 پر ترجیح دیجائے تو قباحت نہیں ہے۔ تمام اصناف سخن پر قادر تھے۔ نہایت ذکی  
 قوی الحافظہ زود گو تھے یہاں تک کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ غزلیں کہہ کہہ  
 فروخت کرتے تھے۔ اور یہ دستور تھا کہ جہاں کوئی مشاعرہ ہوتا یہ بہت سے شعرا سی زمین  
 میں کہہ کر رکھ لیا کرتے اور پھر گاہوں کے ہاتھ حسب حیثیت شعر فروخت کر دیتے۔ دو  
 تذکرے اردو وفادسی شعرا کے۔ اور چھ دیوان اردو ایکسا دیوان فارسی ان سے  
 یادگار ہیں۔

مصطفیٰ نے ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دلی کا رخ کیا اور وہیں علوم رسمیت اور ضروری کی تکمیل۔ شاعروں اور شروحن کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے مگر جب دلی کے عروج کا زمانہ رو بہ زوال ہوا اور اہل کمال ایک ایک کر کے اسکے در و دیوار کو الوداع کہتے ہوئے ادھر ادھر چلے گئے۔ تو مصطفیٰ کا بھی جی اٹھ گیا اور لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں اگرچہ روز نہایت عسرت اور پریشان حالی میں گزارے آخر کار مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں ملازم ہو گئے اور کچھ در ماہ بھی مقرر ہو گیا۔ انہی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ میں ان کی شاعری کا سکہ جما اور وہ ہرے بالکالوں کے ساتھ لوگوں کی زبانوں پر ان کا نام بھی اُٹنے لگا۔ پھر تو وہ شہر ہوا کہ نامی معاصرین ان پر شکاک کرنے لگے۔ حسد اور بغاقت کی آگ لوگوں کے دلوں میں بھڑک اٹھی۔ چنانچہ جہانگیر شکوہ معلوم ہو سکا واقعہ یہ ہے کہ مصطفیٰ کبھی کبھی ظرافت کے اشعار کہتے تھے مگر جو کے ناپاک اور گندے مضامین سے اپنی زبان اور بیان کو آلودہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن زمانہ کے مشہور زمانہ ساز شاعر انشا کی بیجا شویخوں۔ اور بر رنگیوں نے ان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اور وہ وہ کچھ کھلا کر چھوڑا جس سے آج ان کو بھی ایک سچو گوئی کا مشاقی شاعر ماننا پڑتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا مرزا سلیمان شکوہ کی غزلیں ہمیشہ مصطفیٰ بنایا کرتے تھے۔ اتنے میں وہ زمانہ کیا کہ انشا بھی لکھنؤ پہنچے انشا کو سب جانتے ہیں کہ وہ صرف شاعر ہی تھے زمانہ سازی اور بہرہ دہ میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے حسب ضرورت نقالی کرنے میں بھی ان کو کوئی عار نہ تھا۔ رنگیلے۔ دنیا بھر کے جلسوں میں شریک ہونے والے تھے شدہ شدہ مرزا سلیمان شکوہ کی محفل میں بھی ان کا گزر ہوا۔ کون نہیں جانتا کہ عیش و مسرت کے جذبات اس کلام سے اور بھی ابھرتے ہیں جس میں رنگینی۔ شہسود پن فواحش۔ زوال کی چاشنی ہو۔ انشا کے یہاں اسکی کیا کمی تھی انہوں نے مرزا

سلیماں شکوہ کو وقت بوقت اپنی سر ملی آواز میں اُسی لب و لہجہ کے ساتھ مختلف قسم کی شاعری کے انداز دکھائے۔ کچھ وجاہت ظاہری۔ کچھ انشائی خرابصورتی کچھ نواب کی مصاحبت کی عزت کچھ بدلہ سخی۔ ظرافت آبائی۔ کچھ مزاح شناسی وغیرہ یہی چیز تھی جنہوں نے شاہزادہ مذکور کو ان کی طرف زیادہ متوجہ کر لیا غریب ثقہ متین۔ مہذب۔ جذبات حزن و انقیاض ادا کرنے والے عسیر الحال تنگدستی فقر و فاقہ میں بسر کرنے والے۔ متین اور مہذب سنجیدہ بزرگوں کی آنکھیں دیکھنے والے بڑے مصحفی کے یہاں یہ چیزیں اول تو تھیں کہاں اور اگر تھیں تو تہانت علم۔ شرافت کے تودے کے نیچے دبی پڑی تھیں۔ نتیجہ دہی ہوا جو ہونا تھا۔

سلیماں شکوہ یا تو ان سے پھر گئے یا پھرے نہیں تو انشائی چکنی چپڑی خوشامدانہ باتوں کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ کچھ تنخواہ بھی کم کر دی۔ جس پر غریب بڑھے نے جھک کر یہ شعر کہے۔

چالیس برس کا جو چالیس کی لائق	تھامر دم مہم کہیں دس برس کے لائق
اسے دسے کہ پچیس کے اب پانچ میں بیٹے	ہم بھی تھے کہیں دس تو پچیس کے لائق
استاد کا کرتے ہیں امیر ایک مقرر	ہوتا ہے جو درما کہے شاہنشاہ کے لائق

اسی واقعہ کے بعد سے انشا اور مصحفی میں ایک رنجش کی بنا پڑ گئی۔ مگر ابھی یہ رنجش دلوں سے دباؤں تک نہ آئی تھی اتنے میں ایک تازہ واقعہ یہ ہوا۔ کہ انہوں نے ایک خزانہ لکھی۔

زہرہ کی جو انکی گفت و آواز میں انکی  
کی رشتہ جادیدہ ہارو میں انکی

اسی خزانہ میں بعض بعض شعر ایسے تھے جنہر سید انشا کو اچھے خاصے مسخر کا موقع مل گیا۔ اور بڑھے کو خوب بنایا گیا۔ مثلاً ان کا مقطع تھا

تھا مصحفی یہ مائل گر یہ کہ پس از مرگ  
تھی اسکی دہری چشم پہ تابوت میں انکی

انشار نے اسکو یوں بنا دیا۔

تھما مصحفی کا ناجو چھپانے کو پس رنگ رکھے ہوئے تھا آنکھ تپا بدھیاں انگلی  
پھر کیا تھا۔ بات کا ہنسنا بن گیا جو دن کا لٹو در اتنا کھچا کہ تو یہ ہی تو یہ۔  
مگر ان سب کو نہ ہمارے تذکرہ کے لئے کوئی بڑا علاقہ ہے اور نہ لکھنا چاہتے ہیں دوسرے  
تذکرہ داروں میں موجود ہیں وہیں سے دیکھ لیجئے۔ میں کچھ ظریفانہ رنگ کے شعر  
لکھتا ہوں۔

دیکھانہ میں نے ہند میں جب کہ پشاور کی لئے برنج لے مصحفی حج اپنی پشاور گئی  
کیوں نہ دل نظارگی کا جائے لوٹ لکھتو میں حسن کی بندہ ہی ہو لوٹ  
آزاد نے لکھا ہے کہ ایک سقنی کو دیکھ کر شیخ صاحب کی شوخی طبع کے مصحف  
میں پانی بھر آیا ہے۔ اس غزل کے چند ظریفانہ شعر ملاحظہ فرمائے۔  
پانی بھر ہے یاریاں قمری دوشالا ننگی کی سچ دکھا کر سقنی نے مار ڈالا  
کاندھے پر شک لیکر جب قدم کو ختم کئے ہو کافر کا نشہ حسن ہو جائے ہے دو بالا  
وریائے خون میں کینہ کریم تیم قدر تو میں ننگی کے رنگ سے جب وہاں تاک کر ہوا بالا

ناچی ہو تری عالم لاہوت میں انگلی  
حایک کی گرفتار ہو جوں سو ت میں انگلی

اے عالم لاہوت میں انگلی  
حایک کی گرفتار ہو جوں سو ت میں انگلی

اُس کے در پر میں گیا سوا گناہ نہ تو کہا  
سرگرم سیر گلشن کیا خاک ہوں کہ اپنا  
چنے عاشق نہ کیوں اسکے مومے  
جزاک انڈر نیا تو نے صیاد  
چل بے چل دور ہو کیا لیکے تھکا  
نزلہ سے سو رہا ہے آپ ہی دماغ ٹھنڈا  
کہ چشم شوخ اُسکی ہے مولا  
تقص میں اذپے بلبل ہند ملا



انشائی سحر زوریاں اور ستم ظریفیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو انھوں نے یہ رجز  
 کہہ کر انشاء کو چڑایا انشاء نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور خوب جواب دیا۔  
 دانش پہ نگہ نہ اپنی جو کرتا ہے بہ شدت وہ شخص ہے والد کہ بھوں مرے آگے  
 میں گونہ سمجھتا ہوں سدا کی صدا کو گریوں اٹھے ادھی کی چوں چوں مے لگے  
 قدرت ہے خدا کی کہ بے آج وہ شاعر طفلی میں جو کل کرتے تھے غاں غوں مے لگے  
 موسیٰ کا عصا مصحفی ہے خامہ مرا بھی کہ خصم بنے اسود افیوں مرے آگے  
 مصحفی کا ظریفانہ کلام اگر تمام دواوین سے انتخاب کیا جائے تو کافی  
 تعداد میں نکل سکتا ہے گزشتہ نمونہ از خرد اسے سمجھ کر چھوڑنا ہوں۔ دوسرے  
 یہ کہ ان کے کلیات کا ملنا بھی بہت دشوار ہے۔ مصحفی نے ایک طویل عمر پا کر  
 ۷۰ سالہ میں بمقام لکھنؤ وفات پائی۔

م۔ ع۔ اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جب کانگرہ میں زلزلہ  
 سے نقصانات ہوئے تو آپ کے عجیب و غریب خیالات کو اس طرح جنش  
 ہوئی۔ لا غلط فرمائے۔

کیا نہیں اس فتنہ محشر کی ٹھوکر زلزلہ  
 اسے سنگر تو دکھائے الکو چکر زلزلہ  
 لے عجب چا پانی روس مہر زند چھوڑ کر  
 آمد آمد پھر کس پر کا لہ آفت کی ہے  
 ایک میں کیا ساری دنیا کا مقلد ہی بھی  
 اسے بت کافر تیری چالوں سے اکثر نہیں  
 مضطرب دل تم گئے دلدار انگڑے ہو گئے  
 پوچھ لینا اب کے جو آئے کمر زلزلہ  
 جو سمجھتے ہی نہیں آتا ہی کیونکر زلزلہ  
 ہند ہی میں کیوں رہا کرتا ہی اکثر زلزلہ  
 پھر جہاں میں آنے والا ہی مقرر زلزلہ  
 دو قدم رہتا ہے چھپے آنے ہنکر زلزلہ  
 آتا جاتا ہی برابر زلزلہ پر زلزلہ  
 اب جہاں میں آئیگا کیا خاک پھر زلزلہ

چکے چکے آسکے تھے ہاں بھولا شام کا  
 ہاں یہ تقریب سیاحت ہو یہ بھان میں  
 صبح کو آیا کہیں راتیں گوا کر زلزلہ  
 آجکل آیا ہے شملہ سے اتر کر زلزلہ  
 کتبہ دل ڈھ گیا اصرام ٹھڈ سے ٹوٹ گئے  
 اللہ اللہ اب کرے گوشتہ میں بکھر زلزلہ  
 پاؤں پڑنے والا ہے اک حشر زانقار کا  
 فتنہ عیسیٰ سے ہے دو ہاتھ بڑھ کر زلزلہ

**معروف** ذاب الہی بخش خاں نام تھا فخرالدولہ ذاب احمد بخش خاں بہادر  
 والی کے چھوٹے بھائی تھے دہلی میں رہتے تھے۔ چونکہ اوائل عمر سے درویشوں  
 اور اولیاء اللہ سے ملنے کا زیادہ شوق رہا اسوجہ سے آخر میں دنیا کو ترک کر کے  
 طاعت و عبادت میں زیادہ مشغول و مصروف رہتے تھے شعر و شاعری سے  
 اوائل عمر سے شوق تھا۔ نہایت مشاق قاصر الکلام تھے۔ آزاد نے اکھبات  
 میں انھیں ذوق کا شاعر لکھ دیا ہے مگر یہ اتہام ہے ذوق سے ان کی مشق  
 ہرگز کم نہ تھی بلکہ قابلیت علمی میں وہ ان سے زیادہ تھے ابتداء میں شاہ نصیر  
 سے اصلاح لیتے تھے آخر میں وہ بھی ترک ہو گئی تھی۔ ان کی تصنیف سے  
 دو دیوان ہیں جو طبع نہیں ہوئے اور نہ امید ہے کہ آئندہ چھپ سکیں گے  
 معروف نے ۱۰۲۷ھ میں دنیا سے فانی کو خیر باد کہہ کر سفر آخرت اختیار کیا  
 معروف مرحوم کوئی ظریف شاعر نہ تھے بلکہ برعکس اس کے اپنے وقار  
 خاندانی اور اپنی صوفیانہ روش کی وجہ سے وہ ایسی باتوں سے قریب قریب  
 اجتناب کرتے تھے۔ مگر اس تذکرہ میں ان کا نام نامی صرف اسوجہ سے لایا گیا  
 کہ انھوں نے دیوانوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا دیوان ایک سوا یکا شاعر کا  
 تسبیح زمرہ کے نام سے ترتیب دیا ہے۔ جس میں التزام کیا ہے کہ تمام اشعار  
 میں معشوق کی سبزه رنگی کی تعریف کی جائے۔ اور اس صنعت خاص کو بیات تک

مرغوب سمجھا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے تمام احباب سے فراموش کر دی تھی کہ اگر کوئی مجاورہ وغیرہ سبزی کاٹے تو ہکو ضرور بتانا۔ اس میں اس قدر اہٹاک تھا کہ شاہ محمدی پاس کے ایک شاگرد بھروسے خاں متخلص بہ آشفقت نے کوئی شعر کہا جس میں ہری چنگ (جو ایک جالور ہوتا ہے) کا لفظ آیا۔ لڑاب صاحب نے بھی اتفاق سے وہ شعر سنا چونکہ اس وقت تک ان کے یہاں یہ لفظ نہ آیا تھا لہذا سور و پیہ دیکر یہ لفظ خرید لیا اور موزوں کیا جو آگے چل کر لکھا جائے گا چونکہ ہم اس سے پہلے آبنوس کے اشعار لکھ چکے ہیں جنہوں نے یہ التزام کیا ہے کہ کوئی شعر سیاہی سے خالی نہ ہو۔ اس لیے یہ بھی ضروری سمجھا کہ صلیح زمرہ کے اشعار بھی نقل کئے جائیں۔ گو آبنوس کے یہاں ظرافت بھی شامل ہے اور ان کے یہاں یہ کچھ بھی نہیں مگر صرف اس قسم کے اشعار بھی تفریح طبع کا سامان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ صنعت جس کا شاعری میں التزام کیا جائے اور تشدد کے ساتھ اس پر قائم رہ جائے وہ خود بخود ایک قسم کی ندرت کے ساتھ ظرافت خیز ہو جاتی ہے۔

کے تھا سبزہ رنگ لکھم بھر و اپنے جینے کا	نشانی گزرا ہوتا نہ چھپلا سبزینے کا
بسکہ سبزہ رنگ ہر قابل مرا	نت ہزار رہتا ہے زخم دل مرا
کوں یہ لیکے ہاتھ میں سبز کماں آگیا	ابرے سبزہ رنگ کا پھر مجھے دہان آگیا
سبزہ رنگوں کی جو میں الفت میں ڈار ہوا	خط صفرا یاں ملک بگوا کہ رنگاری ہوا
حرف سبز اب تم سے ہنھ سے ہو مکتا بیہ ہ	سبزہ رنگ آج ہو تو زہر انگلتا بیہ ہ
سبزہ رنگ آگے بڑھا تو جو سے ساتھ سے ات	کیا کہوں آٹھ گئے طوطے سے سے ہاتھ کے ات
قتل کی کچھ میرے سبزہ رنگ کہ تیر کج	دل مرا چاہے ہو سیر سبزہ شمشیر آج
سبزہ رنگوں کے فریب میں لایا بی طرح	عشق نے پھر سبز باغ اسکو دکھایا بی طرح

جبکہ طفلی میں امانوں کا بنایا فقیر  
 دلاست دوڑ تو ان سبزہ رنگوں کی صفائی پر  
 سبزہ رنگوں کی صفائی پر ہیں یوں خسار سبز  
 کافی ملدو تم مجھے آگے خدا شافی ہے بس  
 دہیان میں یوں ہوں سبزہ رنگ کے غرق  
 تری سبزہ رنگ ایسی صورت ہے صاف  
 سبزہ رنگ نہ اپنا ہو کہیں جی مائل  
 کیوں غش نہ سبزہ رنگ پہ دل سے ملام ہوں  
 آج یہاں کل دہاں گدے یوں ہی جگ ہیں  
 اس سبزہ رنگ تھوڑے لے میرے پان تو  
 یہ حالت غم میں ہو ان سبزہ رنگ کے مرے جی کی  
 سبزہ رنگوں سے محبت ہے مجھے وراثت کی  
 اس جڑ ہاپے میں بھی کم ہو نیلے لہری ہسے  
 یارب سبزہ رنگ کا ابل میں غم پھر آیا ہو  
 زور طراوت آنکھوں میں ہو دالم چھاتی ٹھنڈی ہو

تھا اسی دن سے عا کو سبزہ رنگوں کا فقیر  
 پھسل جاتا ہی اکثر آدمی کا پاؤں کاٹی پر  
 دل میں چوں صوفی صافی دل کے پہاڑ اور  
 دل جلوں کو سبزہ رنگوں کے بیسی کافی ہوں  
 جوں نشے میں ہو کوئی بھنگ کے غرق  
 زمرہ کی گو یا کہ مورت ہے صاف  
 اس برس رنگ ہے زور زکا سبزی مائل  
 میں حضرت امام حسن کا غلام ہوں  
 کھوے ہر سبزہ رنگ اس سے ہری چگ ہیں  
 یہ برگ سبز تحفہ درویش جان تو  
 چمن میں زہر لگتی ہے مجھے آواز طوطی کی  
 چاہتا ہوں ہر جگہ سرسبزی اپنی بات کی  
 سبزہ رنگوں سے چھنا کرتی ہے گری ہسے  
 کبھی و خیر اس بھی کی یہ سبزہ قدم پھر آیا ہے  
 یاد میں سبزہ رنگوں کے دل کیا ہی سبزی شدتی ہے

مقصود و مقصود بیگ نام تھا لکھنؤ کے رہنے والے ادب باش مزاج شخص تھے ہزل گوئی  
 میں مشاق تھے چنانچہ ذاب مصطفیٰ اخاں صاحب تذکرہ گلشن بیجا میں لکھتے ہیں "از  
 سو قیان لکھنؤ است - خرافاتش نہ سزاے انست کہ وہاں اوراق مذکور گردہ اماچوں  
 زشتہ اند نوبتہ شد" ان کا صرف ایک شعر تذکروں میں ملتا ہے -  
 بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہیں کیوں مفتوحین بوسہ دہنے سے کہ دونوں کو مزا ملتا ہو

مفروض شاعر اودھ پینچ سابی کے ایک غنموں نگار نے اسی نام  
 نا۔ پینچ داغ لکھی ہے جو بکبندہ درج کیجاتی ہے۔ انوس ہے کہ ان کا نام  
 معلوم نہ ہو سکا۔ داغ کی ہجو کا سلسلہ تاریخوں کی صورت میں مدت تک  
 قائم رہا تھا اسی میں سے ایک یہ ہے۔

ایسی تھی جیسے زاغ کی صورت	کہتے ہیں لوگ داغ کی صورت
ہے وہ اکا جڑے باغ کی صورت	نام گلزار داغ ہے جس کا
ہوں مرا پا اباغ کی صورت	تم کہیں دو بھلی شہر بہت دینا۔
سر بسر ہے داغ کی صورت	اے ہمغز تاریل کی طسرح
غم سے کیا مو فراغ کی صورت	آنکھ گئے اے داغ دنیا سے
جل رہا ہوں سپراغ کی صورت	داغ کے غم سے بزم ہستی میں
میں نے دیکھی ہے داغ کی صورت	چشم بد دور واہ کیا کہنا

منیر۔ سعادت یا خاں رنگین کے شاگرد تھے آفتاب خاں نام تھا دہلی کے  
 رہنے والے تھے ایک شعر ان کا تذکرہ میں ملتا ہے چونکہ بیان  
 سلسلہ النظرفا میں بھی یہی شعر درج ہے اس واسطے صرف اسی شعر پر اکتفا کرتا ہوں  
 ایک شعر سے ایک ضعیف سا احتمال ہوتا ہے کہ یہ ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔  
 جی چاہتا ہے زلف کا تیری ہاں کہیں شانے کے دانت توڑے کے اپنی زباں کہیں

منجور۔ منشی اسد اللہ نام تھا۔ چیمپڑ جو بھگلی کے متصل ایک قصبہ ہے وہیں  
 رہتے تھے منشی علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مولوی عبدالغفور نساخ کو  
 اپنا کلام دکھاتے تھے۔ ریختی گوئی میں نہایت مشاق تھے۔ اور اس میں دکانا

تخلص کرتے تھے چونکہ اصل میں یہی تخلص تھا۔ لہذا حرف میم میں اس کا ذکر کیا گیا۔  
 سو بہانے تھے گر آتے تو ہزاروں ڈھب تھے لاکھ صورت سے اجی بات بنائی ہوتی  
 کل آنے جو محفل میں کہا میں نے کہ فاضل جینے کے ترے غم سے مجھے پڑ گئے لالے  
 سنتے ہی لگے کہنے وہ مخور بھوں سے لو اور سنو یہ بھی ہوئے چاہتے والے

رات کو اک نگوٹے نٹ کھٹانے معن میں پاکسے بے حجاب مجھے  
 مچھیاں لیں گلے سے لپٹا کے پھر لیا زانو میں داب مجھے  
 لہنتیں کیں ہزاروں قسبیں دیں کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

موج۔ خدا بخش ایک مشہور گویا تھا جو اکبر آباد کا رہنے والا تھا۔ مگر بیشتر حصہ  
 عمر دہلی میں گزارتا تھا آخر میں لکھنؤ چلا آیا تھا۔ اور یہیں انتقال کیا۔ اسکو ظریف  
 لکھا ہے۔ مگر اس کا کوئی شعر جو رنگ ظرافت میں واقعی مہول نہ سکا لہذا ایک شعر  
 جو تندرہ میں درج ہے اور اس میں ایک ہلکا سا ظرافت کا رنگ ہے درج کیا  
 جاتا ہے۔

لاکھوں کٹوا دئے سر آن میں ہنستے ہنستے اے مری جان کوئی تو تہ تماشیا نکلا

مولانا مانی۔ ادیان تھکوسے متعلق تھے اور کبھی سے اور کبھی ہمدان میں  
 رہتے تھے۔ اپنے اشعار پر بڑا ناز تھا۔ مطالبات کہنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ایک  
 قطعہ تذکرہ آتشکدہ سے نقل کرتا ہوں۔

دی بہ حمام اپنے غسل جماع گشت بہر طالع میمون من  
 کیسہ مائے باسیرین چوں بلور بہرالش گشت پیرامون من

چول مراد بر رو نگند از اشتیاق      جملہ شہوت گشت در تن خونمن  
 طرفہ ... بر سر ... م نہاد      کاش بودے ... او دور ... من

مہتر - عبد السمیع نام تھا۔ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ نہایت خوش  
 تقریب نیک مزاج۔ بلند حوصلہ آدمی تھے۔ جس زمانہ میں تحصیل علوم فارسی  
 وغیرہ سے فراغت پائی اور انگریزی کی طرف توجہ کی تو شاعری کا بھی شوق دامنگیر ہوا  
 چنانچہ خود بیان کیا کرتے تھے کہ متعدد غزلیں کہیں۔ مگر دیکھا کہ کہنے والوں نے اتنا  
 کچھ کہہ دیا ہے۔ کہ اسی رنگ میں شعر کہنا نہ صرف فضول ہے بلکہ مقدمین کا منہ چڑانا ہے  
 اسی خیال کو پیش نظر رکھ کر کچھ دہڑوں کے لئے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ مگر جذبات کا اہلکار  
 اور فطری ذوق دب کر نہ رہا۔ اس طرف سے توجہ کم ہوتے ہی ظرافت کی طرف بہ نکلی۔ چرکین  
 سکارنگ پسند آیا۔ اور اسی میں کہنا شروع کر دیا۔ مگر صرف تعفن طبع کے طریق پر اس  
 مشغلہ کو جاری رکھا۔ نہ کبھی اپنے کلام کو جمع کیا اور نہ کہیں چھپوایا۔ چند روز کے بعد یہ بھی زہا  
 پھر برسوں شعر کی نوبت نہ آتی تھی سلسلے میں ایک روز مسجد سے نماز پڑھ کر محل رہے تھے  
 کہ ایک شخص نے چاقو مار دیا اور اسی میں فوراً جاں بحق ہوئے۔ ایک مرتبہ میں نے  
 اصرار کیا تھا تو یہ شعر سنائے تھے۔ جو اب تک حافظہ میں محفوظ ہیں۔

مہتر تمہاری جھاڑ دے افسوس آج تک      سبزہ ہے رخ پہ یار کے اور صاف بھی نہیں  
 مہتر یہ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی      بیت اٹھلا کے پاس ہمارا مزار ہو  
 ہکو اسے مہتر پسند آتا ہے بس وہ چھو کر      جو لئے پھرنا ہے اپنے ساتھ بچہ ڈکرا

مہری - ہروی الاصل تھی شاہ رخ مرزا گورگان کے زمانہ میں گور شاہ  
 بیگم کی خواہشوں میں مشغول تھی۔ نہایت عقیل اور حسین و جمیل تھی۔ مطایبات

لکھنے کا بھی کافی شوق تھا۔ اور اپنے شوہر خواجہ عبدالعزیز کے ساتھ چودہ باری اطباء کے درمے میں ملازم تھے نہایت مذاق اور مستحضر کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ خواجہ مذکورہ آ رہے تھے اور مہری اپنی بیگم کی مصاحبت میں بالاخانہ پہنچی تھی بیگم نے خواجہ صاحب کو آتے دیکھ کر اور خواصوں سے کہا کہ خواجہ کہ جلد بلا لاؤ۔ چنانچہ خواصوں نے خواجہ سے جا کر کہا کہ جلد جلد چلئے بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔ حکیم صاحب نے حالت اضطراب میں جو جلد جلد چلنے کی کوشش کی۔ تو گر پڑے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بیگم کے انبساط طبع کی وجہ سے دانستہ ضعف کا بہانہ کیا اور پیرانہ سالی کی حرکتیں کرنا شروع کیں بیگم بہت ہنسی اور مہری سے فریادیں کی کہ اس حالت کو نظم کر کے عرض کرے۔ مہری نے حسب الحکم یہ اشعار کہے۔

مرا باتو سہریاری نماؤ است      دل مہر و وفاداری نمائندہ است

ترا از ضعف پیری قوت و زور      چنانکہ پاسے برداری نمائندہ است

بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ مہری کو سلطان شاہ رخ مرزا کے بھانجے سے بڑی محبت تھی اور اس محبت پر لوگ ناجائز تعلق کا گمان رکھتے تھے۔ یہ قصہ ایسا مشہور ہوا کہ خواجہ عبدالعزیز کو بھی خبر ہو گئی۔ اور شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہنچی چنانچہ شوہر کی استدعا پر بادشاہ نے مہری کو قید کر دیا۔ مہری نے اسی حالت قید میں یہ رباعی کہی

شہ کنندہ نہاد سر و سیمین تن را      زیر واقعہ شیوں است مرد و زن را

افسوس کہ از کنندہ نخواستہ و فرسودہ      پاسے کہ دو شاخہ بود صد گردن را

ایک روز شوہر نے اپنے یہاں کی عیش و عشرت پر توجہ دلائی اور اس کے ساتھ ہی مہری سے اسکی مینوائیوں کی شکایت کی۔ مہری نے برجستہ یہ رباعی کہ کر خواجہ صاحب کو سنائی۔



در خانہ تو انچہ مرا شاید نیست      بندے ز دل ریدہ بکشاید نیست  
 گوئی ہمہ چیز دارم از مال و مال      آسے ہمہ بہت انچہ میاید نیست  
 اسطرح ایک مرتبہ میاں بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ بڑھے شوہر کی زبان میں  
 زور آگیا تھا جو چاہتا تھا کہتا تھا۔ مہری پہلے تو سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتی رہی  
 مگر جب غصہ ضبط کی حدوں سے باہر ہو گیا۔ تو یہ رباعی کھینچ کر کہنے لگی۔  
 شوئے زن نوجواں اگر پیر بود      چوں پیر بود ہمیشہ دگر پیر بود  
 آسے مثل است آنکہ گویند زناں      در پہلو سے زن تیر بہ از پیر بود

مہستی۔ گنجہ کی رہنے والی تھی نہایت شریف النسب تھی۔ بعض لوگوں  
 نے اسکو نیشاپوری لکھا ہے۔ مذکورہ آتشکدہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ  
 عورتوں میں ایسی شاعر کا کوئی نہیں ہوئی۔ سلطان شجر کے مصائب میں منسلک  
 تھی۔ نہایت زود گو حاضر جواب بڑے سنج تھی۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ پہلے  
 کے جاٹے میں جب برف خوب گر رہی تھی۔ درو دیوار سفید ہو رہے تھے سرد  
 ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ رات کے وقت کسی ضرورت سے بادشاہ نے  
 مہستی کو تھوڑی دیر کے لئے باہر بھیجا۔ جب واپس آئی تو جاٹے کی وجہ سے سرگئی  
 تھی۔ بادشاہ نے مذاقاً کہا کہ اسوقت باہر کا کیا حال ہے۔ مہستی نے فی البدیہہ  
 یہ رباعی نظم کر کے سنائی۔

شاہ فلک سب سادات زیر کرد      در جملہ خسرواں تراختیں کرد  
 تا در حرکت سمند زیر نعلت      برگل نہ نمد پاسے زمین میں کرد  
 اس کا کلام عبد اللہ اوزبک کے فتنہ کے زمانہ میں خصوصاً شیخ سراہن کے  
 دست خط سے ہو گیا۔ اس کے مطاببات کا نمونہ یہ ہے۔

بگلند و گشت گفتیش مرا	قصاب چنانکه عادت اوست مرا
دم میدهم تا به کند پوست مرا	سرایان به عذر می دهند بر پانجم

گفتا ز سر کینه که این واقعه چیست	قاضی چو زلفش حامله زار گریست
وین قحبه مریم است این بچه ز کیست	من پریم و... من نمی جنبه می بچ

صد چوب مثل خوری دتیر نه دهی	آنی که منو هیچ کس تو چیر نه دهی
گر بر شکمت نهند تیر نه دهی	نخله که اذو روغن بزرگ گیرند

Handwritten signature or mark.



## حرف نون

ناجی - محمد شاہ کا نام تھا۔ بڑے حرفین و ظریف تھے۔ نادر شاہی طوائف میں  
زندہ تھے۔ سب تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ زمانہ کے دستور کے موافق یہ  
ظرافت اور پھڑکے شعر زیادہ کہتے تھے۔ میر تقی میر اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں  
”جوانے بود آبلہ رو۔ سپاہی پیشہ مزاجش بیشتر اکل بہ ہزل بود معاصر سیاں  
آب رو۔ بندہ بالادیک و ملاقات کردہ بودم شعر ہزل خود میخواند۔ و مردمان را  
بخندہ می آورد و خود نمی خندید۔ مگر گاہے تبسمی میکرد۔ و طلق شاہ جہاں آباد  
جوان از جہاں رفت“ اسطرح میر حسن۔ اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔ ”دراوکل  
سلطنت محمد شاہ مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف و ظرائف مردمان را  
بخندہ می آورد و خود نمی خندید۔ مگر تبسمی میکرد“ اسطرح آزاد اوجیات میں لکھتے  
ہیں۔ ”اہل سخن نے انھیں طبقہ اول کے ارکان میں شمار کیا ہے۔ امیر خاں جو  
محمد شاہی دربار کے رکن اعظم تھے یہ اُن کے نعمت خانہ کے دار و عنبر تھے مگر تیز مزاج  
اور شوخ طبع بہت تھے۔ راہ چلتے سے ابھکتے تھے اور جس کے گزرتے ہوتے تھے  
اُسے پچھا چھڑانا شکل ہوتا تھا۔ سندرہ بالا بیانات سے اُن کی شوخ طبعی اور  
ظرافت مسلم ہوتی ہے۔ مگر کیسی مصیبت ہے ظرافت کے تذکرہ لکھنے والے اسطرح  
کہ ایک شخص نے بھی ال میں سے ظرافت کا ایک شخص نقل نہیں کیا مجبوراً انھیں  
متین اور مذہب اشعار میں سے کچھ ایسے شعر انتخاب کرنا پڑے جن پر ان کی شوخ مزاجی

کی مہریں لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اگرچہ وہ سراپا رنگ ظرافت میں نہیں ہیں۔  
پھر بھی سب کچھ ہیں۔ گو کم ہیں مگر نمونہ کے لئے بہت ہیں۔

بے لڑاؤں سے نہ ملے ہو کر مست پیچ کھا	مونڈ سر لڑکوں کو کرتے ہیں ہ اپنا بال کھا
رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تک بولا	چلی جاتی ہے فرمائش کبھی یہ لالچی ہ لا
اگر ہو وہ بیت کا فر کبھی اشتان کو تنکا	بھنور میں دیکھ کر چمٹا اُسے غوطے میں جا گنگا
نہ تو کو پار کو کہ خط رکھتا یا منڈاتا ہی	مے نشہ کی خاطر لطف سبزی بنا تات
جو کوئی کچھ کے پگھل جلت	شہر و ہ چاراموم کی ناک
ہیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہہ کے دیا	سب جھٹوں سے دہندہ کیا ہے انھیں چٹم ہیں
جان ہے جوڑا ہے دہر ہے	پر یہ مشکل کہ طالب نہ رہے
لب جان بخش آگے تیرے سخن	جو مسیحا کا نام لے خرس ہے
جہاں دل بند ہونا جی کا دیاں اپنے خلیئے	رقیب لا دل نہ واضح گویا لڑکوں کا باواہر

ناز سید جن نام ہے۔ تکیہ ضلع راس بریلی کے رہنے والے ہیں۔ دور موجودہ  
کے خوشگو ظریفوں میں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگوں میں شعر  
شعر کہتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی۔ اور قدس ہندی جانتے  
ہیں۔ جس زمانہ میں لکھنؤ میں قیام تھا۔ راقم الحروف کو اپنا کلام دکھاتے تھے  
اب دو تین برس سے نہ ملاقات ہوئی نہ کوئی کیفیت معلوم ہوئی۔ ناز ایک دوست  
آشنا۔ نیک مزاج۔ نیک نفس آدمی ہیں۔ لکھنؤ کے اکثر مشاعروں میں ہزل  
اور غزل دونوں پڑھا کرتے تھے۔ اب نہ معلوم ظرافت کہتے ہیں یا نہیں۔ ان کا  
کلام میرے پاس موجود نہیں ہے مگر تذکرہ قلم گلی سے نقل کیا جاتا ہے۔  
اس کے علاوہ اور جو شعر یاد آئے گا وہ لکھ دیا جائے گا۔

ہزاروں اور اچھی اچھی چیزیں تھیں مگر اس چوٹی والے کو میرا دل پسند آیا  
 رسی ٹہنی کے چھچھے کھینچنے ہیں یہ شکار اکثر  
 جناب شیخ کو انداز ریشا اسل پسند آیا  
 ہماری گردش قسمت لکھاتی ہے نہیں ملے  
 فلاوریل کو بھی انداز پیرل پسند آیا

قیمہ کرنے کے لئے یا س جو قاتل آیا  
 فعل فی فعل کی جب کہ پڑھی صرف کبیر  
 پاؤ بھر ساتھ میں لیتا ہوا فاضل آیا  
 اب پیڈرنہ کو دو ٹھکے لیڈر کا خطاب  
 ساتھ مفعول کے پکڑا ہوا فاضل آیا  
 ایک دانہ بھی سچ اس قوط میں ملنا دشوار  
 اتیہ کھدر کا انگریز کھٹا بھی مرسل آیا  
 شکر کر شکر کہ ہونٹو نہ تھے تل آیا

محبوبوں میں نے ڈھیلا چار اگسیٹ  
 سیلی اچک کے پردہ محل میں گئی

اُسے وہ قتل کر دیتا ہے جس دان سے ملتا ہے  
 نسب معشوق کا میرے ہلاکِ خال سے ملتا ہے

سوال وصل پر ان کو خیا آئی حجاب آیا  
 حسینوں نے عجب گلچن مچائی بزمِ زندانیں  
 مگر میں بھی بڑی ہی سخر تھا جو نٹ داب آیا  
 نزاکت کا غور اچھا نہیں ہوتا ہے سن لیجئے  
 کپک کر کھائے فوراً اگر کوئی کباب آیا  
 جوانی میں ہر اک صورت حسین معلوم ہوتی ہے  
 پکڑ کر ٹھونک ہی دو رنگا اگر جھکے کتاب آیا  
 دامن بن جائیگی جسدن گدھی پر بھی شباب آیا

سوزِ دل سے میں چراغِ بزمِ ساقی ہو گیا  
 ہولِ رسالہ میں بھی اک ٹیکہ در تائش کا  
 رات بھر جلتا رہا اوجِ صبح ٹھنڈی ہو گیا  
 اس میں کس کج رخِ پردہ کی چوہہ کی حکمت  
 رات بھر غارِ اوجِ صبح مرغی ہو گیا  
 دد لگی کہنے کہ اوول کیا نوابی ہو گیا

کل جو گریا کھلیں آئے لطف حاصل ہو گیا  
اب انھیں یہ فکر جو اسپر کرے کیونکر ستم  
اب اس بیت کس نے ڈالی تاکہ میں کجی نکل  
دیکھ کیونکر کہیں آفریت بے پیر سے  
وہ مری بھادرج بنے میں انکی بھابی ہو گیا  
اتفاقاً جو تہ کھانے کا میں عادی ہو گیا  
اونٹ ہو وہ یا کہ عاشق ہو بلاقی ہو گیا  
وہ ابھی بچہ میرے اور میرا شاہی ہو گیا

اس طرح کی بہار ہے اب اسے یار میں  
لبلی کے قافلہ میں عجب اہتمام ہے  
مت جاؤ قافلہ کے لئے قبر غیسر پر  
لبلی کے سدا باں کے شتر غرنے دیکھئے  
معلوم ہو گیا سبب اضطراب بھی  
دعوت کے ساتھ ہی مری لاسلے بھی ہوئی  
مگر کد لگی ہو جیسے کسی سہنوار میں  
محزون میاں ہیں دھڑکنی انکی نظار میں  
حما نگیں پکڑے کھینچ جو لیکامزاد چھوٹا  
محزون میاں کے کان بندھتے ہیں غار میں  
وہ کودتے ہیں میرے دل بقیار میں  
بنیگن کے چھلکے ڈالے ہیں آسے بگڑ میں

بیری پر پیر کھائے وہ ماہرو ہمارا  
لےتا تو مروت سے شک بینڈ مانگتا ہے  
کس طرح سے عبادت اب ہو سکے گی دعا  
بندر کی نسل سے ہے وہ خوش گوارا  
ہم ہے پٹا کرانی کیا آبرو ہمارا  
دیکھا آسے تو لڑنا فوراً وضو ہمارا

زاد کا بھی بڑا بابا اچھا رہا چھین ہیں  
کچھ فرق ہی نہیں ہے واڑ ہی ہوا سر ہیں  
جب چاند بج گئے تو بھاگے وہ صیل کی شب  
کیا سحر تھا الٹی ٹن ٹن ٹن ٹن میں

دشمنی کے لئے تیار ہے بلی والا  
کیسا ناہن ہر کج فتنہ ساز ہی نہیں  
کیوں بنایا ہمیں اللہ نے مرغی والا  
تو نہ کو کتا ہر اک تو نا ہے ٹوٹنی والا

شب غم کی تیرگی میں یہ کہا کیا ہوں شب بھر  
رازدنِ احق بنانے میں مرے مشغول ہے  
کیا قلندر رہ گیا میں کیا چھندر رہ گیا  
پیکے منڈی سے دیا پورا مجھے انجور کا  
ڈبیا دیا سلائی فریاد رسِ الہی  
آپ ہیں پوری بیٹھی یعنی خاصے فول ہیں  
یہ کچھ پہلے رکھتا تھا اب ایک بند رہ گیا  
عاشقوں سے کام دہ لینے لگا مزدور کا

دہ بیوفا ہے مگر کتنا خاندانی ہے  
اگرچہ اور بھی غم ہیں ہزار ہا بھگو  
ہر اک کچک میں جو منظرِ آں عیشِ شباب  
یہ کس کے غم میں بنے سو گواہِ اتمِ آخر  
کہ باپ بہشتی حوایاں اسکی مہترانی ہے  
شبِ فراقِ مگر سب غم کی تانی ہے  
کھنچی ہوئی بہت سفاک کی کمانی ہے  
کہ سر کھلا ہوا ہے ساری آسانی ہے

چڑھتے ہیں دو نئے ہزار دہا کے اوپر راتِ نرس  
جب سے دشمن نے پڑیا میں پٹیاں اُس شوخ کو  
تیرہ بختی میں ہماری داغ دل پہ گئے ہیں بول  
یہ نصف کا عالم ہے کہ ہوں کہ نہیں سکتا  
دہ بہت بدخو مزارِ شیخِ سدو ہو گیا  
سچ تو ہے میں تو بس آمدن سے اُٹو ہو گیا  
ناز جیسے اک سیہِ اطلس پہ اُٹو ہو گیا  
مرغا ہوں مگر کوڑوں کوں کہ نہیں سکتا

پیرزن نے جب سنائی مرگِ خیر کی خبر  
کوہ کن کی یہ خبر سننے ہی نانی مر گئی

خیال اُن کا نہ تھا ہے سر پر سوار  
سہرا اٹھتے ہی آہ کرتے ہیں روز  
ہے معشوق میرا جو مجھے بڑا  
اسی وہ جھگوگد معاجا ہے  
تیسہ غم کو نہ ناشتا جانتے ہیں  
اُس سب مری دوا جانتے ہیں

جو ہم خوشی سے کسروں سے منہ لٹے ہیں تو کس غضب کی وہ اگر حیرت لگاتے ہیں  
اسے وہ قتل کر دیتا ہے جس کو اس سے ملتا ہے نسب عشق کا یہی ہلکا کوٹاں سے ملتا ہے

مازنین۔ تذکرہ نساخ میں ان کا نام علی بیگ لکھا ہے۔ مگر تذکرہ  
صابر میں ایک عورت کا تخلص ہے بیان کیا ہے اور یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ  
علی بیگ کا تخلص نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں ”غلط فہمان اداسناس کی  
نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ نام جو ان خوش اسلوب رسم توں بزر و قوت  
سہراب طاقت کا۔ مازنینان کشور جمال اس کے حسن یوسفی پر اگر زنجانی کا دم  
بجھیں کچھ دور نہیں اور نازک نہالان گلشن حسن اسکے گل رخسار کی ناز کی سے اگر  
آپ کو غنچہ برگ بزر تصور کریں تو کیا عجب ہے۔ اس کے خم کے آگے زور از مایان زرش  
خانہ طاقت کا سر جھونکتا ہے۔ اور اس کے لغز مردانہ کے سامنے شیر صولتاں  
بیشہ شجاعت کا دم بند ہوتا ہے۔ اور یاران ابا فہم اور حریفان اداسناس جانتے  
ہیں کہ مازنین نام ہے اس حیلہ آفریں شہیدہ ایجاد کا ناز و انداز و غمرہ طرازی  
و عشوہ سازی گاہ عشاق بے قرار سے لطف کے پردہ میں جان کا خواہاں ہونا  
اور گاہ اغیار نا محرم کی لعل میں بے تکلفانہ سونا الخ“ بھر حال یہ دہلی کے رہنے والے  
تھے اور استاد ذوق کے شاگرد تھے۔ ریختی گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ مولوی  
عبد الغفور نساخ نے ان کے کلام کو جان صاحب کے کلام پر ترجیح دی ہے۔  
یہ صاحب دیوان تھے۔ مگر اب صرف تذکروں میں کلام ملتا ہے۔ دیوان ناپید  
ہو گیا۔ تذکرہ صابر کی ترتیب یعنی ۱۰۰۰ھ تک زندہ اور تحریک دہلی میں موجود  
تھے۔ ذوق سے ان کو خاص محبت تھی۔ چنانچہ ان کی وفات کا قطعہ تاریخ لکھا ہے۔  
جسکے لفظ لفظ سے عقیدت اور محبت کا چشمہ جوش مار رہا ہے۔



ہر نہیں تاز نہیں رنج کرتی کسی کا  
 بلا سے رکھوں شاد دل کو تو اپنے  
 خضم جب سوا لوٹڑیوں کو گر لایا  
 دلیکن جگھے کا لوں سے ہے الفت  
 لکھی اُن کی تاریخ اور یہ ہوا غم  
 اسی رنگ میں قطعات نہایت عمدہ  
 قلم نقل کرتا ہوں۔

یہ تھا ہے آگیا کیا دہیان میں  
 روزِ رہتی ہو اسی سامان میں  
 ناز نہیں اتنا بھی ہر جانی پنا  
 روزِ اک ہر گئے کی میں مہانیاں  
 بندہ کلامِ ربّی یہ ہے۔

یہی عشاق میں مشہور پارسہ سا جوق کا  
 میں اپنے سر کو دھرتی ہوں بوا اور یہ تاشا ہر  
 بیاہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ لہجہ کا  
 ہوا بیٹھا ہے کیا خوش خوش کہ دن یا لہجہ کا

کوئی بیٹھا ہو چکے ہے کام اپنے کام سے  
 سونا کبھی شہر کو میسر نہیں ہوتا  
 ایسا کسی قہر نے بھایا تھا کہ شب بھر  
 میری ناز کھوئی اس مودے نے اگر  
 اے زمانہ مروا ہے بد گمان  
 رات بھر جو ہی بات اور ہی چوہا چاٹی  
 خواہ کی طرح سے ذرا بھی نہ ختم سکے  
 دس گھر تو چھپ چکے ہیں کیا انک کو ختم  
 لے لگو شے آدمی تو تیراں ہو گیا  
 عورت انھیں باؤں سے ترا گھر نہیں ہوتا  
 لیٹا تو رہا پاس یہ کوسوں ہی نہیں تھا  
 اٹھی تھی اے دوا میں کھنچا بھی نہا کر  
 تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں  
 اے دوا ایسے نہ دیکھے پڑا کا بچے  
 تم ایک لہجہ پانی پر کتنا اچھل چکے  
 کس جا بٹھا ہے دیکھے اب کہاں بچے

نازک - دورِ موجودہ کے ایک شاعر ہیں جنہیں ریختی گئی کا بدرجہ اتم خوق  
 ہے پرائیڈ ایک مشاعرہ کہتے ہیں اور اس میں مخصوص شخص اپنے احباب کو بلا رہے ہیں  
 جن میں خوب خوب دادِ طرافت دیجانی ہے۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اب تک  
 نہ اس رنگ کا کوئی کہنے والا کوئی آپ کو جانتا ہے اور نہ ان لوگوں سے کوئی واقف  
 ہے جو اس صحبت میں شریک ہوتے ہیں وہ اُس کو یہاں تک چھپاتے ہیں کہ میرے اصرار  
 کے باوجود بھی مجھ کو زیادہ کلام نہیں دیا گیا۔ اور یہ نہ اجازت دی گئی کہ آپ کا وطن  
 اصلی آپ کی یاقوت اور آپ کا نام نہ کرے میں لکھوں تخلص ہی تخلص ہے گو آپ کا  
 قیام فی زمانہ لکھنؤ میں ہے۔ مگر لکھنؤ آپ کا وطن اصلی نہیں ہے۔ آپ ایک بہترین  
 شاعر ہیں۔ گورنگ ریختی میں میرے نزدیک ابھی تک چنگی پیدا نہیں ہوئی ہے  
 مگر اسے طرح مشق جاری رہی تو جلد آپ معراج ترقی پر پہنچیں گے۔

خدا بچائے ہوا مردوں کے دیدے سے کہ ناک جھانک لگتے ہیں یہ دیدے

کوسا بچی کو تو دیدے ہی کھلا لوں گی	سات لالوں میں ہی ایک رہا ہے بنو
چار میں بیٹے کے کیا آنکھ اٹھائے کوئی	طاق بھرنے جو اکیلی چلی جائے کوئی
انگلیاں بھونکے آنکھوں میں چنگا یا شب بھر	نوج زرگس کو بوا ساتھ سلائے کوئی
میں تو لالٹن میں ہوا صاف یہ کہہ دیتی ہوں	منہ سے کہہ لے ہیں یہ دے دکاہائے کوئی
میں نگوڑی کہیں آئی نہ گئی اے بنو	پھر بھی لاکھوں تجھے الزام دے جاتے ہیں
اکیلے رات کو کیوں آئے تم یہاں ہرنا	جو کا بہن کا میں بچانے لگی موٹی بٹخ
نہیدی اسی کہیں نوج ہو کوئی چنیا	اب انڈے دے کے بھی کھانگی موٹی بٹخ
بیڑوں والی پوتوں والی	ہاتھوں میں چھلے کاؤں میں یانی
انگوں دانتوں میں سی ہاتھ میں سی	ہاتھ پہ انشاں ہونٹوں میں لالی
میں نے سب کو بچھا ہے	سب ہیں میری دیکھی بھالی

ناطق تخلص ہے میرے استاد مکرم مولوی سید ابوالحسن صاحب کا  
 وطن اصلی گلا و بھٹی ضلع بلند شہر ہے۔ مگر اپنے کاروبار کے سلسلہ کی وجہ  
 سے ناگپور سی پٹی میں مقیم رہتے ہیں۔ مولانا عربی فارسی انگریزی اردو  
 انگری کے منتہی فاضل ہیں اور لطف یہ کہ آپ کو تمام درسیہ کتابیں مستحضر ہیں  
 شاعری میں آپ استاد داغ مرحوم کے ایک مایہ ناز شاگرد ہیں اور اسید صبح  
 سے زبان پراتنی زبردست قدرت ہے جبکہ جواب نہیں۔ محاورہ بندی کا آپ کو  
 نہایت زبردست شوق ہے۔ اور اس میں سوائے ذوق مرحوم کے شاید کسی  
 شخص کو کبھی اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ کی غزلیں زبان میں ایسی ہی  
 ہیں کہ دوسری جگہ ان کی نظیر نہیں۔ زود گوئی کے ساتھ خوشگوئی اور سخن  
 فنی آپ کا خاصہ ہے۔ غزلیات کے علاوہ نچرل نظموں میں بھی آپ کو قدرت  
 حاصل ہے۔ نظم ناطق آپ کی نچرل نظموں کا مجموعہ عرصہ ہوا کہ طبع ہو چکا ہے  
 عرصہ سے چونکہ آپ کو سیاسی امور سے ایک گہری دلچسپی ہو گئی ہے۔ اس واسطے اب  
 اب مہینوں سے یہ نوبت بھی نہیں آتی کہ آپ کوئی غزل لکھیں۔ البتہ آپ نے  
 دیوان غالب کی جو ایک شرح لکھی ہے وہ بہ تسلسل جلوہ یار ہیں شائع ہوئی  
 ہے راقم الحروف سے آپ کی قرابت بھی ہے سنہ ۱۳۰۷ء میں آپ سے نیا رحل  
 ہوا اس وقت سے آپ کی خاص عنایات اسی زار کے حال پر مبدل رہیں۔ گو  
 اب عرصہ سے خط و کتابت بھی متروک ہے۔ مگر بعد معنوی نہیں ہے۔ آپ ظرف  
 کو مستغلاً نہیں کہتے۔ لیکن بعض مرتبہ اس کا بھی اتفاق ہوا ہے اس وجہ سے اکثر غزلوں  
 غزلوں میں نظریفانہ شعر نکل جاتے ہیں جنہیں مہذب طرافت کے دائرہ میں رکھنا  
 چاہیے۔ چنانچہ ذیل میں کچھ اشعار اسی انداز کے لکھتا ہوں۔ آپ کی عمر آٹھ  
 تقریباً ۴۵ سال ہوگی۔

اسے گا تو کیا گھول کے پی جا بیگا دشمن  
کچھ غیر کو لجاوے گا انفسام و فاسا  
گر کٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے لڑو  
پہلے تو اڑے مجھے وہ اکیر سے بس میں

دیکھو تو ہیں ہم بھی نہیں مٹنے والے  
اس شوخ نے کچھ ہنکواڑے ہیں وٹالے  
دشمن نے تو کچھ بے کی طرح پاؤں نکالے  
جب بس نہ چلا کچھ تو کہا صبر جو اے

رنجش بے جا نکالی جا نیگی  
دھریا جا بیگا دعا غلط چھڑ کر

یہ مروت کس سے پالی جا نیگی  
دختر زکوٰۃ الی حساب نیگی

نکل دل سے جو تو عادی نہیں ہے کو تو الی کا  
خدا کے گھر میں ہے کیا کام ایسے بے نمازی کا

ہمارے میکہ میں محبت کی ڈر نہیں اٹھا  
کہ پہلے ہی یہاں حصہ نکل جاتا ہے تافضی کا

دسترس پاؤں تو دریاں بھی ٹپے پاؤں ہا  
مارو دل ہاتھ اگر پاؤں کی آواز سنو

مذاق ہے یہ جفا کچھ جفا نہیں ہدم  
ایک صاحب جو مولانا کو ہمیشہ دوستانہ نصائح کر کے پریشان کیا کرتے تھے  
آن کے لئے ایک شعر کہا۔

یہ مقولہ ناصح مشفق پہ پھبتا ہو گیا  
ایک مرتبہ ماوران جنگ عظیم میں ایک قطعہ لکھا تھا جس کا ایک یہ شعر ہے۔  
آتی مثل صادق ہے اس وقت غلطیں پر  
ساری خدائی اک طرف جو دیکھا جانی لکھتے  
ہاگور میں ایک صاحب تھے جو بظاہر درویش تھے باطن کو خدا جانے کہ کیا تھا

اتفاق سے مولانا سے اور ان سے کچھ سخت باتیں ہو گئیں اور پڑھتے پڑھتے انجیل  
دشمنی تک پہنچا۔ اسپر مولانا نے یہ ربا عیاں لکھیں۔

دولت کا ہمیشہ ایک ستر نہیں  
گنتی نہیں روز ہاتھ اندھ کے شیر  
جز خوبی بخت ہو منظور نہیں  
ہر شخص جو لنگڑا ہے وہ تیر نہیں

بہنسل کی اصل پر نظر ہے کہ نہیں  
دشمن کی کمینہ پن پر حیرت کیا خوب  
ناطق کو نسبت کی خبر ہے کہ نہیں  
دادی ڈھرتی تھی وہ اثر ہے کہ نہیں

خمار ہے جب خم سے بد لکھ بد فو  
میوہ ابو الحسن کا دشمن کیوں ہے  
ایماں کی مردود نہیں تجھ میں بو  
اولادیز دید ہے کہ ابن لجم ہے تو  
چند لوگ تھے کہ آن درویش کی حمایت میں مولانا سے کا دش رکھنے لگے۔ مگر  
نوجی لوگ تھے جنگ جرمی شروع ہوئی اور آن سب کو جنگ میں جانا پڑا۔ مولانا کو  
ایک موقع ملا یہ باعیاں کہیں۔

جو گونی سے مانے کی غتے ناہنچار  
حق کے لئے ناطق سے عدو نہ نہیں  
وہ توپ کے منہ میں چاڑے آخر کا  
ہو جائیگے رفتہ رفتہ سائے فی ان

سچ لینے والا آبرو دکھوتا ہے  
یہ سچ ہے مگر دکھو تو سچ پھر سچ ہے  
سچا جھوٹے روتا ہے  
سنو یا روجھوٹے کے منہ میں گوہر تباہی

نسبت - میر احمد علی نام تھا۔ نسبت تخلص نراتے تھے۔ لکھنؤ کے مشہور  
و معروف ریختی گو تھے۔ جان صاحب کے معاصر تھے۔ بلکہ جان صاحب نے اپنے

۱۰ سے گوز بند ہے ترانہ بنگا کا  
 حالوں میں گوز پڑے جوئے نگار کا  
 پانچا نہ میں بدن دیکھ کے غریباں تیرا  
 رعب سے پیشاب خطا ہو گیا ✓  
 گوز کے مانند ہوا ہو گیا  
 پنچہ نرگاں سے جھاڑ اٹھا پانا آج  
 چاہے پنچہ کی ہڈی سے بنا نا آج  
 ہو گیا پھر آجکل اُن کو خلل مسام کا  
 گوا چھالے گا بہت چرکین لینے ام کا  
 غرض اظہار کے قابل نہیں از مندا اپنا  
 پادنا بھی محال ہے صاحب ✓  
 یہ شری سی جو شال ہے صاحب  
 لینڈی کتے کی کھال ہے صاحب  
 پانچا نہ میں سب لگاؤں گا  
 سیر دریا انھیں دکھاؤں گا  
 موتے بھی کبھی نہ آؤں گا  
 گو بھی تیرا اگر افساد لگا  
 آگے آئیگا یہ دیا کا ہنگا ہو جائیگا  
 مہتر خوش رہو چرکین نے وطن چوڑیا  
 سامنا چھسکی سے ہو سکتا نہیں چپا دکا  
 تھا مگر گوز شتر نالہ دل نا شا د کا  
 نے  
 لو  
 بٹل  
 یات  
 نہ کے  
 صاحب  
 سا پر ق  
 ماں اسپر  
 وں گا  
 آؤں گا  
 جواب کے جاؤں گا  
 تیرا عاشق ہوں  
 یری پر رہتے ہو گیا  
 سے تم آگے خفا ہوتے تھے  
 ل سرکشی کرتا نہیں  
 مہیت کا پسیدہ تیرے

» پادے میں شیخ کیا میرا کسے  
یہ دعا ہے روزِ شنبہ چرخیں کی گنگا پر

چناں۔ اس تخلص کا ایک مختصر دیوان ہے  
اجاب سے معلوم ہوا کہ جناب ابو صاحب تخلص کا یہ  
شاعر تھے تخلص طبع کے لئے کبھی کبھی اس رنگ میں بھی  
استغناء اور ذاتی وجہ سے جانے اجازت نہیں دی کہ اس  
ظاہر فرمائیں۔ ممکن ہے کہ یہ خیالی صحیح ہو۔ مگر سعد  
جو بلا مبالغہ افرادِ کاملین زمانہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں  
ہیں اور ظرافت کو بھی اپنے کلمات کا ایک جز سمجھ کر اپنے کلام  
میں اگر لکھنے کے ایک بالکمال کا نام بھی ازمرہ ظرافت میں شامل  
اسی لئے میں نے اس تذکرہ میں نام پر یہ وہ ڈالنا کچھ بہتر نہ سمجھ  
بیچ نہ ہو۔ مگر کلام کی بھنگی اور متانت بار بار ٹھیکہ یہ یقین دلائل  
ہو ہی نہیں سکتا۔ ظرافت کی جستجو دشواری۔ محاورات کا اس  
سے مصنف کے کمال کا اقرار ہے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ انتخاب  
اندازہ فرمائیں گے۔

اثر تھا یار غم ہے جس پر یارِ فرخ کا	مرے پلنگ کا کھٹایا
یہ نامہ بر ہے پتہ میرے یارِ فرخ کا	کہ اس کے در پر آئینہ
گلے میں ڈال دے میرے غمی تو کا پیٹ	کہ میں نے پکا ہنسنے
دھواں نکلتا ہے ہر بار سا تھلے کے	نہ کیوں گاٹنی کے آغ
کر و علاج اگر سر میں بال خور ہے	لگاؤ تیرا دل نہ افس

دل کی خوشی کی خاطر چمکے ڈال مال دہن کو  
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نرگھ کھن کو

## یہ کچھ کا بچا

کہتا تھا کئی مجھے میاں آو قلندر وہ کیا ہوے اگلے جو تھکے تھے وہ بند  
ہم آن سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جھگڑے کے اندر  
جس دن سے خدائے یہ دیار کچھ کا بچا

## روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں پھوٹے نہیں بدل میں ساتی ہیں روٹیاں  
آنکھیں پری رخوں سے لڑتی ہیں روٹیاں سینہ پر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں  
جتنے مزے ہیں سب دکھاتی ہیں روٹیاں

## توچی اور ناسکا کی لڑائی

مرتی نہیں بنایا یہ گزرتی نہیں ڈھڑھو اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھڑھو  
لب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھڑھو کیا سخت خرابی ہے یہ مرتی نہیں ڈھڑھو

ایسا جو مرے پاس لگے جاسکی جھاپنو اک روز مجھے گھر سے نکلا ایسی لگی جھاپنو



سب کھا چکی اب بھوکو بھی کیا کھائیں گی جانو  
دہ کون سادون ہوگا

خام گزر گئی بار نہ آ یا رات بھی آدھی لٹی ملی  
آؤ پڑوس بھیلیں ٹھالی سے بیکار بھلی

ننگیلا - محمد یوسف نام ہے - قدیم دکن شہر جو پور ہے - مگر آٹھ  
نوسال کی عمر تھی جب ۱۸۵۷ء میں اپنے نانا محمد خضر خاں مرحوم اور اپنے  
ماموں محمد اسماعیل خاں رنگیلے مرحوم کے پاس جو پور سے بمقام مین پوری  
چلے آئے - یہیں تعلیم و تربیت پائی اور بعدہ اپنے نانا کے پاس غری کا  
کام کرتے رہے - چونکہ رنگیلے مرحوم کی صحبت تھی اس واسطے شعر و شاعری کا شوق  
ہوا - اور مدوں تک چھاپچھا کر شعر کہتے رہے - مگر ابھی تک رنگ قدیم عاشقانہ  
میں شعر کہتے تھے - جب رنگیلے مرحوم کو خبر ہوئی تو وہی اصلاح دیتے رہے اسکے  
بعد ۱۹۳۷ء میں جب رنگیلے مرحوم کا انتقال ہو گیا تو ان کے احباب نے ننگیلا صاحب  
کو ان کے ماموں کا رنگ ظرافت اختیار کرنے پر مجبور کیا - چونکہ برابر رنگیلے کی صحبت ہی  
تھی اور وہ رنگ اچھی طرح ان پر اثر کر چکا تھا اس واسطے انھوں نے ظریفانہ رنگ  
اختیار کر لیا - مگر عوارض جسمانی اور افکار خانہ داری نے پورے طور سے ادھر  
متوجہ نہیں ہونے دیا - پھر بھی آپ کا رنگ ظریفانہ غنیمت ہے اور دم ہے  
اور معلوم ہوتا ہے کہ اس رنگ کو تھوڑی بہت طبیعت سے مناسبت ضرور ہے  
چنانچہ کلام کا نمونہ انتخاب یہ ہے -

یہ طبعی طبیعت جب بھانڈے پہ آئی	پھر کیا ہے پھر تو کچھ ہو خندق ہو کھائی
اب راہ پر کسی کو تقدیر کھینچ لائی	قیمت کھو کر کسی شامت کی آئی
جب ایک کا بھی تھے مطلب نہیں نکلتا	لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے

نمناک شے چھپا کر برسات میں نہ رکھو سکا  
دشمن کی آگ اب تو دشمن کو پھونک دے گی  
اب تو مزاج دشمن ٹھیلو نہ چل رہا ہے  
اگو کے دم قدم کا اغیار میں ٹھہر رہا ہے  
بے شبہ اس نیکلے تحقیق ہے سلف سے  
جو ہیں بھلائی پیشہ کرتے نہیں ہرائی  
لگ جائیگی بھیندی کہتے ہیں کوا کائی  
اب ہو گئی اسکی ڈوب دیا سلائی  
اسکے سگوں سے اسکی اچھی ہوتی سگائی  
چنگی کے جیسے بھنگی ہیں مصدر صفائی  
جو ہیں بھلائی پیشہ کرتے نہیں ہرائی

پیر میخانہ نصیب سے اگر تو ہو جاے  
باق تو جب ہے کہ اک چھو میں غفور ہو جاے  
دام تزدیر اگر زلف پر یرد ہو جاے  
یہ بے پھر تو وعدہ کا ٹھو کا الو ہو جاے  
میرے آگے سے عدو کو کم آہو ہو جاے  
اس بھنور جال میں پھر الو ہی الو ہو جاے

شب وعدہ بہت روایا میں غم پہنائی  
چکیدن بے محل بیکاسے اسے ابر نیائی  
خیال تھیں میراں میں کبھی اسلام کی تھیں  
بہت مشکل تھا راز آشنائی کا سمجھ لینا  
کہیں تذکیر کی تعریف میں پھر تازہ مستانہ  
شب وعدہ ہوا یہ اہتمام دعوت مہمان  
نیکلے دست نازک کی جوائیگی ہاتھ آئی ہو  
دور شوق سے خلوت میں گھنٹوں گیسپائی  
نہ ہو طبع حد میں بوجہ اصل خشنائی  
مگر اب تو رہی ہے صرف کہنے کو مسلمان  
مگر چالاک دشمن اوسکی کا وقت نادانی  
کہیں تائید کے پر سے میں ہوا ادا ستانی  
کبھی سنبو سے کہیں کبھی ہے کشت برائی  
تو اب پہنچا کر پٹنے کیلئے کانی ہو در بانی

پہنے والا ہمیشہ منزل کا نئے مسکن میں ہے  
پیشہ کی خاطر سپاہی سرکھٹا ہوا میں ہے  
شہ سواری کا ہنر چاہے سواری کا کمال  
خون حسرت گردش آفاق سے کرتا میں ہے  
مان نفقہ کے بہرہ دات ہو کہے واسن میں ہے  
صرف اک راز خفی ہو جو نہاں آج میں ہے

اپنی آنکھوں کا اسے سمجھیں کیوں عشاق تو  
شیر بازاری کی کھرچن میں مزا تو ہے مگر  
ہے مری فرد خطا اللہ کی رحمت کے ساتھ  
چلنے پھرنے میں نہیں محسوس ہوتا کچھ سنگین  
لو نہیں سکتی جہانگیراں ٹٹھائی کی مثال  
سوختہ پاؤں پائے یار کا جن میں ہے  
ذائقہ کچھ اور پکھر کے دودھ کی کھرچن میں  
عفو کا فرمان تنہی رشتہ سوزن میں ہے  
جنس سہتی کا ذخیرہ گو مے دامن میں ہے  
جو نکیلے یار کے سنبھلے بےسن میں ہے

یہ بند بھکیاں یہ ظلم بے بنیاد رہتے  
چمن میں چار تنکوں سے بنا ہر آئینا میرا  
رہے تو جب کے فی آپے میرے ہوش میں پائے  
زمین پائی اگر گویاں کرنا چاہتا ہے تو  
مجھے ٹاٹ ہی قطرے اگر دینا ہے لے ساقی  
اگر جاتا رہا تو پھر کھانے کا فرہ رخصت  
نیام طیش میں شمشیر مارا دہشتے  
بچا کر اپنی جھاڑو سے نہیں صیاد رہتے  
نظر سے دور جب ساقی فیض آباد رہتے  
تو اپنے کھیت میں کچھ روز میرا کھا دیتے  
مرے دشمن کہ پیٹے کو تلی میں گادرہتے  
نکرا اسکا تبارک اسے میعاد اور رہتے

موج کا رسا کمر میں ٹاٹ کی دشا رہے  
یہ سمجھیں آپ سہتی ٹاٹ کی بے کار رہے  
چار میں تنگا اسے ہو جانے میں کب عا رہے  
یہ اگر سچ ہے کہ شملہ علم کی معیار رہے  
نوجواں اب بھی بڑھاپے میں ہمارا یار رہے  
پیار کرتے وقت تم کیوں کاٹ کھاتے ہو ہمارے  
یہ لبادہ ہے پرانی چال کا اچھا لباس  
فرق اتنا ہے مرا کہ ہو یا کرتی تری  
اس ادا کے بھیس میں کھنجر کے میرا یار رہے  
یہ تو ٹاٹ ہی خانہ کا اک منزلہ مینا رہے  
بے حیا بھی کیسی پکی بے حیا تلوار رہے  
تو ستارہ علم کی تقدیر کا دم دار رہے  
یہ پرانی چال کا ٹھیلہ بھی موٹر کار رہے  
دوستی میں دشمنی کا کون سا بیوہ رہے  
کرتے کا کرتا ہے اور تلوار کی شلوار رہے  
یہ شرم و دامن ایک ٹامرا رہے

بائس کا ڈنڈا پرانا یا نیا جیسا بھی ہو  
یہ پرانا اور یہ لیسنس کا ہتیار ہے  
کان پر دھرتے تھے تم تو ہاتھ ذکر غیر پر  
زیر دامن اب یہ کس کا تحفہ کدو ہے

آباد ہے اٹو سے ہر قصبہ ویرانہ  
ہر ٹھونڈے نشیمن ہے ہزار ہے کاشا  
حرکت کا تری صدقہ سے لغزش متانہ  
ٹھلکیا کا ہر اک ٹکڑا ہے غیرت پیمانہ  
ساتی کی عنایت سے ہر مست خراباتی  
ہے رقص مسرت میں سر پر لئے میخانہ  
دنیا میں زنانے کی مردانے کی ہستی ہے  
آئینہ زنانہ ہے تصویر ہے مردانہ  
بوتل لئے گلگوں کی ہے شیشہ قارونہ  
ہے اب تو چڑیل اس میں گھر تھا پر بچانہ  
کوئی بھی شب وعدہ مسرت نہ ہی باقی  
لشیانہ ڈوب دینا ہے ہمت مردانہ  
جس طرح کمینوں سے رونق ہو مکان کی  
آباد کیلئے ہے پاخانہ سے پاخانہ

دیکھو رہتے ہو کھلے بندوں بہت تم دیکھو  
گرد گمانہ کوئی دیکھ لے لٹو ہو جاے  
اب طویلے میں نہیں آپ کے مانگن کوئی  
آپ کے کھیت میں پڑتا ہے جو گھوڑا کوڑا  
آپ کے کھیت میں پڑتا ہے جو گھوڑا کوڑا  
بے تلا پھرنے رہے کوئی جگر کا ٹکڑا  
اسکی گرمی سے شکر قد نہ آلو ہو جاے  
ناوک تازہ گودی میں ترازو ہو جاے

بیٹھا ہے بزم یار میں دشمن چچا کے ساتھ  
بے شرم ہے جلیس بڑے بے حی کے ساتھ  
دشمن کو کہنہ مشق سواری پہ ناز ہے  
منگنی ہوئی ہے جب سے کٹی گنہ کے ساتھ  
صحبت سے بھاری پانوں ہوا جو آپ کا  
شاید رہے ہیں آپ کسی ٹیل پا کے ساتھ  
اگر داغ دے کے چھوڑ دیا سنے غیر کو  
اب اور کیا سلوک کرے بے حی کے ساتھ  
ہے یہ بھی اک ہوا کہ زمانہ ہے آپ کا  
دنیا بھی آپ کی ہے مگر ہے ہول کے ساتھ

نکتہ چمیں سابق اور پہنچ کے پرانے خالوں میں اس تخیل سے  
 ملتے ہیں جن کا پتہ کچھ ہے تو یہی ہے اپنی نظم کی تقریب میں کچھ عبارت بھی ورج کی  
 ہے ”مائی ٹیرسٹر اور وہ پہنچ۔ گڈارنگ قرآن شریف جیسے آج کل کی نئی  
 روشنی کے محاورہ میں الکران کہتے ہیں اس میں یا کم سے کم سبیل کے ترجمہ میں آئے  
 ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ شعراء کی شان میں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ یہ تو ہر میدان  
 میں بھٹکتے اور سرمارتے پھرتے ہیں (الانفس فی کل وادجہیمون) اتفاق سے  
 مجھے ایک شاعر کی بیاض مل گئی جسکی نقل ان سطروں کے ساتھ ہے اس سے  
 ظاہر ہو گا کہ یہ کلام معجز نظام کس قدر سچا ہے۔ میرے خیال میں ان خیالات پریشان  
 سے زیادہ کوئی سے اس کی تصدیق نہیں کر سکتی۔

غیرت نہیں اس سبب بٹے جاتے ہیں جو کام نہ کرنا تھا کئے جاتے ہیں  
 لازم تھا کہ دوزات وہ دتے بیٹھے افسوس وہ افسوس ہی پئے جاتے ہیں

نرسے مری یہ گھڑی چل رہی ہے زباں وقت کی ہے پڑی چل رہی ہے  
 ہے کھٹ کھٹ میں اسکی کوئی ذکر مخفی یہ تسبیح کوئی پڑی چل رہی ہے  
 لگاتی ہوئی چاک غفلت میں ٹانگے اگر چہ ہے سوئی چڑی چل رہی ہے  
 نہیں سبیل سے ریت کی خوف اسکو ہے کیا ڈرا اگر ہے جھڑی چل رہی ہے

کر یا پنجشاسے پکا پلاؤ جو تے نہ بیٹے تو ہکو بلاؤ  
 کر یا پنجشاسے پکے ہیں آم نہ ہو پاس پیسا تو لو مجھے دام  
 کر یا پنجشاسے پکے ہیں میر کا انا تو انا کے کو تم نہ دیر  
 کر یا پنجشاسے پکی کجور بلاؤ شہر میں میں حکم حضور

کر یا بہ بخشائے پلے کباب  
 کر یا بہ بخشائے پلے کھل  
 کر یا بہ بخشائے پکی ہے وال  
 کر یا بہ بخشائے پکی ہے نان  
 کر یا بہ بخشائے ٹوٹی ہے ٹانگ  
 کر یا بہ بخشائے ٹوٹے ہیں ہاتھ  
 کر یا بہ بخشائے پھولی ہو آنکھ  
 کر یا بہ بخشائے ٹوٹا ہو سر  
 کر یا بہ بخشائے دھوٹی چھٹی  
 بلا تے ہیں کھانے کو ٹکڑاں  
 اسے کھا کے ہو جاو گے تم اٹل  
 اسے کھا کے ہو جاو گے کبیراں  
 گئی واسطے جسکے مرغی کی جان  
 گرز کرتے ہیں در بدر بھیک مانگ  
 نہ جو سنگ بیوی نہ بٹیکے ہیں ہاتھ  
 لے رکھ کے روٹی پہ آلو کی پھانک  
 کوئی آئے لے بلدی سیری خبر  
 مری عمر دنیا میں بو نہی کمی

نذریم غیر از تو فریاد رس  
 نگہدار مارا زراہ خطا  
 زباں تا بود در دہاں جاے گیر  
 حبیب خدا اشرف انبیا  
 سوار جہان گیر کیراں براق  
 چہل سال عمر عزیزت گزشت  
 مہ با ہواۃ ہوس ساختی  
 مکن تکیہ بر عمر نا با تدار  
 دلا بہ کہ بناد خوان کرم  
 مزا آے ٹپکے جو گئے کارس  
 کوئی مجھ کو کھانے کا رستہ بتا  
 کھلا یا کرد مجھ کو روٹی پینیر  
 پٹا مجھ کو چپکا برآم کا  
 کھلا دو مجھے ایک روٹن طباق  
 بڑی ہے تری ابتلاک سرگزشت  
 ہمیشہ نظر تاملتی جوا نکلی  
 ہیں کوٹ پتلون پھینکاں آواز  
 نہیں اسکی پاکٹ میں ام دوم

بوجہ تھامس پہ جو آتا      سر پہ اتھال پڑا ہوائی کا

اشرفی سے تو یوں نکاح ہوا  
پر بند ہا مہر ایک پائی کا  
یہ چھاب جھوٹی نہیں مٹری  
چھوٹا چھانہ تم سزا کی کا  
ترشروئی نہیں ترے منہ پر  
ہے پیالہ بھرا کھٹائی کا

خدا کی مہربانی قبر میں سیری پہیلی ہے  
گھٹا چھائی ہے رحمت کی بڑا شہر پہیلی ہے  
شعر لکھتا ہوں مگر جلتی نہیں گری کوئی  
لے روپیہ کی پھلیاں آتی نہیں دڑی کوئی  
پالی تھی ایک میں نے جو کیتا چلی گئی  
مشہور یہ غلط ہے کہ فضا چسلی گئی

نوائی۔ بابا سلطان قلندر کے نام سے مشہور تھا۔ شاہ عباس  
ماضی کے زمانہ کا ایک ظریف نکتہ شیخ شاعر ہے حیدری خانہ چا۔ باغ کا نگہ  
اس کی سپرد تھا اور اسی میں بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک قطعہ بطریق شہزادی  
ظریفانہ رنگ میں دیکھا گیا جو اس کے نام سے مشہور ہے۔

عربے درمیان کہہ دشام  
کسب اسباب می نمود مدام  
بہر تحصیل مال و کسب ہنر  
از حضر رخت بست سوئے سفر  
مدتے سیر کرد و ہیج نیافت  
باز سوئے مکان خویش شافت  
چند گہ راہ باد یہ بہ برید  
نایک روزہ از وطن برسید  
از کر باز کرد انبانے  
کہ در و بود یخنئی و نانے  
چوں بخوردن شستہ ان سرد  
عربے در رسید باد یہ گرد  
بدوی چوں شنید بوس طعام  
پیش رخت و ستادہ کردہ سلام  
داد اورا جواب و گفت کہ  
پیش من ایستادہ ہر چہ  
گفت من چاکر سرے تو ام  
دش چایاے از برائے تو ام

گفت از نیل من خبر داری  
گفت چون ست احمد آن سپرم  
گفت از فضل و جمت یزدان  
گفت چون ست ماورا حمد  
گفت چون ست قصر و ایوانم  
گفت آن قصر دلکش و ایوان  
گفت چون است آن مگر من  
گفت او خاک است آینه است  
گفت آن بارکش شتر چون است  
گفت باوے که فریه استخوان  
چون عرب قصه را شنید تمام  
خورد چندان که سیرگشتان  
بدوی چون خست او دید  
ناگهان دید که کنار دشت  
بدوی چون بدید آهوی را  
چون عرب آه دردناک شنود  
گفت ازیں بود کای سگ استو  
آهوک را نمی گذارشت کنون  
گفت ای طایع آن سگ چون مرد  
گفت خون شتر که ریخت بگو  
گفت کشتند اشتر سره ات  
گفت ای وای زوجه ام چون د

بدوی در جواب گفت آری  
که ز هجرش کباب شد جگر  
پایع حسن ست خرم و خندان  
گفت صد چون برابر احمد  
کز غمش برفلک شد افغانم  
واغ رفیکه ست بر دل کیوان  
که بود به ز شیر ز بر من  
رو ز شب پاسبان خانه تست  
کز غمش دامم چو چمن است  
که مسادی است پشت باکوان  
بادل جمع کرد میل طعام  
بدوی ران داد و بست انبال  
بر خود از درد جوع می پیچید  
آهوی در رسید و تند گشت  
از دل خسته جست آه او را  
گفت باوے که آه هر چه بود  
گر نمی گشت صدقه سر تو  
که ازیں دشت جان بر میر  
گفت از سکه خون اشتر خورد  
خاک برفرق من که بیخت بگو  
که د بند آب آتش همشهره ات  
رخت هستی حباب بخاک سپرد



گفت از بسکہ کوفت سر ز میں	از غم فوت احمد مسکین
گفت اسے واسے چون گشت	گفت قصرش بہ سرفرد آمد
چوں عرب قصہ فراق شنید	خاک بر سر نشانڈ جاوہ رید
بعد از اس را خیل خویش گرفت	بدوی ناں و گوشت پیش گرفت

نوح حافظ محمد نوح نام ہے۔ ناره صنع الہ آباد مولد و مسکن ہے۔ آپ امانہ موجودہ کے نہایت مشہور و معروف شعرا میں سے ہیں۔ داغ مرحوم کے شاگردوں میں نہایت معزز مانے جاتے ہیں۔ زبان نہایت عمدہ کہتے ہیں محاورہ بندی میں اتنی کاوش کرتے ہیں کہ مشکل سے آپ کے یہاں کوئی شعر اس کے بغیر ملے گا۔ ملک کے مشہور مشہور مشاعروں میں آپ شرکت فرماتے رہتے ہیں نہایت خلیق اور زندہ دل ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی بہت کافی ہے آپ کے نام کے ساتھ ناخداے سخن بھی شامل کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ کہیں سے یہ خطاب ملا ہو۔ حضرت داغ مرحوم کی جانشینی کے بھی آپ مدعی ہیں اور اگر زبان و سلاست کے اعتبار سے آپ کو داغ کا جانشین کہا جاوے تو بجز اس کے کہ چند دوسرے زبان دان اور کمنہ مشق شاگردان داغ کی حق تلفی ہوا اور کوئی حرج نہیں ہے آپ کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں اور اطراف و اکنان میں پھیل چکے ہیں آپ لفظن طبع کے طور پر اکثر طریفانہ اشعار بھی فرماتے رہتے ہیں۔ چنانچہ سفینہ نوح کے آخر میں کچھ طریفانہ کلام دیا گیا ہے جس کا انتخاب لکھتا ہوں راقم الحروف کو بھی ایک دو مرتبہ آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور آپ کی خوشخوئی و نیک مزاجی کا معرفت ہو گیا۔ آپ کا طریفانہ کلام اکبر کے اتباع میں زیادہ ہے۔ اور اکثر جگہ اس اتباع کو نہایت حسن و خوبی سے نبایا ہے تو نہ کلام

یہ ہے۔

یہ جو خواہش ہے کہ ہم صاحبین  
میز کرسی لپ سگڑا کیک توں  
رنگ گورا اور قامت بھی بلند  
کیسی شغلت اور کیسی کاہلی  
اور اگر دفتر سے ہو کچھ واسطاً  
یوں لانا شخص سے کم چاہئے  
گھر میں تصویروں کا اہم چاہئے  
جسم بھی کچھ بھاری بھر کم چاہئے  
فطرنا تھوڑا سا دم خم چاہئے  
ایک گھوڑا ایک ٹم ٹم چاہئے

آج ساقی تجھ کیا یہ رحمت یزداں ہوئی  
منہجوں کو دایوں کی وضع داری چاہئے  
مے کدے میں سو نہ گڑا کا ہر طرف سامان ہے  
پہلے خود لڑکی تھی اب دودھ لکیوں کی ماں ہوئی  
بادہ خواری کی جگہ اب شیر خواری چاہئے  
دودھ دانی بن گئے ساغر خدا کی شان ہے

ختم کی صورت جام بھی چلنے سے عری ہو گیا  
پیٹ اُسکا اور اس کا پانوں بھاری ہو گیا

لوگ کہتے ہیں فلاں صاحب کی لڑکی ہوئی  
ہم یہ کہتے ہیں فلاں صاحب اک لڑی ہوئی

اب بی جو نہ کہتے بنے بی بی کہتے  
کم بھی ہو کوئی حوت تو کچھ نہیں  
دائن جو نہ کہتے بنے دسکی کہتے  
نکٹائی نہ کہتے بنے نکٹس کہتے

حضرت شیخ ہیں بہت محتاج  
غرض اعلیٰ سے بلگیا ادنیٰ  
خوش ہے پیر مغاں سے گھرتے  
عطر شرا گیا لائڈر سے

یہی اچھے بُرے حکم انجام دیتا ہے اگر کوئی نہیں ہوتا تو کتنا کام دیتا ہے

کتنا ہے کون ذکرِ قیامت جیسا کہ جو رو کی مار کھائے سعادۂ نصیب کے

جو رو خفیت اس کو ضرورت دو اکی ہے }  
ماں مزاج کیا ہو کسی اور چیز پر }  
شوہر ضعیف آرزو اس کو طلاق کی ہے }  
مہر عی کر تک ہی مرغ ابھی ہر کینہ پر }

لے مری طبع رسا وقت مہار کیا دے }  
عقد پور ہے کا ہوا کچھ کر کے شام کو }  
غم میں اپنے خسرو سے بھی سواد ادا دے }  
مل گئی اچھی پلوری مرغ بے ہنگام کو }

آج دستارِ فضیلت بند ہو گئی سرسبز لے طور سے ڈھانکا گیا

کیونکہ نہ بھی گئی شمع سے لٹدی کی رسم و راہ سہ موٹا سہ ہے وہ بانس چھوٹی سی کین ہے

اگر آباد کے ضلع میں دو پر گئے ہیں ایک کا نام کڑا ہے ایک کا نام کڑی ان }  
دو ٹوں پر گئے والوں میں لڑائی ہوئی حضرت لورج نے یہ شعر لکھ کر بھیجے }

ہر آن دوستی ہے ہر وقت فوج لڑی }  
گیا دوستی بڑھائیں آہیں کیا بنائیں }  
پتھر پودا ہو لوہا اپنی جگہ ہے بھاری }  
ان کا بہت کڑا ہے انکی بہکاری }

کیا لطف میل جول میں کیا آل میل میں }  
کرتے ہیں غیر جنس میں جو اپنی شادیاں }  
بندوق کی صفت نہیں ہوتی غلیل میں }  
وہ عطر کو ملاتے ہیں مٹی کے تیل میں }

ناس ہے اب انہیں یہ مشورہ احبابِ تہیں ہے ۔ پرانی بد شگونی کے لئے کٹاؤ ناک اپنی

نئے دن میں یہ لکڑہٹائیوں کے ساتھ سوتے ہیں ۔ جو تم ہوا کی پوتی ہو تو ہم آدم کے پوتے ہیں  
تصور جن مسلمانوں کو ہے لندن کی مسجد کا ۔ عرب کے ختم کو یورپ کے بنگلے میں ہوتے ہیں

اس میں شیریں دہن کی گفتگو ۔ مجھ کو انگریزی مٹھائی ہو گئی  
ہے نئی تعلیم کا یہ انقلاب ۔ اپنی بی بی تک پرانی ہو گئی

تھی جوانی میں جو میڈم نان پاؤ ۔ وہ ضحیفی میں ملائی ہو گئی

نوری ۔ ملا حسین شاہ نام تھا ۔ مشہد کے رہنے والے تھے ۔ غزالی مشہدی  
کے ہمسن اور ہم بزم تھے ۔ اکثر مشاعروں اور مطارحوں کی صحبت گرم رہتی تھی تو یہ  
نہایت ظریف الطبع اور بڑے سیخ واقع ہوتے تھے ۔ مگر اتفاق سے نہایت بد صورت  
تھے اسکی وجہ یہ ہوتی تھی کہ ان کے دانت اس قدر بڑے تھے کہ دونوں ہونٹوں سے  
گزر کر تھوڑی کے قریب آگئے تھے اور ان کی صورت کو عجیب و غریب بنا دیا تھا ۔  
اسی وجہ سے نوری دندانی کے نام سے مشہور تھے ۔ صادق علی خاں اختر نے اپنے  
تذکرہ عالمیاب میں دندانی کی یہ توجیہ کی ہے کہ دنداں توابع خراسان میں ایک  
قصبہ ہے ۔ مگر یہ صرت توجیہ ہے نوری کا کلام ضائع ہو گیا صرت یہ دو شعر تذکرہ  
میں ملتے ہیں ۔

دھیتے است کہ بعد از وفات من یاروں      کنند لوح مزارم نہر دو دندانم  
سخن چگونہ کنم پیش خلق کیس دو لبم      بیکد گر زسد گر بلب رسد بجام

# حرف واد

واحی۔ مولوی عبدالاحد نام تھا یوسف پور تحصیل محمد آباد ضلع  
غازی پور کے رہنے والے تھے۔ آخر عمر میں اپنی اہلیہ کے تعلقات ورشتہ  
داری کی وجہ سے خود بھی دہر پور تحصیل زمینہ میں جا رہے تھے علمی قابلیت  
بہت کافی تھی فاضلانہ استعداد رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا حداث  
سن ہی سے شوق تھا۔ مگر اتفاق سے طبیعت کو ظرافت سے لگا دیتھا۔ وہی  
تخلص کرتے تھے اور اسی رنگ میں شعر کہتے تھے۔ کچھ عرصہ تک پرخشا۔ اسی  
تخلص کے ساتھ جاری رہا۔ اتفاق وقت سے کسی ضرورت خاص کی وجہ سے  
اسم ابتدائی شاعری کے زمانہ میں آپ کو دہلی جانے کی ضرورت پیش آئی اور طویل  
سفر کے بعد وہاں گئے دلی کی رونق اور آب و تاب اس زمانہ میں جو کچھ تھی اسکا  
بیان کرنا ایک امر تحصیل حاصل ہے۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں  
دلی کے مشہور معروف شعراء غالب مومن ذوق شفیق صہبائی وغیرہ زندہ  
تھے دنیا سے ادب میں ان کے فضل و کمال کا ڈھکنا بچ رہا تھا۔ یہ ممکن ہی  
نہ تھا کہ کوئی ادبی ذوق رکھنے والا آدمی وہاں جائے۔ جامع مسجد۔ ہاپول  
کا مقبرہ۔ قطب صاحب کی لاٹ دیکھے اور ان بزرگوں کی زیارت کو نہ جائے  
بلکہ اکثر شوقین پہلے انھیں لوگوں سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ وہاں  
جب دلی گئے تو سب سے پہلے اپنے ضروری کاموں سے فراغت کی اور اس کے بعد

پتہ پوچھتے پوچھتے مرزا غالب کے مکان پہنچے مرزا غالب نہایت خلوص اور محبت سے ملے۔ اور اپنا کلام سنایا۔ اور کہا کہ جب تم کو اس مضر فاسد کا اشتیاق اتنی دیر سے یہاں تک کیسے لایا۔ تو میں یہ کیونکر ہوں کہ تم خود کچھ نہ کہتے ہو گے سنا و ضرور سنا۔ انھوں نے بھی انکار مناسب نہ سمجھا۔ اور وہی کلام سنایا۔ مرزا نے تخلص سنا۔ تو پہلے کچھ ہزرگانہ انداز سے ہنستے پھر کہا کہ کیا تخلص رکھا ہے واہی۔ تباہی۔ بدلو۔ اس تخلص کو بدلو۔ مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت میری عقل کی رسانی تو ہمیں تک تھی اب آپ ہی کچھ بخیر کیجئے۔ مرزا تو ایک نظر اُفت محسوس اور ذکاوت کا پتلا تھے۔ اداے تکلم اور انداز گفتگو سے تار گئے کہ بدلنے کے لئے تو یہ میری خاطر سے بدل ہی دیں گے۔ مگر شاید دل سے نہ بدلیں۔ دوسرے یہ سوچا کہ ان کا کلام بھی اسی واہی تخلص سے مشہور ہو چکا ہو گا۔ لہذا اسکو اس طرح بدلنا چاہئے کہ ہماری بار بھی رہ جائے ان کو زحمت بھی نہ ہونا گوار بھی نہ گزرے۔ چنانچہ کہنے لگے کہ اداچی تخلص رکھو۔ حقیقت یہ ہے کہ اب تخلص کا مرتبہ زمین سے آسمان پر پہ گیا اتفاق سے کچھ عرصہ تک مولوی صاحب دہلی میں مقیم رہے اور مرزا کے یہ برابر روزانہ آیا جایا کرتے تھے۔ انھیں دنوں میں مرزا صاحب نے یہ غزل کہی تھی

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں ہے      ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجا کہیں ہے

مرزا صاحب نے یہ غزل ان کو بھی سنائی۔ سن چکے تو ان سے کہا کہ اپنے رنگ میں تم بھی اس زمین میں غزل لکھو۔ انھوں نے پہلے تو انکار کیا۔ کہ اتنا دلی غزل پر غزل کہنا سو ادب میں داخل ہے۔ مگر مرزا بھلا ایسے عذر دوں گے اسنے دایہ کہ بک تھے وہاں تو ہنسی سے غرض تھی کسی طرح سے جو۔ گھڑی بھر کے لئے دل بہل جانے سے مطلب تھا۔ کچھ ہو کو ضرور کہو۔ مولانا نے بھی الام فوق الادب کہ لچو ناکھکرا متثال امر کے لئے پانچ سات شعر کی غزل کہی جس میں غرضت کے ساتھ پھکرا و فٹہ بھی شامل تھا

اس کے بعد معافی مانگ کر سننے کی اجازت لی۔ مرزا نے اجازت دی۔ انھوں نے غزل سنائی۔ مرزا نے داد دی اور فوراً ایک شعر خود کہہ کر کیا کہ میاں واجی یہ شعر بھی تو تمھارا ہی ہے واجی بھی نکتہ سنج اور ادا فہم تھے سمجھ گئے کہ یہ مرزا صاحب کا عطیہ سلام کیا اور شعر اپنی غزل میں شامل کر لیا۔ شعر یہ تھا۔

عباسی سیکھنے کے لئے بچکا چاہئے رنڈی وہ قحبہ پر کہ دنیا کہیں جسے

واجی مرحوم نہایت شوخ طبع ظریف قابل اور قادر الکلام شخص تھے۔ آخر عمر میں مولانا شاہ عبدالعلیم صاحب اسی غازی پوری سے صحبتیں نہ متی تھیں۔ اس پرچہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ صاحب سے اصلاح بھی لیتے تھے۔ مگر یہ غلط ہے انھوں نے ہمیشہ اپنے ذہن رسا کو اپنا استاد اور رہنما سمجھا۔ اور کسی کے سامنے کبھی ان سے سہمزد نہیں کیا۔ ایسا البتہ ہوتا رہا کہ احباب میں سے جس کسی نے کوئی نظر لیا نہ شعر تخلیق نہادہ انھیں کی غزل میں شامل ہو گیا۔ واجی نے کافی عمر پاکر ۹۲ سالہ میں بمقام تخلص مرپور انتقال کیا۔ آخر عمر تک اسی وضع داری کے ساتھ زندگی بسر کی جیسی کہ استوائی میں کی تھی۔ نونہ کلام مولانا سید سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھ پور سے جو کچھ سہمزیاب ہوا وہ حاضر کرتا ہوں۔

میراد ہی رقیب ہے بنوا کہیں جسے	ایسا ہی رو بہ ہے کہ کوا کہیں سے
آے طرفان جو وہ بت پہ تسلسل موتے	ساری دنیا ہوتہ آب اگر کل موتے
واجی کے گور سے یہ صدا صاف آتی ہے	دہن بکے ہناک تانہ ہری کٹا بکے ہراک
بل دکھائیں جو کہیں آکے کیسے دراز	سانپ دھشت کے گئے خوف سے سنبل موتے
غسل کے بعد یہ قطروں کا تسلسل کیسا	کیوں نہ چیرت ہو مجھے جتے ہی کا کل موتے
ہم یہ معلوم نہیں تھی ہے قریع انیق سے	بادہ پی پی کے جو واجی بہ تامل موتے
قبر واجی کو سمجھتا ہے وہ اک ٹیلہ ہے	کیا قیامت ہے کہ اسپر بہ تجاہل موتے

گد ناگداری ہے چاری جوناک پر      تحریر پوری ہے یہ تقدیر ناک میں  
 ٹھیکو ہوا گمان کہ مسجد میں بھوت ہے      ملاں نے کی شروع جو بکینہ ناک میں  
 واحی طرح ملی تھی مجھے آج بے طرح      دم آگیا مرادم تسطیر ناک میں

واقف آپ کا نام سلطان احمد ہے۔ بسواں ضلع سیتا پور میں مکان ہے  
 بارہ تیرہ برس سے شعر گوئی کا شوق ہے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں اور ہمیشہ دھڑلے  
 کے اشعار کی نہایت فراخ دلی سے داد دیتے ہیں۔ جناب ریاض سے مشورہ سمجھ  
 کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی افحناے طبیعت سے ظریفانہ شعر بھی فرماتے ہیں۔ مگر  
 بہت کم شطرنج بہت عمدہ کھیلتے ہیں۔ ملازمت سے طبیعت کو نفرت اور تجارت  
 کا شوق ہے۔ اسبوج سے آپ عرصہ سے بیکار خانہ نشین ہیں۔ ایک دیر تو سال سے  
 کیمیاوی ترکیبوں کے ساتھ آپ جدید دھات جو سونے کے مماثل ہے تیار کرنا چاہتے  
 ہیں۔ اگرچہ اب تک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر بھی اپنی کوششوں میں آپ بہت کچھ  
 کامیاب ہو گئے ہیں۔ راقم سے بھی عرصہ دس بارہ سال سے بے تعلقانہ ملاقات ہے  
 اور جب آپ لکھنؤ تشریف لاتے ہیں تو اکثر ملاقات ہوتی ہے۔ نہایت نیک مزاج تھیں  
 ظریف الطبع۔ خوش تقریر۔ اور علم مجلس کے ماہر ہیں۔ میں نے ترتیب تذکرہ کا  
 ذکر کیا تو اپنے اپنے یہ دو تیس شعر عنایت فرمائے تھے۔ وعدہ تھا کہ اور بھی کلام  
 عنایت فرمائیں گے۔ مگر کچھ آپ کو یاد نہ رہا نہ کچھ مجھے اور یہ وقت پر یاد آ گیا۔  
 واقف صاحب کی عمر اب پچھنچا ۴۵-۴۶ برس کی ہوگی۔ بخونہ کلام یہ ہے۔

کرمل کوٹ سے بہتر کوئی تحصیل نہیں

عیش کرتے ہیں زمانہ میں پرندی نڈے      مستقل دروڑ میں جکے لئے فادر نہیں  
 پیش رشتہ ہیں ہر اک جا پر قانون سلاٹ      ان بڑی بی کو بھی ملتا کوئی شہر نہیں



علم کی ہونگئی ہے وہ بھرمار  
بی اسے کرتے ہیں مہرے کی دکان  
ہیں برابر شریعت اور چار  
ایم لے چھیں چاروں میں اچار

صحبت میں اپنی ایسے بزرگ پائیک ہیں  
بنواس چھیں خود نہ پس کیسے بنائیں

واہ ایک مجھ بول الاسم تخلص ہے جن کے یہ دو تین شعر میرے پیش نظر  
ہمارا خط لے جاتا تھا اور صید کی گھڑی بچا  
کہہ کر کیا تھا میرا نامہ بر لوکا پٹھا تھا  
درا میں بھی تو سن لوں کیوں مجھے محض ہے ٹھوڑا  
دلچا تھا نہ گنج تھا نہ کانا تھا نہ نکٹا تھا  
نہا بستان سے بیخانہ میں آیا کل کے اعظ  
نخل میں پوریا تھا کان میں سواک تھی ٹھوڑی  
خدا معلوم کیوں بدنام کر رکھا ہے دنیا نے  
یہیلی آن کی نانی تھی نہ محزون میرا دادا تھا

واہ - وحید الحسن نام ہے - ایک زمانہ میں کینگ کا لچ لکھنؤ میں تعلیم پاتے تھے  
زیادہ حالات معلوم نہیں ایک غزل کے چند اشعار مل سکے -

کبھی دیکھی جو صورت سب کو اس وقت جا کی  
ملا کھانا نہ پانی ہم نے دس بھر خاک ہی پھانکی  
ہمارے یار کی باد صبا اک موترانی ہے  
صفائی روز کر جاتی ہے اگر کوئے جانان کی  
دکھائی و در سے ارماں کی گھڑی پڑھ کے محزون  
کبھی لمبی سفر میں پردہ محفل سے گر جھانکی  
شبا بہت چھوٹی آنکھ نہرتی تھی تلخی پائی ہے  
ہوئی ہے گرم بازار بانی ہی باعث ٹیاں کی  
خدا را بھید سے مجھ کے سیلا گھر میں تو اُسکو  
مٹا کر داڑھی منچھیں پاٹ کر تے میں دیکر  
وہ تملاکر کبھی کچھ انھوں نے بات کی تجھے  
لہا پھر تپا ہے بات بھر تارہ کی جو جانی آفتیں

وجود سید محمد علی نام تھا۔ بنارس کے رہنے والے تھے۔ ہزل گئی کے مشاق تھے۔ شاگردی کا سلسلہ صاحبقران تک پہنچتا ہے۔ صرف ایک شعر اس کا گلستان سخن میں ملتا ہے۔

رکزنے جرن میں جب جھکایا      بتوں کی بندگی گویا ادا کی

وجاہت۔ آپ کا نام وجاہت حسین ہے۔ جہانۂ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے اور ملک کے مشہور ادیبوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔ ۱۹۱۷ء سے شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ اور اجداۂ وہی قدیم روش اختیار کی۔ مگر امتداد زمانہ کے ساتھ جیسے جیسے زمانہ کا رنگ بدلتا گیا۔ آپ کی طبیعت قدیم طرز افروز سے متفر ہو کر جدید رنگ کی طرف کھینچتی آئی اور سمجھ لیا کہ طرز قدیم کی شاعرانی دنیا سے کم نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات نفس الامر اور واقعہ کے سراسر خلاف ہے۔ مگر پھر بھی آپ کا عقیدہ یہی رہا۔ ۱۹۱۷ء کے بعد قوی اخلاقی اور نظریاتی رنگ کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اس میں ایک حد تک کامیابی حاصل کر لی۔ چنانچہ ۱۹۱۷ء میں آپ کا مجموعہ کلام شائع ہو گیا۔ وجاہت صاحب ایک قابل ذہن اور طبائع شخص ہیں زبان اردو سے آپ کو خاص محبت اور خلوص ہے۔ چنانچہ آپ نے زبان کے پارہ میں ایک نہایت مبارک اور محسن کوشش کی اور ایک رسالہ لکھا جس میں لکھنؤ اور دہلی کی زبانوں کا فرق دکھایا تھا۔ گو بہ مقتضائے بشریت اس میں بعض بعض اغلاط باقی تھے۔ مگر پھر بھی مستقلاً اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بہترین تصنیف ہے آپ نے مختلف اخباروں میں ایڈیٹری بھی کی۔ چنانچہ ہدایت نامہ آپ زمیندار اخبار کے ایڈیٹر اور اسٹاف میں چھپتے اسٹنڈرڈ ایڈیٹر کے کام کرتے رہے۔ اس وقت نہ معلوم کہاں ہیں۔ مشاغل علمی سے آپ کو نہایت

انس اور وحشی ہے۔ میں آپ کی قدیم غزلوں سے بھی ظریفانہ شعر چکر پیش کرتا ہوں  
اور ان اشعار کا بھی نمونہ دکھاتا ہوں جو آپ نے ظرافت کے نام سے نظم و جاہت  
میں لکھے ہیں۔ نمونہ کلام

## واعظ اور سرسید

### تنظیم بر نظم اکبر مرحوم آلہ آبادی

شہرہ جببان کے وعظ کا لوگوں میں ہرجلا پھر تو وہ خود کو دلیس سمجھنے لگے ذرا  
اب کیا تھا بڑھتے بڑھتے بڑھا ایسا حوصلہ سید سے جا کے حضرت واعظ نے یہ کیا

جہ چاہے جا بجا ترے حال تباہ کا

اے مرد آدمی یہ تجھے ہو گیا ہے کیا شاید ترا دماغ ٹھکانے نہیں رہا  
قسمت کا تو مقرر ہے نہ قابل نصیب کا سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا

دل میں خیال بھی نہ رہا لا الہ کا

کہتا ہے تو زبان سے دن کو تو قوم قوم سوتا ہے خوب رات کو ہو ہو کے مست قوم  
یاد خدا میں کوئی گزرتا نہیں ہے یوم ہے بچہ سے ترک حج و زکوٰۃ و مملوۃ و قوم

کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا

بری یہ رسم کیا ہے یہ حیر ہے کیا رواج سارے جہان سے تو نے نکالا نیا رواج  
دنیا دین کا تر ہے بالکل جہاں رواج اُسنے دیا جو اب کہ مذہب ہو یا رواج

راحت میں جو محفل ہو وہ کا نٹا ہے راہ کا

دین و حدیث و فقہ میرا کی زندگی بسر کھوئی ہے ایک عمر بخاری میں بیٹھ کر  
ہر سوئی ہے روشنی اب تو ہے جلوہ گر افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بیخبر

دیکھا نہیں ہے رنگ جو شام و بنگاہ کا

حجر و نمین مسجد دل میں رہے آپ عمر بھر  
یہ زہر خشک آبِ وضو سے ہوا نہ تر  
سب حال ہو عیاں جو ہمند رہے ہو گزر  
یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر  
گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

یورپ کی لیڈیوں سے ہو صورت ملاپ کی  
چینی کی موتیں ہیں عجب ٹیپ ٹاپ کی  
ہٹل میں جا بین سپر کریں کافی شاپ کی  
دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی  
کم سن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

خوش وضع خوش کلام خوش انداز مجہیں  
میں چند لفظ بھول گیا ہوں نہیں نہیں  
دلدارہ و لستان و دلارام و دلنشیں  
نور خیز جامہ زیب گل اندام ناز نہیں  
عارضی یہ جن کے بار ہو دامن بنگاہ کا

پر جائے پھر تو سایہ سپہ یوں کا واسطی  
اندر کے بھی اکھاڑے ہیں آئے نہ یہ فترا  
اس بے تکلفی پہ بھی اسے مرد پار سا  
رکے اگر تو ہنسکے کے ایک مہ لقا  
دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

دنیا میں اس سے کوئی بھی اچھا نہیں ہے کام  
انسوس ہے کہ اسکو سمجھتے ہو تم حرام  
پہ لہارے ہاتھ سے دہسکی کا ایک جام  
اسوقت قبلہ آپ کو جھک کر کردن سلام  
بہر نام بھی حضور جو لیں قبلہ کا

## ہم کیا ہیں

تالچ احکام قرآنی ہوں میں  
پیر و دین مسلمانی ہو نہیں  
دیکھنا دھوکا نہ کھانا کوئی  
صبح کاذب کی درخانی ہو نہیں

مستکف حجب میں ہوتا ہوں نام  
 آگیا ننانوے کے پھیر میں  
 نفس امارہ کا دشمن بن گیا  
 کیوں نہ دروہ قوم کا دورہ اٹھے  
 ہوشیار اس اہل دنیا ہوشیار  
 یہ مری ریش مقدس داہ واہ  
 کام آجاتی ہے اس ٹٹی کی آڑ  
 اس وجاہت سے یہ سراصل ہال  
 مستکف یا قطب ربانی ہوں  
 حافظ اسلمے یزدانی ہوں  
 یہ جو روسی ہے تو عاپانی ہوں  
 نگسار نوع انسانی ہوں  
 اقراو کر کا بانی ہوں میں  
 خضر ہوں الیاس کا ثانی ہوں  
 اک محبم شکل شیطانی ہوں  
 سچ یہ ہے ننگ مسلمان ہوں

### ہندوستانی اور یورپین مس کی نوک چھوک

کہا جو لیانے یہ بدرالنساء سے  
 نیا کوئی انداز تم میں نہیں ہے  
 سمجھتی ہو زیور کو زینت کا سماں  
 بناوٹ سے تم چاہتی ہو چمکنا  
 وہی کرتی انگلیاں ہی بند محرم  
 لڑائی میں بڑ بکر ہو بھٹیاریوں سے  
 نہیں تم میں مغرب کا کوئی قرینا  
 ہو پردہ کے زندان میں تم مقید  
 مصیبت کے دن کا مٹی ہو جہاں میں  
 تمہیں جیتے جی مار رکھا ہے آستہ  
 کہا سن کے بی بی نے لب میم صاب  
 کہ موجودہ تہذیب کے تم ہو عاری  
 پُرانی ہیں ساری ادائیں تمہاری  
 خوشی سے اٹھاتی ہو یہ بھج بھاری  
 لگاتی ہو کپڑوں پہ گوٹا کناری  
 چلی جاتی ہے حسن کی پڑہ اری  
 چلاتی ہو بیڈ سب چھری اور گٹاری  
 نئی روشنی میں جلن ہیں گناری  
 تمہارا نہیں کوئی فضل اختیاری  
 یہ جینا ہے یا نزع کی دم شماری  
 پڑے بھاڑ چولہے میں یہ ضوہاری  
 بس اب چپ ہو کئی اب میری باری

نئی روشنی کے نئے رگیت گائے  
 تماشا تو دیکھو کہ پردہ اٹھا کر  
 نظر پڑتی ہے غیر لوگوں کی ہر دم  
 کیا کرتی ہو غیر مردوں سے باتیں  
 ہوتی ڈولی اور بند گاڑ سچی نفرت  
 نہ اڑاؤ میموں کا سایہ ہنس کر  
 چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا  
 خطابوں کی شیدا ہوتیں عوتیں بھی  
 ترقی کر دے علم شاہ سنگی میں  
 اسے کہتے ہیں لوگ تقلید بجا  
 کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا  
 ہے زیبا انھیں کے لئے بے حجابی  
 نہیں ملک میں رعایا یا پناکچہ بھی  
 مہاراجا انھیں مغربی پورٹ سنو  
 بہت تم نے بڑا جڑو کے فنکار  
 بنی پھرتی ہے ہم میری بچاری  
 تمہارا یہ چہرہ ہے پانڈاری  
 پھکتی نہیں پاس تاکہ مساری  
 پسند آئی بانٹ سکل کی سواری  
 کہ صورت ہے کالی کلٹی تمہاری  
 نہ کام آئی کوئے کی کچھ ہوشیاری  
 بیاہی منہ اور مس ہے کنواری  
 نہ چھوڑو مگر اپنی تم وضع داری  
 بناوٹ ہے یہ سادگی کوئی تمہاری  
 حکومت کا میموں کی سکر ہے باری  
 ہے شایاں ہمارے لئے پڑہ داری  
 حکومت سے بچتی ہیں باتیں تساری  
 ہمیں ایشیا کی پرائی سٹاری

جو کا ضعیفی میں قد شیخ کا  
 گرے اس میں عشاق کے دل بہت  
 میرا ماں ہیں میکے کے شیخ  
 خبر بدو مبرے دل میں رہتے ہیں  
 کبھی تیر تھا اب کہاں ہو گیا  
 ذوق ایک خونی کنواں ہو گیا  
 آن کے گھر کی دکان ہے گویا  
 یہ حسینوں کی کان ہے گویا

فلیک کموں زمیں کا سہارا نہ لے  
 یہ بوڑھا بہت ناقصاں ہو گیا

زال دنیا بھی ہے بڑی پھیل  
ہے نیا ڈھنگ اس پرانی کا  
آسمان بھی ہے پیر نابالغ  
دقت دیکھا نہیں جوانی کا  
ناز سے ڈال لو بل ابرو میں  
تیج کس دو ذرا کمائی کا  
قیس دیا انگی کی حالت میں  
راجہ تھا بن کی راجد ہائی کا  
سوت کرتی ہے چاروں خانے چت  
ہے رواں داؤد ہسلوانی کا

مقتل میں غیر آنہ سکا ڈر کے ہٹ گیا  
بزدل نہیں تھا بڑے قتل کیوں صناٹ گیا  
حاضر ہوا نہ حشر میں اچھا نبٹ گیا  
اس غیر حاضری میں مرنا مٹ گیا  
نام رقیب میں نے لفافہ پہ لکھ دیا  
کچھ غم نہیں ہے خطا جو انھیں مل گیا  
واعظ کی گت بتائی تھی رند نے بی طرح  
یہ جانتے تھے اسکا بس اب باپ کٹ گیا  
لیکن وہ دم چاہ پڑا تھا زمین پر  
رندوں نے پشت پھیری تو اٹھ کر چھٹ گیا

دل ہے برسات میں بھی نہ مردہ  
سو کہ کر یہ شجر ہر آنہ ہوا  
ہم نے کتنی ہی التجائیں کہیں  
وہ مگر ٹس سے مس ذرا نہ ہوا

اب ٹھکانا ہے ہمیں عشق کے دکھیا دل کا  
کوچہ یار شفا خانہ ہے بیمار دل کا  
پاس شیریں تھا جو فرما دے گا نا کسار  
ورنہ یہ کام ہے مزدوروں کا ہمارا دل کا

قتل کر ڈالیں جو وہ مجھ کو تویرے خون سے  
تو سن عمر رواں بنجاسے دلدل کا جواب  
ہے خم محراب ابرو سے صنم کیا خوشنما  
بحر عالم میں کہیں دیکھنا اس پر کا جواب  
بعد مردن بھی رہی انکی باہم لاگ ڈانٹ  
برہمن کے پھول ہوں گے شمع کے قتل کا جواب

جنت سے آئے حضرت آدم زین  
ننگی ہوئی تھی پہلے ہی انکی طن کی خانہ  
دھپستے یہ چھو لنگی چٹریوں سے کھیلنا  
دولہا کے منہ پہ لگتی ہوا کروا من کی خانہ

رند دھوکہ شیخ کی گڑبڑی بکے گی آج  
نیلام ہو گا پیر مغاں کی دکان پر

مرے دل کی پریشانی ابھی کچھ ناکمل ہے  
ذرا تو گیسوں میں اور ابھی لبان پیدا کر  
حاکم ڈال رکھی ہے گلے میں اس گلیا جال  
اٹھالے ہاتھ میں جسکو تودہ قرآن پیدا کر  
تے گھرا تو دشمن بھی چلے آتے ہیں بے کھٹکے  
جو روکے دور سے غیروں کو وہ دربان پیدا کر

مر گیا میں تو ہنس کے وہ بولے  
دم چرانے کے ہیں ہزار طریق

نہایت بے تحلف ہے آسمانوں کی صحبت بھی  
ادھر دو چار لیٹے ہیں ادھر دو چار بیٹھے ہیں  
ذرا بیخانے میں دیکھو جناب شیخ کی سچ درج  
کہ باندھے پر تحلف لٹ پٹی دستا بیٹھے ہیں  
عدو کی موت نے مجھ کو کر دیا بالکل  
وہ اُسکی قبر پر دھونی رمائے بیٹھے ہیں  
کہا یہ شیخ نے زاہد سے سن کے ہجر کا ذکر  
اسی پر ہم بھی سراپنا مندا بے بیٹھے ہیں

وہ میرے پاس آتے نہیں بلکہ کبھی  
میں اُن کے پاس جادوں تو کہتے ہیں دھونو  
کڑا الو آج عشق کے مجھ پر ہکا فیصلہ  
تم حسن کی کچھری کے صد اصد بندو  
سننے ہیں جو داغ سے کھوئے کی مدت  
سب رندیہ کہتے ہیں کہ کھجور کے خدا کو

مرغ کے ہمراہ دیتا ہوں بھی انکا  
اُدھی کوئی اگر ہو جائے تو اتنا تو ہو



باد آدم غلام سے نکلے تھے ہم گھر سے تھے قصہ کو تہ باب کا پیر و پسر تانا تو ہو

لقد جان تک لوٹ لیتے ہیں عشق میں جنگیز خانی اور ہے

ملک عدم آباد میں ہے خوشحالت پرچہ کوئی نکلے تو وہاں سے خبر آئے

جان ہر بس دم کی سچی جانثار ساتھ راجہ کے یہ رانی جانیگی

ضرور اس کے رخ صاف پر نقاب ہے جس جو قیمتی ہے وہ جزو ان میں کتاب ہے

جنت میں بسر ہوگی نہ عروں سے ہماری سننے ہیں وہاں کا تو رواج اور ہی کچھ ہے

نظام ملک جفا میں جو اتہری ہوگی رقیب کو وہ مدار المہام کر لیں گے

سو ڈاواٹر ہو کہ انکو رو غیرہ کا بچوڑ پیاس لگتی ہے تو پی لیتے ہیں ہم ہر پانی

سانپ زلفوں کے پال کچے ہیں وہ حسین کیا ہے اک پیرا ہے

مل گیا نامہ بر ہیں سستا ایک کوڑی کا ایک پیرا ہے

پھاڑ کھا بیگنا قہیں کو اکدن سب لیلی کا نام شیرا ہے

دیکھی رفتار ابلق ایاں چاقی چو بند یہ بچھیرا ہے

حواس اُن کے جاتے رہے صبح وصل  
خبر نہ گئی پچھڑی رہ گئی  
جلے دل جگر جان جلنے کو ہے  
یہ اب آخری پھل پھڑکی رہ گئی  
نہ نظر کوئی عشق کے دشت میں  
و جاہت ہی کی جھوٹری رہ گئی

دل رہا بچ کر نگاہ ناز سے  
لے گیا بازی کبوتر باز سے

جان دی ہے ہمنے کو دل کے سامنے  
تقریب ٹھنڈا ہوا ہے کرپا کے سامنے  
نظر پڑا ابرار کے  
و دیدہ گئی صاحب بدایوں کے رہنے والے اور موجودہ شعر اگر میں سے  
ہیں۔ صرف ظرافت کی طرف میلان طبع ہے۔ یہ دو شعر جناب قمر بدایونی نے  
سنائے تھے۔ جو درج کرتا ہوں۔

ہوئی ٹکڑا عجیبے اور اُن سے رات بیٹھے ہیں  
کما میں نے کہ اک بوسہ کھنچا کھنچے دیدو  
میں گستاخا ہیں مل لورہ کہتے تھے اکیلے میں  
لگا کر لٹا وہ کہنے لگا سالا کہتے پاکا

وصل۔ مرزا محمد اسحاق نام تھا حاجی ابراہیم خلیف آغا قدیر اصفہانی کے  
بیٹے اور شرف الدین مولد لکھنؤی کے شاگرد تھے۔ شعراء متقدمین کے طبقہ سے  
تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ وفات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئی۔ بیشتر و اکثر  
حصہ عمر مرثیہ کہنے میں گزارتے تھے۔ مگر کبھی کبھی اقتضائے طبیعت اور  
تغصن کے طور پر شعر مذاقیہ بھی کہتے تھے۔ وہ تین شعر مل سکے۔

لیا تک جو آغوش میں میں تو بولا  
اے چھوڑ کب تک مستجاب کجا  
اتح میں ہاتھ لے غیروں کا پڑے پھرتے ہو  
ہم جو دامن چھوین تو آپ جھٹکتے جاؤ

اصل کی شب بیدار کیا پر اگر ہو ستریں میں یہ سمجھوں آگئی سونے کی چڑیا ہاتھ میں

وفا تخلص ہے ذاب محمد عرفاں صاحب بہادر خلف برق الدول بہادر  
رئیس اعظم حیدر آباد کا۔ آپ نہایت قابل اور مشہور نثر نویس ہیں چنانچہ عاشق  
ناشاد۔ ناصر حمید۔ گلزار ونا۔ وغیرہ ناول آپ کی تصنیف سے ہیں ایک  
نظم بعنوان۔ نئے تعلیم یافتوں کا نوٹ۔ آپ کی تصنیف سے نظر سے گزری۔  
اگرچہ اس نظم کو کوئی طریقہ نہ نظم کہنا غلطی ہے۔ مگر چونکہ اکثر جگہ بیان میں  
شوخی اور شگفتگی ہے اسی لئے اس کے بعض اشعار درج کر رہا ہوں۔

عجب انداز ہے کچھ آج ہم فریاد کرتے ہیں	نئی تعلیم والوں کی بیاں رو داد کرتے ہیں
نئی تعلیم پا کر کالجوں سے جو نکلتے ہیں	صلاح قوم کی وہ ہر جگہ فریاد کرتے ہیں
بدل کر ٹھٹھا اپنا اس طرح گھر سے نکلتے ہیں	زمین تک کا پتہ ہیں بوٹ بھی فریاد کرتے ہیں
چرٹ مغھ میں تو سر پر ترکی ٹوپی ہاتھ میں ہٹ	چڑیا کر آنکھوں پر عینک نظر بر یاد کرتے ہیں
اگر رستہ میں لجاتا ہے اگلی دھب کا کوئی	تو منہ سکراد لڈ فیش کہہ کے اس کو یاد کرتے ہیں
مگر بہاؤ رکھ کر جب کیٹی میں کھڑے ہونگے	پکاریں گے کہ آد قوم کو ہم یاد کرتے ہیں
ترقی کر گئی ہیں غیر قوم میں تم بھی اب جاگو	فصاحت بلاغت بھی ارشاد کرتے ہیں
یہ سب کچھ کہہ کے جب تقریر اپنی ختم کرتے ہیں	تو پھر جاتے ہیں بیٹوں کو وہ آباد کرتے ہیں
پسند آتی نہیں ہے قوم کی صنعت انھیں کوئی	برائڈی اور چرٹ سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
ڈرامے شکسپیر کے اٹھا کر دیکھ لیں سارے	کہ شاعری زمین شعر کو آباد کرتے ہیں
جنور آداب تعلیمات کہنے پر تو یہ خوش ہیں	اگر یاد کہے کوئی تو بس فریاد کرتے ہیں
بظاہر شاعروں کی ہجو میں صرہ نہیں لکھیں	بھلا کیوں ناولوں سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
نہ ہو جب تک چھری کا ٹایہ کھانا کھا نہیں سکتے	اگرچہ نہ ہو تو ہر گھڑی فریاد کرتے ہیں

پلاؤ اور مطمن قورے سے اکلو لفرے  
 وٹیل روٹی اور آلو ہو تو دل کو خدا کرتے ہیں  
 انیس لفرے نہ کیوں ہو باپ دادا کے مذہب سے  
 کہ ان کو تو یہ ہر دم فول کہہ یاد کرتے ہیں  
 یہی تہذیب ہے تو ہکو کچھ مطلب نہیں اُن سے  
 ہم اُن کی وضع پر بھی درہی سے صا کرتے ہیں

## حرف ہائے ہوز

ہاشمی گیارہویں صدی ہجری کا شاعر نصرقی کا معاصر ہے۔ سادہ زاد نابینا تھا۔ مگر عقل و ذہانت اور طباطبائی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا چنانچہ ۹۹۹ھ میں ایک ثنوی یوسف زلیخا کے نام سے لکھی جس سے اسکی ذہانت پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ زبان اردو کے شروع زمانے میں بھی یہ اسی طرح زبان پر قدرت رکھتے تھے جیسے کہ لوگ آج اسپرناز کرتے ہیں۔ بہ لحاظ قدامت ریختی کا موجود انھیں کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ نمونہ کے طریقہ پر ان کے اشعار جو درج کئے گئے ہیں وہ میں بھی ذیل میں لکھتا ہوں ہاشمی نے سنہ ۱۰۱۰ھ میں انتقال کیا اور آخر تک برابر یہ رنگ کئے رہے۔

اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل میں کیا کہے گا	مجھے بند نام کیا کرتے کہیں میں جا رہی تھی
رضا گرہ جھک دیتے ہی کرونگی گھر میں جا دارد	اگر مجھ ہو و نیکی فرصت صبح پھر کونگی چھوڑ

ہائے واے۔ تخلص تو غیر یہ کیا ہو گا۔ مگر اسی تخلص سے ایک منجلی شاعر نے اپنی طباطبائی اور ذہانت کے جوہر دکھائے۔ اودہ پنج سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جس زمانہ میں داغ مرحوم کا انتقال ہوا ہے۔ اُس وقت خدا معلوم اوپر مرحوم کی ذاتی اغراض سے یا اور کسی سبب سے اودہ پنج میں غریبانہ تاریخوں کا وہ طومار بند ہا تھا کہ سننے والوں نے کانوں میں انگلیاں

دے لی تھیں۔ جذبات ظرافت میں ایک حشر و نشر کا عالم برپا تھا۔ جس کسی کو خبر ہوئی۔ سو ضروری کام چھوڑے مگر داغ کے لئے ایک نظریقانہ تاریخ ضرور لکھدی۔ ادینیں اکثر تہذیب کے درجہ سے بھی گر گئیں۔ مدتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا چونکہ داغ مرحوم ایک مسلم البشیرت۔ استاد اور ملک کے نامور شعراء میں سے تھے۔ اس لئے اکثر حضرات کو اپنا صحیح نام و تخلص نہ لکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ سمجھے تھے کہ داغ کے ایک دو شاگرد تو ہیں نہیں سبے تعداد ہیں بے شمار ہیں۔ اگر ذرا بھی کسی کو معلوم ہو گیا تو آفت آجائے گی۔ اسی لئے عجیب و غریب تخلصوں کے ساتھ سب چیزیں لکھی جاتی تھیں چنانچہ ان صاحب نے اپنے لئے اسے واسے تخلص پسند کیلئے تاریخ میں امیر داغ دونوں کو لیا ہے اور اودہ پنج سالین مطبوعہ ۱۶۔ مارچ ۱۹۰۹ء میں ٹھوڑی ہی نشر کے ساتھ یہ تاریخ شائع کرائی ہے۔ ممکن ہے کہ اور بھی کچھ نظریقانہ کلام ہو۔ مگر مجھ کو صرف یہی ملا۔ جو منہ نشر نقل کرتا ہوں۔

حضرت سنے یوں تو لوگ روز ہی روتے ہیں لیکن بندہ درگاہ کار و نا کوئی ایسا ویسا معمولی محرم و حرم کی مناسبت سے نہیں۔ کیا معنی لوگ صرف دس دن محرم ہی میں سینہ کو بیاں کر کے روتے رولاتے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں لیکن آپ جانتے ہمارے شہر میں سدا سہا گزوں میں بھی سال بھر تک محرم ہی محرم رہتا ہے اجنبی آدمی تو یہ جانتا ہے محرم ہے غم حسین میں لوگ ہلاک رہے ہوں گے مگر حقیقت حال معلوم ہونے پر اپنی حماقت ہی پر رونا آتا ہے۔ یعنی جس کو لوگ تابوت خیال کرتے ہیں وہ ہمارے شہر کا طاعونی مردہ ہوتا ہے۔ اور گھر والیوں کا رونا جو سوز و فوج سمجھا جاتا ہے صرف خدا واسطے کار و نا ہوتا ہے۔ علی ہذا القیاس یہاں کی حالت دیکھئے میرے نزدیک رونا ایک معمولی مشغلہ ہے۔ اس سبب سے ہسلا اور موقع کا کیا ذکر اللہ بخشنے مرنے والی کے نام پر بھی میں نے وہ آنسو نہیں بہائے۔ ہاں خوب

یا د آیا۔ عمر بھر میں صرف ایک بار رویا ہوں اور وہ بھی غمی میں نہیں۔ بلکہ شادی میں۔ کب جب میں بنا تھا۔ بٹنے سے یہ نہ خیال فرمائے گا بنا بنا تھا۔ بلکہ اور لوگوں نے بنا یا تھا۔ اچھوٹا دہ بگڑ گئیں میں آدمی بن گیا۔ یا اس مرتبہ حضرت داغ کے مرنے کا قلق ہوا۔ لوگوں کی شرما شرمی دیکھا دیکھی میں بھی روتا ہوں۔ ہاں اور سنئے اگرچہ میں خاندانی شاعر نہیں اور نہ خدا نخواستہ ملک کے مشہور شاعروں میں میرا شمار ہے۔ لیکن موزوں طبع ضرور ہوں اسوجہ سے ذرا نظم کہتے زور پڑھتے ہوئے جھجکتا ہوں۔ اور پھر ایسے شہر میں جہاں کے قیاس اور خلقت کا یہ حال ہے دس دن محرم میں بھی شواہد پرستی سے باز نہیں رہتی بجائے غزل ٹھہری پٹہ خیال کے غم حسین کے پردے مرثیوں کی اورٹ میں کھلم کھلا گانا سناتے سوز و ساز کے لطیف چھڑ چھاڑ کے فرے لٹتی ہے۔ پس بندہ بھی قیود شاعری کو سلام کر کے زور یا حضرت داغ کی وفات کا قطعہ تاریخ لکھتا اور خوب جی کھول کے روتا ہے۔ اور اگر روتے نہ بنے تو بقول شخصے رع ذکر قرار ہوں اتنی نہیں فریاد نہجے۔

### روتا ہوں بھئی روتا ہوں

دیکھئے داغ امیر داغ غلے میسر داغ	دل کو ہونغم سے کیا فرغ ہے امیر داغ
کس غزل سنائیے داد کہاں سے پائیے	روئے اور رولائے ہے امیر داغ
کرتی ہیں ندیاں ہو میں چوک میں اک تم شوہن	غل ہے بجائے یاسین ہے امیر داغ
کام ہے اپنے کام سے ورنہ غرض سلام سے	کدے کوئی نظام سے ہے امیر داغ
وہ جو ہیں تائیں گے ہم بھی کن ہی غنائے	مر کے تو نام پائیں گے ہے امیر داغ
ہے مجھے مال ہے رنج عالم کمال ہے	غم سے بڑا یہ حال ہے امیر داغ
بسکہ مرض تھا لدوا ہونا تھا جو وہی ہوا	دا یا اجل نے ٹینٹا ہے امیر داغ

اب نہ وہ روئے نہ وہ غزل ہی یا ہے  
 غم سے جو آپ میں آئے سال منات کیا ستا  
 رنج یہ مستزاد ہے ہاے امیر دے داغ  
 کتاب ہے دل کہ ہاے ہاے ہاے غزلے داغ

داغ صاحب مر گئے شرم و حضور ہی گئی  
 میرے دل سے پرچھے صدے ہیں کیا جان  
 کیا کہوں اک حسرت عرض ضروری گئی  
 میرے غم کے زندگی اپنی ادھوری گئی  
 یہ خبر سن کر کوئی گھر سے ہمارے چل دیا  
 مجھے گھر کے کئی ہفتے جلدی یہ بات  
 سال تالیخ مسیحی سے جو دوری گئی  
 شاعری ہندوستان میں بٹوری گئی  
 پرکتر کے لئے گئے داغ اور از روئے قلعی

پھر آپ کا نام پنڈت ترہون ناتھ والد کا نام پنڈت بشن ناتھ صاحب پورو  
 تخلص صاحب بر تھا حضرت ہجرت ۱۸۳۵ء میں تحصیل چنبیا میں پیدا ہوئے۔ مگر زیادہ تر  
 سکونت فیض آباد میں رہی۔ علوم مشرقی زمانہ کے دستور کے مطابق کتب میں پڑھے پر  
 پھر متعدد جگہ انگریزی علم کی تحصیل کر کے کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف۔ اے تک تعلیم پائی  
 مگر چونکہ امتحان میں پاس نہ ہوئے اس لئے دل لڑا گیا اور تعلیم کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔ بعدہ  
 تہلاش معاش اودھ کے مختلف اضلاع میں گھوم کر گوڈہ میں مستقل سکونت کا قصد کیا تھا  
 اور دو برس تک وہاں سلسل رہے بھی۔ مگر گردش تقدیر سے زانو کا درد پیدا ہوا جسے  
 مدتوں پریشانی کا سلسلہ اور علالت کا تسلسل قائم رکھا۔ تاہم اسی کے علاج کے  
 لئے فیض آباد آئے۔ آخر کار یہیں چھ ماہ بیمار رہ کر عمر ۳۹ سال ۱۸۹۵ء میں  
 انتقال کیا۔

بقول منشی سجاد حسین مرحوم سابق ڈیڑھ سو پنج اس اخبار کے سب سے پہلے  
 قہر دان اور خریدار ہجرت تھے۔ ایک سال تک مختلف بخشوں پر آپ کے مضامین اور پنج



میں شائع ہوتے رہے۔ نہ صرف اودھ پنج بلکہ ملک کے مشہور مشہور اخبارات و رسائل میں آپ کے نہایت معرکہ الارامضا میں شائع ہونے اور پبلک نے مخصوص قدر وانی کے ساتھ ان کو پڑھا۔

جیسے کہ آپ ایک کامل نثر تھے اسی صورت سے آپ کو شعر گوئی کا شوق تھا۔ حضرت قدر بلگرامی کے شاگرد تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں نثر و شعر کہتے تھے اور دونوں میں نہایت اچھے شعر نکالتے تھے۔ مگر زیادہ تر سیلان طبع طرافت کی طرف تھا۔ اسی سبب سے اکثر مثنویں اشعار میں بھی یہ رنگ ظاہر ہو جاتا تھا۔ مگر فوس ہے کہ اپنے اپنے کلام کو کبھی جمع نہیں کیا۔ یہی سبب ہے کہ اب مشکل سے چند شعر دستیاب ہو سکے جو درج ذیل ہیں۔

مہ ساقی چاٹو کا چھٹا پلا	کہ ہستم اسیر کمنہ ہوا
مزا کرے کر ہو گیا دے چرس	نہا یریم غیر از تو فریا درس
خوش از چاٹو بازی دگر گارست	دیز گرم تر ہیج بازار نیست
نمک چوں مس قلب اکیمیات	کہ افیوں ہمہ درد ہارادوات
جو تو چاٹو بازی کرت اختیار	شود خلق دنیا ترا دوستدار
یہ افیونیوں کی کمر خم نہیں	نہد شاخ پر میوہ سر زبیں
کمر خم ہوئی دگر گیا مغزو پوست	تواضع ز گردن فرازاں نکوست
مدک کش لگائے اگر دم سہل	ذند سوز او شعلہ در آب دگل
ادھر لاؤ حقہ رگلاؤ نہ دم	کہ ناگہ شود سر بسز کالہ دم
جو افیوں پیئے ہے وہی آدمی	نہ زبید نہ مردم بجز مرد می
میاں بھیرینیکسپوٹاٹوں پہر	بفعلت مہر خمر درد سے بھر
بھیر مردم نے ایک مرتبہ ایک۔ قوی اتفاق کے موقع پر ایک صاحب	

کی شان میں حالی کے مسدوس کے طریق پر جو ایک نظم لکھی تھی اس نے خصوصیت کے ساتھ  
 شرف قبول حاصل کیا۔ جس کے چند بند تقنن طبع کے طور پر ہدیہ ناظرین کے جاتے ہیں  
 سہنیل قومی اعزاز کے کھوسنے والے      زمانے میں تخم حسد بونے والے  
 جمالت کے چشمے سے منہ دھونے والے      خیر و اربابے خبر سونے والے  
 گھٹا کی طرح چھار ہی ہے تباہی  
 تری قوم پر آمد ہی ہے تباہی  
 عدلوں کے سوا کچھ ٹکانے والے      جمالت کی زنجیر کھڑکانے والے  
 دلوں کو ضعیفوں کے دھڑکانے والے      نیا روزاک جو ٹیڑھ ٹکانے والے  
 یہ کیا نت نئی شعبہ بازیاں ہیں  
 یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں  
 اگر لکھنؤ میں تمہیں باخدا تھے      بڑے نیک طینت ٹٹے پارسا تھے  
 اگر قوم میں تم ہی دہم آتا تھے      بڑے پاک باطن ٹٹے پارسا تھے  
 تو ہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے  
 چلے جاتے کاشی میں سناس لیتے  
 یہ ذاتی شخص یہ نخوت کہاں تک      یہ پنداری عجب و نخوت کہاں تک  
 یگانوں سے اپنے یہ نخوت کہاں تک      یہ میٹھے لڑنے کی عادت کہاں تک  
 ذرا کول کر کانٹن اس سخن کو  
 ہے درپیش چہ آخرش چاہ کن کو

ہمارے سیتا خواجہ ہدایت اللہ کے عرف سے مشہور تھے ممکن ہے کہ یہی نام  
 بہمن، پرو۔ شاہ طہماسپ اور شاہ عباس ماضی کے اصطلح خانے کے دار و عند تھے

شعر و شاعری میں شہر بھر میں مشہور تھے۔ خندہ  
 تاک پہونچی پوچھا کہ کیوں ہدایت تم شعر کہتے ہو۔  
 نے کہا کہ اگر شاعر کا سکندر نامہ نظامی کے وزن  
 کہہ کر ہتکے ساؤ۔ انہوں نے کہا کہ حضور با پنج سات  
 نظامی کے جواب میں ایک بے معنی خمسہ کہہ دوں  
 مشکل ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ مشکل ہے مگر  
 کے ساتھ اس فرض کو ادا کر سکتا ہے حضور انعام مقرر فرمائیں۔ بادشاہ کے ہریت  
 کے صلہ میں ایک عباسی دینے کا وعدہ فرمایا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی شرط کر لی کہ  
 اگر کوئی شعر بمعنی خمسہ بھر میں نکل آئیگا۔ تو ہر شعر کے عوض آپ کا ایک دانت  
 توڑ دیا جائے گا۔ ہدایت نے اقرار کر لیا اور اسکے بعد طویل عرصہ میں ایک خمسہ مہلہ  
 کہہ کر گزرا نا۔ تمام خمسہ میں تین شعر بمعنی نکلے اُسکے بدلہ میں وعید کے موافق  
 تین دانت اکٹروا دئے گئے۔ اور بقیہ اشعار کے جلد و میں وعدہ عطاے یک  
 عباسی فی شعر پورا کر دیا۔ چنانچہ اُس کے سکندر نامہ مہل کے تین شعر یہ ہیں۔

بجز پنبہ بر فصل آہو مزن	اگر عاتلی بخنیہ بر مومزن
بہنگ ماہیچ بازی مکن	برغم ملک ترک تازی مکن
بصبر آسیا کہنہ حلوا شود	کہ نعل از تبسم مر با شود

### نمونہ ہفت سیکر مہل

رخنہ در ہر جوال دوز مکن	شاش برید عاے گوز مکن
سائباں بر سر خلیل مزن	دم بخروم زندہ پیل مزن

## تو نہ شیریں خسرو مہمل

منہ چوں میل سرور پلے خنخاش      مکن چوں سرمدان بجائے نقاش  
بیاباں وقت گل دروازہ دارد      کلید بوریہ آوازہ دارد  
نہ تنہا دوستی در کاہداں است      کہیں ناداں جے عاشقاں است

ہر ہمدان کا نام عبدالرحمن تھا۔ اور پورب وطن۔ مگر جس زمانہ میں دلی کی شاعری عروج پر تھی اور بالکالوں کا مجمع اس کے وقار و عزت کا ضامن ہو گیا تھا اسی زمانہ میں کسی خاص وجہ سے یہ اپنا اصلی وطن ترک کر کے دلی چلے آئے تھے اور کہیں حکیم آغا جان عیش کے مکان کے قریب آکر رہے۔ اس زمانہ میں معلیٰ بڑا چلتا ہندا تھا۔ کچھ لڑکے لے کر بڑے بیٹھ گئے۔ چڑھاتے رہے۔ مگر اسی طرح جیسے پہلے لڑکے چڑھایا کرتے تھے۔ اتفاق وقت بچھے یا شامت اچال کئے ایک روز کسی لڑکے کو مولانا نظامی کی مشہور تصنیف سکندر نامہ کا سبق پڑھا رہے تھے۔ ادھر سے حکیم آغا جان عیش گزرے چلتے چلتے کان میں ان معانی اور مطالب کی بھینک پڑ گئی جو میانخی اپنے ہونہار شاگرد کو بتا رہے تھے۔ حکیم صاحب تو خود زعفران زار تھے سنتے ہی ٹھہر گئے۔ پھر تو کھڑے ہو کر پورا سبق سنا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ ذہانت کے عجائب خانہ کا منظر سامنے آگیا۔ جو مطلب سنا عجیب و غریب۔ جو معنی کان تک پہنچے انہی کے۔ اب کیا تھا۔ سامان تفریح یا روحانی غذا ہاتھ آگئی چپکے سے ہاتھ کا اشارہ کر کے ایک لڑکے کو الگ بلایا اور تاکید کر کے کہدیا کہ آج اپنے مولوی صاحب سے ہمارا سلام کہنا اور کہدینا کہ آپ سے کچھ ضروری کام ہے بلایا ہے۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔ ادھر لڑکے نے حکیم صاحب کے الفاظ آموختہ کی طرح مولوی صاحب

کو سنا دے دوسرے روز حکیم صاحب سے ملنے کے لئے گئے۔ حکیم صاحب نے باتوں  
 باتوں میں لیاقت علمی کا حال معلوم کیا تو دہسول میں پل سٹلے۔ پس پھر کیا تھا۔ اب تو  
 ایک چیز ساتھ لگ گئی حکیم صاحب نے پھر پوچھا کہ کیوں بھلا جناب کو کچھ شعر و شاعری  
 کا بھی ذوق ہے یا نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا مشکل ہے نہیں ہے تو اب  
 ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا آپ غزل کہئے تو آپ کو مشاعرے چلیں۔  
 انہوں نے مشاعرہ کی صورت پوچھی۔ حکیم صاحب نے وہ صورت بھی کھینچ کر دکھائی  
 دوسرے ہی دن یہ حکیم صاحب کے قریب ارشاد کے لئے ایک کھڑے کا کھڑا غزل  
 کہہ لائے۔ مولوی صاحب کی کئی ہوئی غزل حکیم صاحب کے لئے کشت زعفران  
 تھی اس میں کچھ اپنا تصرف کر کے بالکل دیوارِ قہقہہ بنا دی۔ اسے دن مشاعرے  
 ہوا ہی کرتے تھے۔ کسی مشاعرے میں اپنے ساتھ گئے۔ مولوی صاحب کا ہر ہر  
 شخص قرار دیا گیا۔ مگر مشاعرے کے روز ان کی جو دفعہ تھی یعنی نو کدہ ڈاڑھی۔  
 گھٹا ہوا سر۔ اسپر عمامہ۔ بالکل کھٹک بڑھیا معلوم ہوتے تھے۔ حکیم صاحب تو  
 نظرافت کے نباض تھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کوئی ظریفانہ تخلص رکھئے انہوں نے  
 جواب دیا کہ تجویز کرو کیجئے۔ انہوں نے وضع قطع کے موافق ہر تجویز کر دیا۔ انہوں  
 نے منظور فرمایا۔ انہوں نے مشاعرے میں ان کی پوری پوری تعریف کر کے موجود  
 تخلص کا اظہار کر دیا۔ ظریفوں کی خصوصاً اور سامعین کی نظر میں عموماً ادھر متوجہ  
 ہو گئیں۔ جب غزل پڑھی تو وہ چل پل پون مچی کہ حکیم صاحب کیا۔ مولوی صاحب  
 ایک خوش ہو گئے۔ اور مشاعرہ کی واہ واہ سبحان اللہ نے وہ منظر دکھایا کہ علم  
 نہ دیکھا تھا چند روز کے بعد حکیم صاحب کو ایک اور مذاق سوچھا۔ بادشاہ کی  
 تعریف میں ایک قصیدہ کہلایا اور انہیں دربار میں لے پونے۔ اور جہاں پناہ  
 کے سامنے وہ قصیدہ پڑھوایا۔ جس میں کے چند شعر یہ ہیں۔

جو تیری طرح میں میں چونچ اپنی اکر دیا  
تو شک باغ ارم اپنا گھونسل اکر دوں  
جو آگے زیر کرے میرے آگے موسیقار  
تو ایسے کان ٹروٹوں کہ بے سرا کر دوں  
جو سرکشی کرے آگے مرے ہما آکر  
تو اسکے نوح کے پر شکل نیولا کر دیا  
میں کھانے والا ہوں نعمت کا اور تیرے لئے  
فلک کے چہ مقدر میں باجر اکر دوں

بادشاہ سلامت نے قصیدہ بڑے غور سے سنا۔ مشکل سے اس سے پہلے کوئی ایسی  
مدح سنی ہوگی۔ باغ باغ ہو گئے۔ اور نوراً طائر الاراکین۔ شہر الملک۔ ہمد الشوا  
منقار جنگ ہما اور خطاب دیا اور سات روپیہ ماہوار چکے کے لئے مقرر کر دیئے۔ پھر  
تو ہمد کے چند روز میں اور ہی کھاٹ ہو گئے۔

ایک دفعہ برسات زیادہ ہوئی۔ مکانات گرے۔ حویلیاں تباہ ہوئیں انھیں  
میں میاں ہمد کا بھی مکان نذر سیلاب ہو گیا۔ انھوں نے حکیم صاحب سے کہا۔  
حکیم صاحب نے کہا کہ شہر میں سیکڑوں مکان پڑے ہیں کیا ان میں سے ہمد کے  
گھونسلے کو کوئی جگہ نہ ملے گی دیکھو کوئی بندہ دست کئے دیتے ہیں جھٹ پٹ  
ایک عرضی نظم کر دی۔ پوری درخواست اب کہاں ملتی ہے بعض شعر یہ ہیں۔

جز تیرے شاہنشا کہہ سکے آگے روئے  
کس سے جا کے کہئے یہ غم کو ہائے کھوئے  
بھٹکے ہوئے کیا ملک سخن کا شہسوار  
میں بجا کرنے سمند طبع کے یہاں پوئے  
جیت آتا ہے کہ فن عمر میں کیوں کھوے عمر  
کاشکے ہم سیکھتے اس سے بنائے پوئے  
سنگلاخ ایسی زمیں ہر دیکھ ایدل تا کجا  
فکر کچھ صرت آئیں اور چہر ڈھوپئے  
رفعتہ عمر شہنشاہ جہاں ہووے دراز  
یا خدا کھلتے رہیں جب تک جہاں میں موئے  
دیکھ اسکو بھی زمیں توڑی کہ بن کر گھونسلے  
ماہ ناچھراترا ہر پہرے ٹا بک ٹوئے  
ایک دفعہ تجواہ کے لئے دیر ہو گئی۔ انھوں نے ایک درخواست نظم کر کے ناگزیر لائی

اب درخواست کا پتہ نہیں۔ مگر نتیجہ معلوم ہے کہ تنخواہ مل ضرور گئی۔  
 راجہ دیسی سنگھ خاندانی کی خدمت پر مامور ہوئے تو مبارکباد کے طریق پر یہ  
 شعر لکھے۔

جہاں میں آج دیسی سنگھ تو راجوں کا راج ہے خدا کا فضل ہے جو تلوع میں تو آپ راجا ہے  
 سلیمان نے ہوتے رہے ہاتھ میں ہی رزق کی کھنٹی تو سرداروں کا سردار اور مہاراجہ کا راجا ہے  
 شکم اہل جہاں کے سب پر شکر لائے بجا لاتے دما دھیرا جا کر گنبد گرد و نسیم با جا ہے  
 کسی کو دے نہ دے تنخواہ تو مختار ہے اسکا مگر ہر ہر کو دیکھ کے کیوں ہی ہر ہر کا جا ہے  
 حکیم صاحب ہمیشہ ہر ہر کے لئے ظرافت کا سرچشمہ کھو دکھو کر مضامین کے دیا  
 بہاتے رہتے تھے اور ہر ہر کے مذاق سخن کو سیراب کر دیتے تھے۔ بعض شریہ ہیں۔

ہر ہر کا مذاق ہے نرالا سب سے انداز ہے اک نیا نکالا سب سے  
 سر دفتر لشکر سلیمان سے یہ اڑتا ہے سخن میں بالابالا سب سے

راستہ آیتوں کو نفرت ہے کچھ آیتوں سے تیر نکلا جو کہاں سے تو گریزاں نکلا  
 آشیاں سے جو غزل پڑھنے کو بہر آیا غل پڑا پیش رو ملک سلیمان نکلا  
 حکیم صاحب نے ساتھ ہی ساتھ ایک اور دلگی کی۔ غزل میں دو ایک شعر  
 ایسے بھی رکھ دیتے تھے جنہیں معاصروں پر چٹیں ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً جب غالب پر  
 چوٹیں کچا تیں تو ہر ہر مرثاۃ کہتے کہ یہ غزل مرزا غالب کے رنگ میں ہے پوری  
 غزل پڑھ جاتے نہایت چہمت بندش اور رنگین الفاظ ہوتے۔ مگر معنی ندارد۔ بعض  
 شعر یہ جریا۔

مرکز محو کردوں بہ لب آب نہیں  
 ناخن قوس قزح شہید ہضم نہیں

غالب مرحوم خود ایک لطیف اور دریا دل آدمی تھے اُن پرانی باتوں کا کیا اثر ہوتا۔ مہنتے اور ڈال دیتے۔ مگر اور لوگوں نے ہر ہر کے جواب کے لئے ایک شخص کا تخلص باز رکھا۔ اور شاعرے میں لائے۔ باز نے اپنی بازی دکھائی اور شاعرہ کو بازی گاہ بنا دیا۔ مگر قبول خاطر لطیف سخن خدا داد دست۔ پیچارے باز کے شعروں میں سے ایک شعر بھی مشہور نہ ہوا۔ اور میاں ہڈ ہڈ نے جو اسکے جواب میں غزل کہی اس کے کئی شعر اب بھی لوگوں کے ذمہ زبان ہیں۔

جسے کہتے ہیں ہر ہر وہ تو زینت خدا داد ہے      مقابل تیرے کیا ہو تو آج۔ کی ادہ ہے  
گلاب کے باز میں سیدائیں کی سامنے ہے      تو دم میں پر نہ چھوڑوں گا یہی پلار ادہ ہے  
مقرر باز جو اپنا تخلص ہے کیا تو نے      ہوا معلوم یہ اس سے کہ گھر تیرا کشادہ ہے  
ادب سے بے ادب اب تک نہیں چھوڑا سکی      کہ ہر ہر سب جہاں کے طاقتور کا پیر ادہ ہے  
جب وہ دو چوچیں ہو گئیں تو چند روز میں باز اڑ چھو ہو گیا۔ اور ہر ہر نے پالا  
جیت لیا۔ مگر بار لوگ فکر میں لگے ہوئے تھے انھوں نے ہر ہر کے مقابلہ کو ایک  
کالا بھونگا تیار کیا اور زان تخلص رکھا۔ ہر ہر نے اسکی بھی خبر لی چند روز میں  
وہ بھی نفرو ہو گیا اسی زان سے لئے انھوں نے یہ شعر لکھے تھے۔

جون آیا ہے عدد اس کے بدل کو سے کی      اسکی ہے پاؤں سے تاسرو ہی خاک سے کی  
رہی کاں کاں وہی کہیں وہی ٹپیں اسکی      اس چھوڑی نہیں ہاں ک ہر کو سے کی  
پہے جانا تھا ہی سب کے کو ا ہو گا      پھر جو معنوم کیا ہے یہ ہو کو سے کی

بن کے کو ا جو یہ آیا ہے تو اسے بد باد شاہ

دم کتر دینے کو کچھ کم نہیں تو کیسے کی



غرض کہ باری باری سے جو جو جائز ہر ہر کے مقابل ہوتے گئے اس نے  
مارے چونچوں کے سب کا بھر کس نکال دیا۔ اور آخر وقت تک بادشاہ کے یہاں سے  
وہی اذوقہ جاری رہا۔ جو ایک دفعہ جاری ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ادھر ادھر سے  
بھی کچھ نہ کچھ مل رہا تھا۔

ہر چند۔ عبد الکیم نام ہے مارہرو ضلع ایٹک کے رہنے والے ہیں۔  
زمانہ حال کے خوش فکر ظریف شعراء میں ہیں مگر افسوس کہ کلام زیادہ نہ مل سکا  
ایک شعر یہ ناظرین کر سکتا ہوں۔  
ہم جو کم ہے عیاں نہیں تنگ دستی ہے      در نہ .... واسے تری کوئی ہستی ہے

خواجہ محمد شریف نام تھا۔ مرزا غیاث بیگ کے باپ اور نور جاں  
بیگم انیسہ جاگیر بادشاہ کے دادا تھے نہایت ظریف خندہ پیشانی بذریعہ بیچ لطیف  
گرتے۔ شاہ ظہاسپ ماضی کے زمانہ میں زندہ و سلامت موجود تھے ایک ضخیم  
دیوان ان سے یادگار ہے۔ مگر ناپید ہے اسی لئے ان کی طرفت کے پورے پورے  
نمونے نہیں دئے جاسکتے صرف ایک قطعہ نمونہ درج کیا جاتا ہے۔ جو اس وجہ  
سے کہا گیا تھا کہ ایک مرتبہ سلامی اور کلامی نے جو دونوں بھائی تھے اور مشہور  
شاعروں میں گنے جاتے تھے خواجہ مذکور کی تعریف میں بہ امید انعام ایک قصیدہ  
کہا۔ خواجہ نے انعام دیا اور یہ قطعہ نظم کر کے ان کو سنا دیا۔

دو چیزیں بدتر ازیر حریمی      سلام سلامی کلام کلامی  
بادجو تلاش کے مجھے      ان کا نام و مقام معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ایک مجموعہ  
ہزلیات میں ایک غزل ظریفانہ رنگ کی دستیاب ہوئی۔ مگر افسوس ہے کہ

فواہش سے سرتاپا لبریز ہے۔ اس لئے صرف دو تین شعراء لکھتا ہوں۔

جتنے ہیں اسرار ہو جائیں گے تجھ منکشف  
اے بنجم فتافی القریح تو ہو جائیگا  
خوش گئی میں لی گئی ہوں ہج اگر توتی ہج  
لے ہزل کامل غزل گوئی میں تو ہو جائیگا

میر صاحب نے بنا کر جو بنائے گیسور  
جرم سنگین تھا باندھے گئے زنجیر میں ہاتھ

9/1/1911

## حرفِ یا

یار۔ محرفِ قبیح تخلص ہے اصلی وطن ضلع پرتاب گڑھ میں ہے۔ مگر چونکہ  
 یہ سلسلہ ملازمت ان کے والد کا قیام لکھنؤ ہی میں رہا۔ اسی وجہ سے اداس  
 عمر سے یہیں رہتے رہے۔ اب دو تین برس ہوئے کہ ان کے والد کا انتقال بھی  
 ہو گیا مگر اس شہر کی دانگیر خاک نے وطن جانے کی توجہ بھی اجازت نہ دی  
 اب بھی یہیں محلہ حسین گنج میں رہتے ہیں اور مری کلپنی میں ملازم ہیں  
 شعرو شاعری کا مدتوں سے شوق ہے۔ ہنسیار تخلص ہے اور راقم تذکرہ  
 کو اپنی غزلیں دکھاتے ہیں۔ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتے ہیں اُسوقت یا تخلص  
 کہتے ہیں۔ نہایت نیک طینت سلیم المزاج پابند صوم و صلوة متشرع ہیں  
 اب تقریباً ۲۸ برس کی عمر ہوئی۔ چند شعر رنگ ظریفانہ درج کرتا ہوں۔  
 جوان کو چھتا ہے کتا ہے انکودہ شیریں لبوں میں آپکے شکر کا کارخانہ ہے  
 نکل کے چھوڑی گئے جھکودہ ایک دن لے یار میں دہلا جلا ہوں ان کا بڑا دہانہ ہے

اداس کی دونوں سے وہ بکریاں کتنی ہیں نہ چوکیدار کا غم ہے نہ تھا نیدار کا ڈر ہے  
 نتیجہ کیا ہے آخر محنت اس لاشعری ٹھیکے سے مرے حصہ میں بھی ہے تیرے حصہ میں کتنے  
 ملا ہے جان دیکر بوسن کے لال کاروں کا بہت میٹھا سہی لیکن بڑا مہنگا چھتا ہے  
 اٹھا کر لیگیا آئینہ ان کے قصر عالی سے یہ اب بند رہیں اپنے نصیب کا سکندر ہے

ہم نے الفت کا حینوں کی نیچا دیکھا موت کی دھار میں بہتا ہوا مسوا دیکھا  
نازدیکھا تراخرا ترا اٹھا دیکھا کیا کہیں ہم کہ شب وصل میں کیا دیکھا

بس یہی طاسر دل کی ہے نشانی لے یا ہجر کی شب جو رہے ٹھونٹھ پہ الو ہو کر

خانہ بردوش اُسے کہتے ہیں لے زلف دوتا اپنے کندھے پہ اٹھاتا ہے جو چھپر اپنا  
پڑتی آوارہ ہے یہ دختر رز بھی لے یار ڈھونڈھ کر چھوڑتی ہے آپ یہ شوہر اپنا

لیلیٰ کی اماں نے یہ مجنوں کے ابا سے کہا آپ سمجھا لیجے گا اپنے برخوردار کو  
یہ سینان جہاں ہیں مالکان نقد دل ان سے بیشک ٹپکس لینا چاہیے مگر کار کو

یا سمن - ایک شاعرہ تھی جس کا نام چنبیلی تھا۔ یا سمن نام کی مناسبت  
سے تخلص اختیار کیا تھا۔ سید انشا کی کینز تھی۔ جوان العمر تھی۔ مگر مرد کی  
صحبت سے اس قدر متفرقت تھی کہ اُس کی طرف کبھی رخ بھی نہ کرتی تھی مگر  
سید انشا نے بموجب اتباع شریعت اس کا نکاح کر دیا تھا۔ حالانکہ جس شخص  
سے نکاح ہوا تھا وہ شخص نہایت معقول اور معقولیت پسند تھا۔ مگر چونکہ چنبیلی  
بالطبع مرد کی صحبت سے متفرقت تھی اس لئے اس کی صحبت اس نے آئی اور نکاح  
کے پندرہ روز بغیر کسی عارضہ کے فوت ہو گئی۔ اس عورت کی طبیعت نہایت  
موزوں تھی اور عاشقانہ شاعری کے علاوہ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتی تھی۔  
چنانچہ اس کا ایک شعر مل سکا۔

دختر رز سے رات صحبت تھی شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

میل۔ عبد القادر نام تھا۔ دہلی کا رہنے والا۔ اور وہاں کے نہایت مشہور و معروف پہلوؤں میں تھا ایک مرتبہ اپنی پہلووانی کے غور میں کسی شخص سے لڑا۔ اگرچہ وہ شخص زور میں اس سے زیادہ نہ تھا مگر چونکہ فن کشتی سے اچھی طرح واقف تھا اسی لئے اس پر غالب آیا۔ اس معرکہ میں کچھ ٹرنے کے بعد اس پر ایسی غیرت کا غلبہ ہوا کہ شہر چھوڑ کر نکل گیا اور پھر کبھی عمر بھر دلی میں نہ آیا۔ شعر دشنامی سے بھی شوق تھا اور یہ سبب کم علمی کے اکثر طریقہ انہ شعر کہتا تھا۔ چند

یہ ہیں۔

ہرگز نہیں ہوں یار بھی کم اس دنگ سے	اور قریب ہے کہ وہ باز آئے جنگ سے
مطلب نہ نام سے ہی غرض ہو نہ تنگ سے	دیل بنے ہوئے تم کچھ دنگ سے
ساقی نے پشت دی ہے صافی کو تنگ سے	نیک کہ بڑا ہے مزاحط سبز نے
واں ہم بھی جا دیکھتے ہیں دنگی انگ سے	دور سے کہیں آتی ہیں گر نظر
یاری تو تم نے کی ہر مل اس شوخ تنگ سے	تو نہ بیچ میں ظالم کے دیکھنا



Phil of negativism -  
Love of Child.

S. K. K. Union Movement  
Mohammed Ali Jinnah.

مطبوعہ انکار مشین برائے

مطبوعہ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ باہتمام نیا دھند پری

ملنے کا پتہ صرف "نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ"





CALL No 871 PM.9 ACC. NO 1.2414

AUTHOR ...

...

Date	No.	Date	No.



**MAULANA AZAD LIBRARY**  
**ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY**

**RULES:—**

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of **Rs. 1.00** per volume per day shall be charged for text-books and **10 Paise** per volume per day for general books kept over-due.

